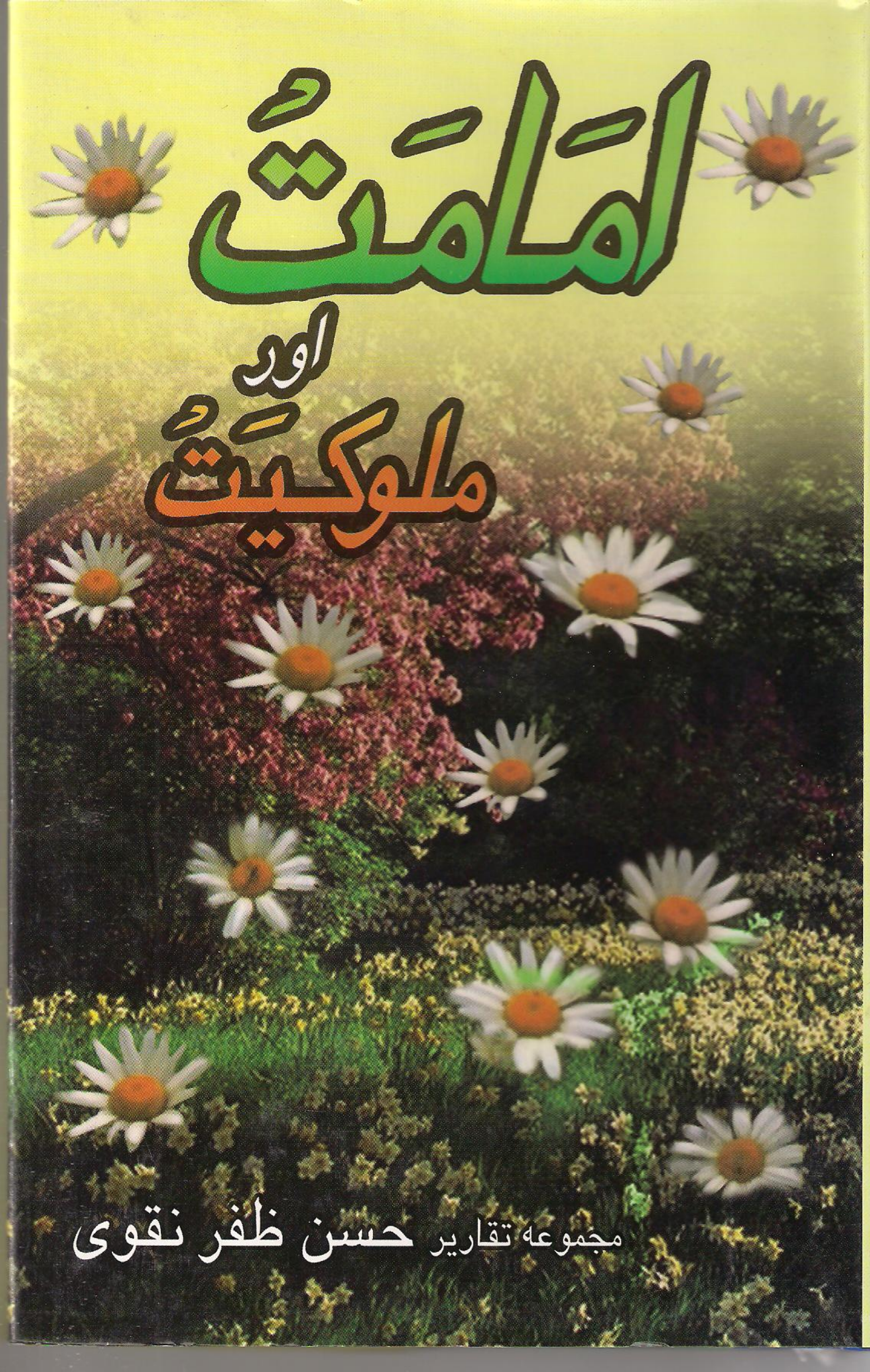


امامت

اور

ملوکیت

مجموعہ تقاریر حسن ظفر نقوی

امامت اور ملوکیت

مجموعۂ تقاریر

شاہ کربلا ٹرسٹ امام بارگاہ رضویہ سوسائٹی

سنہ ۱۴۲۰ھ

مولانا حسن ظفر نقوی

محفوظ بک ایجنسی ❁ مارٹن روڈ کراچی

محفوظ MBA

Tel: 4124286- 4917823 Fax: 4312882

E-mail: anisco@cyber.net.pk

نام کتاب: .... امامت اور ملوکیت

مؤلف: .... مولانا سید حسن ظفر نقوی

صحت: .... سید فیضیاب علی رضوی

ناشر: .... محفوظ بک ایجنسی

کمپوزنگ: .... احمد گرافکس، کراچی

سرورق: .... سیّد معظم علی رضوی

طبع اوّل: .... اگست ۲۰۰۰ء

طبع دوم: .... فروری ۲۰۰۲ء

طبع سوم: .... اپریل ۲۰۰۸ء

تعداد: ۱۰۰۰

قیمت: .... مجلد ۱۷۵ روپے

ناشر

★

محفوظ بک ایجنسی ❀ مارٹن روڈ کراچی

محفوظ MBA

Tel: 4124286- 4917823 Fax: 4312882
E-mail: anisco@cyber.net.pk

اِنتسابؔ

رَاہِ عشق میں جَاں سے گزرجانے والوں کے نام

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

(حافظ)

فہرست مضامین

اظہارِ تشکر

میں اپنے ماموں ڈاکٹر کلبِ صادق صاحب کا شکر گزار ہوں، وہ مجھ نااہل کو کسی قابل سمجھتے ہوئے جن خیالات کا اظہار فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ مجھے ان کے خیالات پر پورا اترنے کی ہمت عطا فرماتا رہے۔ اسی کے ساتھ میں اپنی عزیز بہن سیّدہ عطیہ عباس کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات میں سے اس کتاب کے لئے ایک جامع مضمون لکھ کر اپنے جذبات کی عکّاسی کی۔ اللہ انہیں اوران کے جملہ اہلِ خاندان کو اپنی حفظ و امان میں رکھے اوران کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

سید فیضیاب علی رضوی صاحب جنھوں نے کتاب کی تصحیح و تدوین میں اپنا قیمتی وقت صرف کیا اور میرا دوست میرا بھائی میرا درد آشنا آل محمد رزمی جو مجھ سے نہ جانے کیسی کیسی توقعات اور امیدیں رکھتا ہے جبکہ میں اپنی نااہلی سے خوب واقف ہوں۔ آل محمد رزمی آپ کا بھی شکریہ۔ اور دیگر افراد کا بھی شکریہ کہ جن افراد نے ان تقاریر کو ضبط تحریر میں لانے کے لئے میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔

احقر العباد

حسن ظفر نقوی

۱۵ جمادی الاول ہجری ۱۴۲۱ھ

گفتارِ طبعِ ثالث

جب اس کتاب کا پیشِ لفظ ''تلخ گفتار'' کے نام سے تحریر کیا تھا تو حالات کچھ اور تھے۔ جب دوسرے ایڈیشن کی گفتار لکھی تو حالات 9/11 کے بعد والے تھے اور اب جب تیسرے ایڈیشن کے لئے یہ چند سطور تحریر کر رہا ہوں تو دنیائے اسلام میں حزب اللہ کی فتح جسم میں تازہ خون کی مانند نئی زندگی کی لہر بن کر دوڑ رہی ہے۔

مومنین کو انتہائی سخت آزمائش کے بعد اللہ نے نہ صرف فتح مند کیا بلکہ دنیا کی تمام قوموں کے سامنے عزت و سربلندی بھی عطا فرمائی۔ لیکن کیا حق و باطل کا معرکہ ختم ہو گیا؟ کیا زخم خوردہ استعمار نئی چالیں نہیں چلے گا؟

یقیناً اب زخمی سامراج پہلے سے زیادہ سخت اور بھیانک سازشیں تیار کرے گا اور ہمیشہ کی طرح اس کی سازشوں کا آسان ہدف برصغیر کی سرزمین ہوگی اور سامراجی طاقتوں نے اپنے ایجنڈے پر عمل بھی شروع کر دیا ہے۔ پہلے انہوں نے مسلمانوں کے درمیان خلیج حائل کی اور اب مومنین کے درمیان یہی کام کیا جا رہا ہے۔ مختلف مسائل کو چھیڑ کر مساجد اور امام بارگاہوں کو تقسیم کیا جا رہا ہے۔

بس صرف اتنا کہوں گا کہ اے برادرانِ ایمانی! کیا آپ سامراج کی اس سازش کا شکار ہو جائیں گے؟

احقر العباد

حسن ظفر نقوی

گفتارِ طبع دوم

امیر مختار اور نشانِ راہ کی طرح امامت اور ملوکیت کا بھی جس طرح آپ نے خیر مقدم کیا۔ وہی میرا انعام ہے۔

میں جو یہ چاہتا ہوں کہ اپنی نئی نسل کی رگوں میں کربلائی لہو دوڑا دوں۔

عاشورا کی روح پھونک دوں۔

یہ بات میرے لیے کیوں نہ اطمینان کا باعث ہو کہ مجالس کے مروّجہ مزاج اور انداز سے ہٹ کر بلکہ اس کے برخلاف لوگوں نے ان تاریخی مجالس کو تقریری اور تحریری دونوں انداز میں پسند کیا۔

آپ سب کے شکریے کے ساتھ بس ایک بات کی تکرار کرنا ہے کہ میری تقریر اور تحریر دونوں کا مقصد یہی ہے کہ میرا سارا وجود اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں کے ساتھ اپنے دین کی خدمت میں مصروف رہے۔

میں میدانِ عمل میں کھڑا ہو کر ملّت کے جوانوں کو عمل کی دعوت دیتا ہوں۔

احقر العباد

حسن ظفر نقوی

۱۰ فروری ۲۰۰۲ء

مولانا حسن ظفر کی تحریر و تقریر کے اسباب و اثرات

تحریر: آل محمد رزمی (مدیر ماہنامہ ''اصلاح'' کراچی)

اس آشوب گاہ دہر میں حکایت غم دنیا لکھنا بہت آسان ہے لیکن اظہارِ حقیقت کرنا بہت مشکل ہے۔ جہاں انسان ہر سمت سے حالات کے شعلوں میں گھرا ہوا ہے، جہاں حدِ نگاہ تک نظریات و عقائد کا جنگل اُگا ہوا ہو، جہاں ہر راہ اور ہر موڑ پر فرقہ و مسلک کے قدامت پسند بھیڑیے کھڑے ہوں، جہاں فکر اسلاف پر دین کی دیواریں کھڑی کی جائیں، جہاں دین و دین داری اور مذہب و دیانت داری ماضی کا فسانہ بن چکی ہو، جہاں کہولت فکری کو عروج اور بالغ نظری کو زوال ہو۔

جہاں جھوٹ کا بول بالا اور ناانصافی کا دور دورہ ہو، جہاں عدل کو ریاستی جبر کے بوٹوں تلے کچل دیا جائے، جہاں تعصب و تنگ نظری کی آگ عامتہ المسلمین کو جھلسائے دے رہی ہو، جہاں لوگ سروں پر ایمان کی گٹھریاں اٹھائے ہوئے درباروں کا رُخ کر رہے ہوں، جہاں حرف حق لکھنے والے قلم کو توڑ دیا جائے، جہاں حرف حق کہنے والے ہونٹوں کو سی دیا جائے، جہاں ہم زباں و مہرباں کوئی نہ ہو، جہاں نوحے فصیل ضبط سے اونچے نہ ہوسکیں، جس دیار سنگ میں کھل کر رویا بھی نہ جاسکے، جہاں حالات کے طلسم نے پتھرا دیا ہو، جہاں احساس وفا سے لفظوں کا تراشنا مشکل ہو۔

جہاں حقیقت سے گریز اور سپنوں کی عمل داری ہو، جہاں وحشت کا سماں اور دہشت کا ماحول ہو، جہاں جسم و جاں میں کینہ و منافقت کا زہر گھل رہا ہو، جہاں حسد لہو بن کر انسانی شریانوں میں دوڑ رہا ہو، جہاں انسانیت غاروں میں پناہ ڈھونڈ رہی ہو، جہاں اہلِ حق سے جینے کا حق چھین لیا جائے، جہاں حق کی جگہ پر باطل کو بٹھا دیا جائے، جہاں جہل کو دستار فضیلت پہنا دی جائے، جہاں اہلِ ہوس مدعی و مصنف ہوں، جہاں اہلِ فکر و نظر جاہلوں کے ناز اٹھانے پر مجبور ہوں، جہاں زندگی محفل اہلِ زر میں ذلت دست دعا بن جائے۔

جہاں اہل ایمان کے لہو سے مقتل میں اجالا کیا جائے، جہاں تیشہ اظہار کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی جائے۔ وہاں اظہار حرف حق کرنے والا بڑا محترم ومعتبر اور تاریخ کے غلط لہجے کی نشاندہی کرنے والا بڑا عظیم ہوتا ہے، دار ورسن کی آزمائش سے بے خوف ہو کر اعلائے کلمۃ الحق کرنے، ظالم حکومت کے مفلوج چاکروں کے ظلم وستم کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جانے والے اور خدا کے دین کی خاطر جان کی پرواہ نہ کرنے والوں کو تاریخ جھک کر سلام کرتی ہے۔ اہلِ دانش تعظیم اور اہلِ حق مجرا بجالاتے ہیں۔

وہاں مولانا سید حسن ظفر نقوی (فاضل قم) قلم قبیلے اور میدان خطابت کے وہ منفرد و بیباک فرد ہیں جنہوں نے اندیشہ ہائے سود و زیاں سے بے نیاز و بے پرواہ ہو کر زہر آگہی پیا، اپنی خطابت سے لفظ کے پتھر کو حق کے پیکر میں تراشا، احساس کے چراغ جلائے، اسلام کے خلاف ملوکیت کی ممکنہ محلاتی سازش سے آگاہ کیا، اگرچہ گلشن خطابت میں اب بھی بڑے بڑے باکمال لوگ موجود ہیں مگر ان کی پُر جوش فلسفیانہ، خشک اور ابہامی خطابت اور مناظرانہ رنگ نے وہ تاریخی حقائق، نئی نسل پر منکشف نہیں کیے جس کی اس دور میں اشد ضرورت ہے۔

نئی نسل اپنی تاریخ سے ناآشنا ہوتی جارہی ہے، انہیں اسلام کی صحیح تاریخ سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں مولانا سید حسن ظفر نقوی کا رنگ ڈھنگ جدا ہے۔ نہ وہ فلسفیانہ گتھیوں میں الجھے ہیں نہ وہ مناظرانہ رنگ اختیار کرتے ہیں، وہ اتحاد بین المسلمین کے حامی ہیں، وہ اپنے انداز میں جو کہنا چاہتے ہیں کہہ جاتے ہیں اور پورے ہوش وخرد، پوری ذمہ داری اور پورے جذب سرفروشانہ کے ساتھ حقائق کا اظہار کرتے ہیں تاکہ نئی نسل اپنی تاریخی، قومی اور تہذیبی سانچوں کی بازیافت میں پورے فہم، پورے شعور، پورے ادراک، پورے خلوص اور پوری ذمہ داری کے ساتھ مصروف ہو جائے۔

میری ان ابتدائی وتمہیدی سطور کا مطلب مولانا سید حسن ظفر کا ''ظفر نامہ'' بیان کرنا نہیں بلکہ ان کی زیرِ تبصرہ کتاب امامت اور ملوکیت پر نقد ونظر ہے جو آئندہ صفحات پر آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ تنقید کا مطلب تنقید برائے تنقید نہیں بلکہ تنقید ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ان محرکات، اثرات اور کیفیات کو واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے جن کو ہر صاحبِ ذوق

محسوس نہیں کرسکتا یا بیان نہیں کرسکتا۔ غور و فکر اور تجزیہ و تحلیل کے بعد اس طرح رائے قائم کرنا کہ حبِ دوست و رشکِ دشمن کی ہلکی سی لہر بھی نہ اٹھے، اس راہ دشوار کی پہلی منزل ہے۔

مذاق سلیم اور علم و بصیرت کے ساتھ ساتھ صداقت اور ظرف دو ایسے بنیادی عناصر ہیں جن کے بغیر تنقیدی تخلیقات، معیار، ہمہ گیری، سچائی اور تاثیر سے محروم رہتی ہیں۔ یہ بات بہت ضروری ہے کہ نقاد کا ذہن صداقت کے اس نور سے ہمہ وقت منور رہے جس کے فیض سے دار و رسن کے سامنے بھی حق گوئی کا جذبہ باقی رہتا ہے اور فطرت نے اس کو وہ ظرف عالی عطا کیا ہو جس کی گہرائیوں میں ذاتی پسندیدگی و ناپسندیدگی کی لہریں محوخواب رہیں۔

تنقید صرف خوب و زشت کی تفصیل پیش کردینے کا نام نہیں ہے، یہ تو ایک اوسط درجے کا ذہن اور معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا خوش ذوق بھی کرسکتا ہے، نقاد صرف متعلقہ تفصیلات ہی مرتب نہیں کرتا بلکہ قدر و قیمت کا تعین بھی کرتا ہے لہٰذا میں پوری غیر جانبداری اور وثوق سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ مولانا سید حسن ظفر نقوی نے Honesty of Purpose اور Adiaphorism کے ساتھ اظہارِ حرفِ حق کیا ہے۔

مولانا حسن ظفر کی کتاب ''امامت و ملوکیت'' جو ان کی تقاریر کا مجموعہ ہے اس کا سرنامہ کلام سورہ انبیاء کی آیت نمبر ۷۳ ہے جس کو بنیاد بنا کر آپ نے لفظ ''امامت'' کو بڑی وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس ضمن میں آپ نے قرآن و احادیث و اقوال معصومینؑ سے بیسیوں اہم مصادر پیش کیے ہیں۔ آپ نے ابتدا میں ہی فرمایا ''جب سے انسان روئے زمین پر آیا ہے کوئی دور بھی ایسا نہیں گزرا کہ کوئی انسانی معاشرہ تشکیل پائے، کوئی انسانی گروہ تشکیل پائے اور اس کو رہبری کی ضرورت پیش نہ آئی ہو...... آج کا دور ہو یا گزرا ہوا دور ہو یا آنے والا دور ہو جب بھی، جہاں بھی ایک انسانی سماج وجود میں آیا یا آئے گا یا گروہ تشکیل پائے گا تو اس کو ضرورت ہوگی ایک رہبری کی طرف، امامت کی طرف، ایک پیشوائی کی طرف۔''

مولانا مختلف مفاہیم پیش کرنے کے بعد ان مباحث کو (Quandary) تذبذب و تشکک کی کیفیت سے نکال کر اس کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں ''لغت کے ماہر جب بھی مکتب امامت کی تشریح کریں گے تو اب وہ خاص معنی اور اصطلاحی معنی بیان کریں گے۔ اب

کوئی یہ نہیں کہے گا کہ امام کے معنی تو آگے چلنے والا ہے بلکہ وہ جماعت ہے جو مولا علیؑ اور ان کی ذریت سے گیارہ اماموں کو اپنا امام مانتی ہے۔''

حسن ظفر صاحب نے موضوع کے حوالے سے امامت کی ضرورت، مزاج امامت، امامت کی وساطت سے اسلام کی حفاظت و تحفظِ شریعت، اہلِ مدینہ کی حق تلفی، فدک، سقیفائی اسلام، غدیری اسلام، حکومتی سطح پر لکھی جانے والی تاریخ اور اصلِ تاریخ کا موازنہ امامت و ملوکیت کا فرق، حالات حاضرہ اور ہماری ذمہ داری پر بڑی ژرف بینی سے بحث کی ہے۔

ہوسکتا ہے کہ مولانا حسن ظفر کی خطابت میں وہ گھن گرج نہ ہو، چھینٹے بازی نہ ہو، فلسفے کا بگھار نہ ہو، مشکل الفاظ نہ ہوں، عوام کے حسب منشا فضائل و روایات نہ ہوں، وہ ایک ایک نعرۂ حیدری پر جنت نہ بانٹ رہے ہوں، وہ نعرۂ حیدری نہ لگانے والے کو کسی خرابی کی سند بھی نہیں دیتے...... لیکن وہ احترام منبر کو پامال نہیں کرتے، وہ منبر کے تقدس کا ہر ممکن خیال رکھتے ہیں، وہ منبر کی ذمہ داری کو سمجھتے ہیں۔ انہیں اس بات کا دکھ ہے کہ خطیبوں کی غیر ذمہ داری کی وجہ سے ہماری نئی نسل مجلس سننے کی بجائے امام بارگاہ کے باہر بیٹھ کر سگریٹ پینے اور گپ لگانے کو ترجیح دیتی ہے۔

مجلس سیرت و کردار اہلبیتؑ اور فضائل و مناقب محمدؐ و آلِ محمدؐ اور مذہب و مسلکِ ذریتِ طاہرہ رسالت کا ایک منظّم، مستحکم، لاجواب اور بہترین دانش کدہ و نشرگاہ ہے۔ معاشرے کی اصلاح، عقل و فکر کی تربیت اور سیرت و کردار و اخلاق کا بہترین ذریعہ ہے، عزت نفس، حریت فکر و خیال اور طاغوت سے نجات حاصل کرنے کی بہترین تربیت گاہ ہے، قرآن و اہلِ بیتؑ کے الٰہی و ربانی پیغامات کی بے نظیر درس گاہ ہے۔

مگر آج ہماری مجالس جو سچائی کی دنیا کے سب سے بڑے سچ کی اشاعت کے لیے قائم کی گئی تھیں، بے احتیاطی کا شکار ہوگئی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ منبر پر اہلِ علم کی بجائے چرب زبان اور بے علم خطیبوں کا قبضہ ہوگیا ہے بلکہ سامراجی و استعماری اسلام دشمن طاقتوں کے قبضہ گروپوں نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت انہیں یہ قبضہ دلایا تاکہ مکتب اہلِ بیتؑ کے سب سے منظّم ادارے عزاداری کو Sabotage کیا جاسکے۔

گزشتہ چند برسوں سے ہماری عزاداری میں نت نئی رسومات کا اضافہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ ڈور کہیں باہر سے ہل رہی ہے۔ اسلام دشمن قوتیں ہماری اس کمزوری سے بخوبی واقف ہیں کہ شیعیان حیدر کرؑار عزاداری کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتے، لہٰذا عزاداری کے نام پر جو چیز چاہو اس میں شامل کردو۔ اگر کوئی ان خلاف شرع باتوں پر ٹوکے گا تو اس پر عزاداری کے مخالف ہونے کا Lable لگادیا جائے گا اور اول تو اس کی کوئی سنے گا ہی نہیں اور اگر کسی عالم یا خطیب نے یہ جرأت کر بھی لی تو اس پر وہابی مولوی، دشمنِ عزاداری، تحریکی اور ایرانی ایجنٹ ہونے کا الزام لگا کر رسوا کیا جائے گا۔ جب کہ مکتب اہل بیتؑ کے دوسرے سب سے بڑے ادارے یعنی مرجعیت کے خلاف یہ سازش گزشتہ نصف صدی سے پہلے ہی سے جارہی ہے، اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ عزاداری کے پورے ادارے پر صرف اور صرف عوام کا قبضہ ہوگیا ہے، علماء و خطباء امام بارگاہوں کے ٹرسٹیز کے رحم و کرم پر ہیں۔ ان ٹرسٹیز میں دین دار افراد کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ لہٰذا عوام ہی اپنی ذہنی سطح اور جذبات کے تحت جس طرح چاہتے ہیں چلاتے ہیں۔

اگر کوئی عالم و خطیب ان ٹرسٹیز کے آگے سر نہیں جھکاتا، ان کی ناز برداری اور چاپلوسی نہیں کرتا یا ان سے خوشگوار تعلقات نہیں ہیں تو اس کا اللہ حافظ ہے۔ لہٰذا خطبا و ذاکرین نے ان ٹرسٹیز پر دباؤ بڑھانے کے لیے اپنی مقبولیت میں اضافہ کرنے کے نت نئے منصوبے بنائے تاکہ عوام کے بے حد اصرار پر انہیں ان اداروں میں دعوتِ خطاب دی جائے، لہٰذا وقتی مقبولیت اور سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے طبع زاد افکار و خیالات کو رواج دیا گیا اور خانہ ساز روایات سے اپنی دکانوں کو چمکانے کا کام کیا گیا۔

اس طرزِ عمل نے نہ صرف عزاداری کو بلکہ واقعہ کربلا کی عظمت کو بہرحال نقصان پہنچایا ہے۔ عزاداری کے اثرات نہ صرف کم ہوئے ہیں بلکہ تقریباً ختم ہوگئے ہیں۔

کیسے کیسے لوگ منبر پر نظر آنے لگے
زیرِ منبر بیٹھیے توہینِ منبر دیکھیے

مولانا حسن ظفر کو منبر کی عظمت اور سامعین کے بدلتے ہوئے رجحانات کا احساس ہے ''آج سے تیس چالیس سال قبل مجالس کا علمی انداز تھا، تاریخی انداز تھا۔ آپ کو تبدیل ہونا پڑے گا اور منبر کو اسی نہج پر واپس لانا ہوگا ورنہ آنے والی نسلوں کی جو علمی حالت ہوگی وہ بڑی بھیانک ہوگی۔۔ عزیزانِ محترم اگر زندہ رہنا ہے اور عزت کے ساتھ سر بلندی کے ساتھ تو علم سے دوستی کرنا پڑے گی، کتابوں سے دوستی کرنا پڑے گی۔ اس عزاداری کو مرضیٔ حسینؑ کے سانچے میں ڈھالنا ہوگا۔''

''اگر سقیفائی علماء اور عوام امامت اور مقصد شہادتِ حسینؑ پر پردہ ڈالنے کی سازش و کوشش کر رہے ہیں تو یہ ان کا مسلکی حق ہے لیکن ہمیں شکایت تو غدیری علماء اور عوام سے ہے جن کا یہ خیال ہے کہ امام حسینؑ امت کو بخشوانے گئے تھے، امام حسینؑ نے اس لیے قربانیاں دی تھیں کہ اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کو بخش دے۔ ان لوگوں کو نہ اسلام کی قدر و قیمت کا اندازہ ہے نہ امام حسینؑ کی عظمت کا احساس۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جنت علیؑ کے ماننے اور چاہنے والوں کی ہے مگر علیؑ بھی تو ہمیں اپنا ماننے اور چاہنے والا اقرار دیں، ہمارا کردار بھی تو حسینی ہو، ہم جنت میں ضرور جائیں گے مگر کب جائیں گے، اس کا بندوبست ہمیں خود کرنا ہے۔''

مندرجہ بالا سطور اگرچہ موضوع سے متعلق نہیں لیکن یہ موضوع اس کتاب کی روح ہے، بین السطور میں مولانا حسن ظفر فرماتے ہیں ''آج بھی صورت حال اس سے کچھ مختلف تو نہیں ہے، سازشی عناصر، دین کے سوداگر اور ملت فروش لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی سیاست کامیاب ہے، وہ حق کے مقابلے میں مکروہ پروپیگنڈا کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے مکر و ریا کے چہرے کو چھپانے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ لیکن وہ بھول جاتے ہیں کہ تاریخ کسی کو بھی معاف نہیں کرتی، وہ ان مقدس نماؤں کے چہرے کو ضرور بے نقاب کرتی ہے۔''

مولانا حسن ظفر نقوی نے اپنی تقاریر میں حکومت سے مرعوب و مراعات یافتہ مورخین کے بکے ہوئے قلم سے لکھی جانے والی تاریخ کے چہرے سے نقاب اٹھائی ہے۔ قبائلی عصبیت و محلاتی سازش کے نتیجے میں معرض وجود میں آنے والی ملوکیت نے حقیقت کو چھپانے کے لیے تلوار و تاریخ دونوں سے کام لیا، قبائلی اور گروہی عصبیت کو "Develop"

کرکے ہم خیال ہم مزاج، ہم عادات و ہم قبیلہ لوگوں کی تلواروں کو اپنی طرف راغب کیا اور مال و زر، جاہ و منصب کا لالچ دے کر ذہن و ضمیر، قلم و اہل قلم کی مجبوریاں اور کمزوریاں نیز محدث و مورخ اور مفتی و مُلا خریدے گئے۔ اس طرح بنو امیہ کی ٹکسالوں میں گھڑی ہوئی جعلی احادیث و روایات کے ذریعہ اتنا غبار اڑایا گیا کہ حق و ناحق، خوب و زشت، خیر و شر، نیکی و بدی کے درمیان تمیز مشکل ہوگئی۔

مولانا حسن ظفر اس سلسلے میں کچھ اس طرح روشنی ڈالتے ہیں ''ملوکیت کا اپنا ایک مزاج، ملوکیت کی اپنی ایک فطرت ہے، ایک طبیعت ہے۔ یہ کچھ افراد کی بات نہیں ہے بلکہ ایک فطرت کی بات ہے، کسی مخصوص خاندان کی بات نہیں بلکہ تاریخ بشریت پر پھیلے ہوئے اُن ان گنت کرداروں کا تجزیہ ہے جو کبھی شداد کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں تو کبھی نمرود کی نقاب چڑھا کر، کبھی فرعون کے بھیس میں، تو کبھی ابوجہل و ابولہب کی شکل میں، کبھی ابوسفیان کی مکاریوں کے لبادے میں، تو کبھی یزید جسے لعنت ابدی کے مستحق کے مظالم کی تصویر بن کر تاریخ انسانی کا بدنما داغ بن جاتے ہیں۔

آپ یہ مت سمجھیے گا کہ یہ فطرت صرف حکمرانوں کا خاصہ ہے، بس فرق اتنا ہے کہ اقتدار اس فطرت کے اظہار کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مزاج میں ملوکیت ہو لیکن موقع نہ ملنے کے سبب وقتی طور پر مظلوم ہو جیسے کہ آپ ہماری سیاست کی دنیا میں صبح شام دیکھا کرتے ہیں کہ جو آج مظلوم ہے کل جب اقتدار کے مسند پر آتے ہیں تو کون سا ظلم ایسا ہے جو نہیں ڈھاتے، اقتدار سے باہر رہ کر شریفانہ سیاست کا پرچار کرنے والے مفلس اور پریشان حال عوام کی خدمت اور محبت کا دم بھرنے والے لوگ اقتدار میں آکر اپنی حکومت کو بچانے کے لیے کون کون سا نظریہ ہائے ضرورت ایجاد نہیں کرتے۔

آپ کے سامنے ہے کہ ملوکیت طول اقتدار چاہتی ہے، ہمارے ہاں کیسے کیسے شریف، دین دار اور مخلص افراد اس ملک کی خدمت کا جذبہ لے کر آتے ہیں لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد اس سسٹم کا حصہ بن جاتے ہیں۔ اسلام اور ملوکیت یا امامت و ملوکیت کو سمجھنے کے لیے تاریخ اسلام کا مطالعہ بہت ضروری ہے لیکن یہ تاریخ ملوکیت کے زرخرید مورخوں

کے بکے ہوئے قلم سے تحریر کی گئی ہے۔ لہٰذا ہمیں پورے ہوش اور پوری غیر جانبداری سے اس کا مطالعہ کرنا ہوگا اور جہاں جہاں مورخین نے ڈنڈی ماری ہے وہاں ہمیں اسلام کے حقیقی وارثین کے اقوال و ارشادات اور مستشرقین کی تاریخ سے بھی استفادہ کرنا ہوگا۔

خداوند عالم نے جس اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام بھیجے اور مخلوقات کے بہترین فرد یعنی حضرت ختمی مرتبت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی کامل ترین کتاب عطا کر کے بھیجا اور آپؐ نے اپنی عمر بابرکت کا بیشتر حصہ طرح طرح کی ابتلاء و مصائب میں گزارا اور مختلف اقسام کی مشکلات اور رکاوٹوں کو ہٹانے کے لیے سخت ترین مصائب و تکالیف برداشت کیں اور ایک ایسا قرآنی، فلاحی، رفاعی اور مثالی معاشرہ تشکیل دینے میں کامیاب ہوگئے جس کی بنیادیں عدل و انصاف اور تقویٰ پر استوار ہیں، جہاں رہنے والے انسان عزت اور سکون سے منزل کمال انسانی کی جانب رواں ہیں۔

اس معاشرے میں الٰہی اقدار کے پاسباں سربلند ہیں۔ الٰہی اقدار کے پاسباں وہی لوگ ہیں جنہیں بانیٔ اسلام نے احکام خداوندی کے مطابق ازروئے سورۂ مائدہ غدیر میں اپنا جانشین مقرر کیا تھا، لہٰذا امامت و ملوکیت کی ستیز و آویزش وفات پیغمبر اسلامؐ سے لے کر آج تک جاری ہے، احکامِ خداوندی کے مخالف یعنی مخالفین امامت ہمیشہ سرنگوں رہے ہیں اور رہیں گے۔

ملوکیت کی قسمت میں شہنشاہی، استبدادی اور طبقاتی نظاموں کی سرپرستی کے باوجود شکست ہے۔ ملوکیت نے ہر دور میں ان تمام تباہ کن ہتھیاروں کو ازسرنو تیز کیا ہے جسے پیغمبر اسلامؐ نے اسلام اور مسلمانوں کے حق میں مہلک و تباہ کن قرار دیا تھا جس کی طلوع اسلام سے لے کر حجتہ الوداع کے آخری خطبے تک نفی و مذمت کی گئی تھی اور تقویٰ و پرہیزگاری کو برتری کا معیار قرار دیا گیا تھا۔

زمانۂ رسالتؐ سے ہی سازشوں کے کارواں دبے پاؤں چلنے لگے لیکن ان کو کامیابی اس وقت نصیب ہوئی جب حضورؐ پردہ فرما گئے اور اموی استبدادی سیاست کے نتیجے میں ایک بار پھر شہنشاہیت کے بت پروان چڑھنے لگے اور امیر شام نے اپنے اوباش اور بدکردار چہیتے بیٹے کی

ولی عہدی کا اعلان کر کے اسلام کے مسلمہ اصولوں کی دھجیاں بکھیر دیں اور حضرت امام حسن مجتبیٰ سے ہونے والے صلح نامہ و معاہدہ کی صریح خلاف ورزی کر کے بدعہدی کی بنیاد ڈالی۔

لیکن قبائلی اور گروہی تعصب میں ڈوبے ملوکی مزاج نام نہاد مسلمان، بعض مصلحت پسند صحابہ اور بعض تابعین اور حکومت کے ہاتھوں بکی ہوئی مذہبی قیادت یا ریاستی جبر سے خوفزدہ مسلمانوں نے یا لب و گوش پر خاموشی سجالی یا دنیا کی خاطر دین کا سودا کرلیا یا گھروں اور گلی کوچوں میں چہ میگوئیاں کرنے پر اکتفا کیا اور کوئی بھی اپنے آپ میں یہ جرأت پیدا نہ کرسکا کہ حکومت کے غلط لہجے کی نشاندہی کرتا، حکمرانوں کو ان کی اس بدعہدی کا احساس دلاتا اور اس اقدام کے خلاف آواز اٹھاتا۔ اس لیے کہ وہ گزشتہ ادوار میں امیر شام کی مخالفت کرنے والوں کا عبرت ناک انجام دیکھ چکے تھے۔ مسلمانوں کی اس غیر ذمہ داری، بے حسی، بے حمیتی، بے اصولی، بزدلی، جانبداری اور مجرمانہ اور غافلانہ سکوت کے نتیجے میں، پیغمبر اکرمؐ کی وفات کے بعد نصف صدی سے بھی کم عرصے میں اس قرآنی معاشرے کو تبدیل کر کے رسالت کی مسند پر ملوکیت کا قبضہ ہوگیا اور اسلام کو شاہی کی جانب موڑا جانے لگا جس کے نتیجے میں اسلام اکھڑی اکھڑی سانسیں لینے لگا اور روئے اسلام پر خزاں کی زردی چھا گئی۔

مولانا حسن ظفر، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب ''خلافت و ملوکیت'' کا حوالہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں ''ملوکیت کا آغاز اس وقت ہوا جب اقربا پروری اور بیت المال میں خیانت شروع کی گئی۔ راستہ یہاں سے کھلا کہ طرز خلافت پر ضرب لگائی گئی۔ اگرچہ بہت پہلے لگ چکی تھی جو شام اس کو دیا گیا تو اس نے شام میں سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہ کہ قصر شہنشاہی تعمیر کیا۔ جو میں نے کہا کہ مزاج میں ملوکیت ہے، شہنشاہی ہے تو جیسے ہی اقتدار ملا وہ مزاج پلٹ کر واپس آ گیا۔ شہنشاہی کے آثار نمودار ہونا شروع ہوئے، قصر ہونا چاہیے۔ ہمارے لیے محل ہونا چاہیے، یہ تمام چیزیں شروع ہوئیں۔ تو مولانا مودودی کو یہ احساس اس لیے ہوا کہ طرز خلافت پر ضرب لگی۔

ہم کہتے ہیں کہ نہیں یہ اس وجہ سے نہیں ہوا بلکہ اس دیوار کی پہلی اینٹ ہی کج رکھی گئی تھی جب معمار پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھے گا تو دیوار آخری سرے تک ٹیڑھی جائے گی۔

مسئلہ یہ نہیں کہ خلافت کو ضرب لگی اور ملوکیت آئی بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ امامت کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کی گئی، امامت کو اس کا منصب نہ دیا گیا۔ اگر مسلمان امامت کا ساتھ دیتے، امامت کے پرچم تلے آجاتے تو اسلام میں آج کوئی رخنہ نہ پڑتا۔ اس ملوکیت نے اسلام پر جو ستم ڈھائے ہیں انہیں بیان کرنے کے لیے نہ تو بیان کی قوت پاتا ہوں اور نہ ہی الفاظ لاسکتا ہوں"۔

اس کے باوجود بادل نخواستہ مولانا حسن ظفر نے بیش وکم بلاتبصرہ اور انتہائی ضروری وضاحتوں کے ساتھ ملوکیت کی مختصر تاریخ اور اس کا سفر بیان کردیا۔ یہ سفر کربلا پر جاکر ختم ہوتا ہے جہاں حضرت امام حسین علیہ السلام امامت کے نمائندہ بن کر آئے۔ حسینؑ کثرت میں پھیلی ہوئی تاریخِ عصمت کا نام ہے اور وحدت میں نواسہ رسولؐ ہیں۔

امام حسینؑ امامت کے نظریات یعنی نبوی نظریات کا مجسمہ تھے اور رسالتی عقائد کا پیکر تھے، عصمت سراپا اور مجسم قرآن کو حسین ابن علیؑ کہتے ہیں۔ آپؑ کے اقدام نے اسلامی خطوط سے ہٹ کر جانے والے حکام یعنی ملوکیت و شاہی کے نمائندوں اور فرمانرواؤں کو بے نقاب کردیا، جو خلافت کی آڑ میں ملوکیت کو پروان چڑھانے والے اور خود کو خلفاء کہلانے والے اپنی مرضی اور خواہش سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کررہے تھے۔

ان خلفاء کی بے اعتدالیوں اور بدعتوں کو اسلام کی تاریخ میں "اولیات فی الاسلام" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کے گورنروں کی ہمتیں اتنی بڑھ گئی تھیں کہ وہ نشے کی ترنگ میں صبح کی نماز دو رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھانے کے بعد نمازیوں سے پوچھتے تھے کہ کہو تو دو رکعتیں اور پڑھادوں؟ امامت کے نمائندہ حسینؑ نے عوام پر یہ بات واضح کردی کہ کسی خلیفہ کو شریعت اسلامی میں دخل اندازی کا کوئی حق نہیں ہے۔

قرآن وسنت میں خدا اور رسولؐ کے خلاف بولنے والا ہرگز مسلمان نہیں ہوسکتا۔ اگر امام حسینؑ نے عوام میں یہ ذہنی بیداری نہ پیدا کی ہوتی تو شاید "اولیات فی الاسلام" کے طوفان میں حقائق و معارف اسلامی غرق ہوچکے ہوتے اور آج اموی خلفاء کی بدعتوں ہی کا نام اسلام ہوچکا ہوتا۔ امام حسینؑ کے جرأت مندانہ اقدام شہادت کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ کربلا کے بعد

جب تاریخیں لکھی جانے لگیں تو خلافت و ملوکیت کی بدعتوں کو "اولیات فی الاسلام" کی سرخی کے ذیل میں جگہ دی گئی ورنہ کربلا سے پہلے یہی بدعتیں اسلام کہلاتی تھیں۔

وادیٔ اسلام میں داخل ہونے والی انہی ملوکانہ بدعتوں کی طوفانی لہروں کو امام حسینؑ نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے پاکیزہ لہو سے بند باندھ کر روکا اور باڑھ پر آئے ہوئے ملوکیت کے طوفان کے رخ کو بدل دیا۔

جناب امید فاضلی نے کیا خوب کہا ہے ۔

علیؑ کا گھر پھر علیؑ کا گھر ہے سلام اس گھر کی روشنی پر
جہاں چراغوں نے بجھتے بجھتے ہوا کے رُخ کو بدل دیا ہے

کربلا میں امامت و ملوکیت کا مقابلہ تھا، دو فکروں کا تصادم تھا، دو نظریات کا ٹکراؤ تھا، دو قوتوں کی آویزش تھی، دو نمائندوں کی جنگ تھی، دو عقائد رکھنے والوں کی ستیز تھی، دو نظاموں کی معرکہ آرائی تھی۔ ایک طرف امام حسینؑ تھے جو امامت کے نمائندہ تھے، الٰہی اور الہامی فکر رکھتے تھے، اسلامی نظریات کے حامی تھے، رحمانی قوت کے ترجمان تھے، رسولؐ کے نمائندہ تھے، ان کا عقیدہ محمدؐ و آلِ محمدؑ کا عقیدہ تھا۔

وہ اسلامی نظام کے داعی تھے اور حق و خیر و نیکی کا نشان تھے جو اپنے مختصر وسائل کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ دوسری طرف یزید تھا جو ملوکیت کا پروردہ، ملوکی فکر و ملوکی نظریات رکھتا تھا اور شیطانی قوتوں کا ترجمان اور اپنے اسلاف کا نمائندہ تھا۔ اس کا اسلام قرآن، وحی و رسالت پر قطعی ایمان نہ رکھتا تھا، وہ ملوکیت و شاہی کا دمساز و ہمراز تھا جس کی طرف سب کچھ تھا اور تمام جائز و ناجائز وسائل کے استعمال کی کھلی آزادی تھی۔

جناب جوشؔ ملیح آبادی تحریر فرماتے ہیں "حسینؑ وہ ہے جس کے نظام انفاس کی اطمینان آمیز ہمواری کی زد پر میدان کربلا کی بادسموم کا دَم ٹوٹ گیا، جس کے لبوں کی خشکی دیکھ کر فرات کی موجیں آب آب ہوکر رہ گئی تھیں اور جس کے چہرے کی شادابی کو دیکھ کر کربلا کے تپتے سورج کے ماتھے سے پسینے کی بوندیں ٹپکنے لگی تھیں۔

مولانا حسن ظفر اپنی تقاریر میں حالاتِ حاضرہ پر بڑا عمدہ تبصرہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی

عالم عصری تقاضوں اور موجودہ حالات سے بے خبر ہوگا تو اسے باخبر نہیں کہا جاسکتا اور جو باخبر نہ ہو وہ عالم نہیں ہوسکتا۔ آپ نے اپنی ایک تقریر میں کہا ''آج افغانستان میں اسلام کی جو بھیانک تصویر پیش کی جارہی ہے اس کے پیچھے سامراجی طاقتوں کے کئی مقاصد پوشیدہ ہیں۔

ایک مقصد تو یہ ہے کہ ایران میں آنے والے اسلامی انقلاب کے جو اثرات یورپ اور امریکہ کے ممالک میں پھیل رہے تھے ان کو روکا جاسکے اور امریکی اور یورپی شہریوں کو افغانستان کے اسلام کی تصویر دکھا کر اسلام سے ڈرایا جاسکے۔

دوسرا مقصد یہ ہے کہ ان جدید خارجیوں کے ذریعہ علیؑ کے چاہنے والوں کو پھر سے مصیبتوں میں مبتلا کیا جائے کیونکہ ان کی دانست میں سامراج کو اصل خطرہ شیعیان حیدر کرار ہی کے انقلابی کردار سے ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جب بھی حقیقی اسلام کو خطرات لاحق ہوئے تو یہی علیؑ کے چاہنے والے میدان میں نکل آئے اور اسلام محمدی کا دفاع کرنے کا فریضہ انجام دیا۔

عجیب و غریب دہشت گردی کو اسلام کا نام دیا جارہا ہے کہ ساری دنیا میں اسلام دشمنوں کو اسلامی قوانین کا مذاق اڑانے کا موقع فراہم کیا جاسکے۔

داڑھی ایک بالشت سے چھوٹی کیوں ہے؟ پندرہ کوڑے۔

شلوار کا پائنچہ ٹخنے سے اونچا کیوں نہیں ہے؟ بیس کوڑے۔

خاتون نے خیمے کی جگہ چادر کیوں پہنی ہے؟ تیس کوڑے۔

اگر اسی کا نام اسلام ہے تو کون عقل کا اندھا اسلام قبول کرے گا؟ یہ طالبان برانڈ اسلام، نوع انسانی کو اسلام سے متنفر اور دور کرنے کی مذموم و بھیانک سازش ہے جس کا مقصد دنیا کو یہ بتانا ہے کہ اسلام ایک اذکار رفتہ Out of date دین ہے جو عصر حاضر کے جدید تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتا جب کہ اسلام ایک روشن فکر دین ہے جس کے علماء Wide فکر رکھتے ہیں۔ دین اسلام میں Neologism ہے۔ یہ کوئی فرضی، بے حقیقت Nonentity دین نہیں۔

مولانا حسن ظفر نے درست فرمایا ہے کہ اگر یہی اسلام ہے تو سیکولرازم ہی بہتر ہے،

احترام انسانیت اور آزادی ہر شخص کا پیدائشی حق ہے۔ اسلام نے چند پابندیوں کے ساتھ (کیونکہ بعض پابندیاں نہ ہونے سے اور مادر پدر آزاد ہونے سے انسانی معاشرہ حیوانی معاشرہ میں تبدیل ہوسکتا ہے) عورت اور مرد کو مکمل آزادی دی ہے۔

غرضیکہ مولانا حسن ظفر کی تقاریر کا مجموعہ ''امامت وملوکیت''، امامت وملوکیت پر تحقیق کرنے والوں کے لیے ایک مستند دالہ (Reference Book) کی حیثیت رکھتی ہے۔ میں نے اس کو لفظ بہ لفظ پڑھا ہے۔ یہ صرف دلچسپ ہی نہیں نہایت متوازن اور گہری کتاب ہے جس میں معقول دلائل کے ساتھ ایک تجزیاتی تنقید ہے، جس میں امامت و ملوکیت کے مطالب، ان کی تاریخ اور ان کے نمائندوں کا کردار پیش کیا گیا ہے اور مختلف گوشوں پر نہایت محققانہ، عالمانہ اور خطیبانہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

یہ کتاب اپنی اہمیت کے ساتھ اپنی ضروریات بھی تسلیم کراتی ہے۔ اس کتاب کا مصنف یا اس تصنیف کو کاغذی پیرہن عطا کرنے والا شخص جس کا نام حسن ظفر ہے، طاق تہذیب اودھ کا روشن چراغ ہے، علم وادب کا حسین سنگم ہے۔ وہ مولوی ہے لیکن ملائیت کے خلاف ہے۔ وہ خطیب ہے لیکن خطیبوں کی موجودہ روش سے بیزار، وہ عالم ہے لیکن درباری علماء سے بدظن ہے، وہ لیڈر ہے لیکن رہزن کو رہبر ماننے کے لیے تیار نہیں، وہ ہماری قوم کا ایک فرد ہے لیکن قومی مسائل کا گہرا ادراک رکھتا ہے۔ وہ اپنے دوش پر عباء رکھتا ہے اور سر پہ عمامہ بھی مگر جناب نجم آفندی کا یہ قطعہ اس پر صادق نہیں آتا:

ہوجائے اگر صاحبِ دولت کا ورود
تعظیم کو اٹھتا ہے عمامہ بھی عبا بھی
تعظیم کا کیا ذکر کہ پہلو بھی نہ بدلیں
آجائے اگر حالتِ مفلس میں خدا بھی

اس نے نہ کبھی قوم سے غداری کی، نہ زہد کے پردے میں ریاکاری کی، نہ سیاسی بہروپ بھر کر قوم کو چکمے دیے۔ وہ ایک سادہ، خلیق، ملنسار، متواضع اور وضع دار انسان ہے۔ صاف گو ہے اس لیے اس کے دوست کم اور دشمن زیادہ ہیں، وہ ریحان اعظمی کی طرح یاروں

کا یار اور پروفیسر سید سبط جعفر کی طرح خطرناک حد تک صاف گو اور بے باک ہے۔ ان کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ دشمن بنانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔

خود انہی کہ ہم عصر علماء ان کی حقیقت پسندی اور راست گفتاری سے تنگ اور عاجز بلکہ نالاں ہیں۔ تحریک کے ارباب بست و کشاد ان پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ انتشار پھیلا رہے ہیں۔ ہمیں یہ تو نہیں معلوم کہ وہ انتشار پھیلا رہے ہیں یا نہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ جب آدمی عداوت میں اندھا ہو جاتا ہے اور جذبات انتقام اسے دیوانہ بنا دیتے ہیں تو وہ دن کو رات اور سفیدی کو سیاہی ثابت کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

مولانا حسن ظفر پر لگایا جانے والا انتشار کا الزام کوئی نئی بات نہیں۔ قیادت کو موروثی عہدہ سمجھ لینے والوں کے ماننے اور چاہنے والے ISO پر بھی یہی الزام لگاتے ہیں کہ وہ قیادت کے خلاف شورش برپا کر رہی ہے۔ شیعہ قوم کی شہ رگ پر چھری پھیرنے والوں کو دروغ گوئی اور بہتان کا پیدائشی حق حاصل ہے۔ مولانا حسن ظفر کی بساط کیا ہے انسانیت کے معصوم پیشواؤں پر فتنہ پروری اور سازشی ہونے کا الزام عائد کیا جاتا رہا ہے تو ہم کس سے صدق بیانی کی امید رکھیں؟

حضرت ابوذر غفاریؓ پر امیر شام یہ الزام لگاتا رہا ہے کہ ابوذر انتشار پھیلا رہا ہے۔ مدینہ سرکار ابوذرؓ سے ہراساں اور لرزاں ہو کر ان پر انقلاب برپا کرنے کا الزام عائد کر رہی تھی۔ ابن زیاد جیسا خبیث، بدنسب، شرابی، بدچلن، فتنوں کی آغوش کا پروردہ، سازش و انتشار کے سینے سے لامذہبیت اور بے دینی کا دودھ پی کر پلنے والا، سفیر حسینی حضرت مسلم بن عقیل پر انتشار پھیلانے کا الزام لگا رہا تھا۔ سامراجی و استعماری طاقت کا آلہ کار خائن شاہ، امام خمینی رضوان اللہ علیہ پر یہی الزام لگاتا تھا کہ یہ ایران میں انتشار پھیلا رہے ہیں۔

بالکل اسی طرح اسی قبیل کے لوگ مولانا حسن ظفر پر انتشار پھیلانے کا الزام لگا کر عامتہ المومنین کی نگاہ میں سرخرو ہونے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ چند

سیدّہ عطیہ عباس

من آنم کہ من دانم ،فرمائش کرنے والے نے گذارش کے الفاظ اور حکم کے انداز میں جب مجھے مولانا سید حسن ظفر نقوی صاحب کی تاریخی حقائق سے لبریز''امامت اور ملوکیت'' کے موضوع پر خطاب فرمودہ تاریخ ساز مجالس پر کچھ لکھنے کے لئے کہا تو میں سوچ میں پڑگئی ۔ادھر کچھ برسوں سے لکھنے لکھانے کے مشاغل تو ایک طرف رہے، پڑھنے اور سوچنے تک میں بھی زندگی کے مسائل کچھ اس طرح حارج ہوچکے ہیں کہ انہیں بیان بھی نہیں کیا جاسکتا۔ مگر سچی اور کھری بات تو یہ ہے کہ واقعی مصروفیات کے باوجود بھی مجھے یہ بات بھلی لگی کہ چلو کسی طول طویل مقدمے یا گہرے تحقیقاتی مقالے کا مطالبہ تو ہے نہیں، کیوں نہ مختصر سے اظہاریے کے ذریعے میں بھی اس سعادت بخش کام میں شریک ہوجاؤں ۔میرا یہی جذبہ جب لفظوں میں ڈھلا تو "حرفِ چند" کی صورت اختیار کرگیا۔

ہم اپنے بچپن ہی سے سنتے چلے آئے ہیں کہ جو شخص باقاعدگی سے مجلس کا سامع ہو، دینی اور تاریخی امور میں اس کی معلومات دوسرے مکاتب فکر کے افراد کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ماضی بعید اور ماضی قریب کی یہ ایک ایسی حقیقت تھی جس کے اپنے ہی نہیں غیر بھی ہمیشہ معترف رہتے تھے، یہاں تک کہ کانوں کو ہاتھ لگائے جاتے تھے کہ شیعوں سے نہ الجھنا، اُن کا تو بچہ بھی بڑے بڑوں کو مات دینے کی صلاحیت کا [illegible]ل ہوتا ہے۔یہ تھا علمی اور فکری مجالس کا اعجاز۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے حالات اس جیتی جاگتی حقیقت کے خلاف چغلی کھانے لگے۔ مجالس میں دین ،اس کے واقعی تقاضوں اور تاریخ پر توجہ اور گفتگو کم سے کم ہوتی چلی گئی اور اس کی جگہ لفاظی اور بعض دوسری نامطلوب باتوں نے لینی شروع کردی۔

ان حقائق کے تناظر میں مکتب قرآن و اھلِ بیتؑ سے وابستہ نئی نسلوں کو مولانا سید حسن ظفر نقوی صاحب کا ممنون ہونا چاہیئے جنہوں نے انواع و اقسام کی جان لیوا مصروفیات کے باوجود اس شدید ترین ضرورت کا ادراک کیا اور غیر معمولی خسارے کی تلافی کے لئے ممکنہ پیش قدمی شروع کر دی۔

محرم الحرام ۱۴۱۹ ہجری کے عشرۂ ثانیہ کی مجالس مولانا نے ''حضرت امیر مختارؒ'' کے حوالے سے پڑھی تھیں ،جنہیں سامعین نے بے حد پسند کیا تھا ،اور اب تو وہ مجالس نہایت عمدگی کے ساتھ زیور طباعت سے آراستہ ہوکر قبولیتِ عام کی سند بھی پا چکی ہیں۔ "امامت اور ملوکیت " محرم الحرام ۱۴۲۰ ہجری کے عشرۂ ثانیہ کا موضوع تھا، جو موجودہ کتاب کی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

آج ہم تاریخ بشریت کے سب سے انوکھے اور نرالے دور میں سانس لے رہے ہیں ۔شائد اسی لئے اس دور کے تضادات بھی عدیم المثال اور ماضی کے مقابلے میں بلند ترین سطحوں کو چھو رہے ہیں ۔ہمارے عہد کو انفارمیشن کا عہد قرار دیا جاتا ہے مگر کتنی عجیب بات ہے کہ " کتمانِ حق یعنی حق کو چھپانے اور پوشیدہ رکھنے کی روش آج بھی اپنی تمام تر مہارتوں ،چابک دستیوں اور خیانتوں کے ساتھ جاری ہے۔

آج فقط حق و حقیقت کو چھپانے پر ہی اکتفا نہیں کیا جارہا بلکہ ترقی یافتہ انسان کی خباثت اس حد تک "ترقی "کر چکی ہے کہ وہ اپنے اگلوں کو بھی مات دینے پر تُلا ہوا ہے یعنی وہ حقائق کو مکمل طور پر ملیا میٹ کرنا چاہتا ہے اور یہ کام بھی وہ اتنی مہارت اور ہنر مندی سے انجام دینا چاہتا ہے کہ ماضی کی مہارتیں اور ہنر مندیاں بھی اس کے سامنے ہیچ نظر آتی ہیں۔

جاننے والے اس حقیقت سے بھی واقف ہیں کہ تاریخی حقائق سے آگاہی افراد اور اقوام و ملل کو ایسے اسباق مہیا کرتی ہے ،جس سے باخبر ہونے کے بعد ماضی کی غلطیوں ، کوتاہیوں اور کوتاہ اندیشیوں سے اجتناب برتا جاسکتا ہے اور اسی کے ساتھ حال کی بدحالی میں کمی کر کے مستقبل کو رہنے کے قابل بلکہ قابل رشک بھی بنایا جاسکتا ہے۔

اپنی ان مختصر سی عاجزانہ گذارشات میں دیگر اقوام و ملل کے معاملات اور تاریخ کے

بارے میں ان کی راہ و روش کو زیر بحث لانے کی بجائے میں اپنی باتوں کو امت مسلمہ تک ہی محدود رکھوں گی۔

امت مسلمہ کی تاریخ سے سبق نہ سیکھنے، تاریخی حقائق کی پردہ پوشی کرنے اور مسلّمات کو چھپانے بلکہ اس سے بھی بڑھ کے یہ کہنا حقیقت سے زیادہ قریب ہے کہ تاریخی حقائق کو اپنے من پسند انداز میں تبدیل کرنے کی روش میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ بلکہ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے وہ گروہ نہایت قوی ہوگیا ہے (اور ایسا بھی اچانک اور خود بخود نہیں ہوا ہے بلکہ مسلسل کوشش کرنے سے ہوا ہے اور سوچی سمجھی روش کے نتیجے میں ہوا ہے) کیونکہ اس گروہ کے عالمی سرپرستوں کی یہ ناگزیر ضرورت ہے کہ مسلمانوں میں پسماندگی، جہالت اور پھوٹ میں کمی نہ آنے پائے۔

مبادا مسلمان یک سو اور یک جان ہوکر اور قرآنی حکم میں ڈھل کر "بُنیانِ مرصوص" بن جائیں اور عالمی شیطانوں کے لئے مسائل کھڑے کردیں۔ لہٰذا عالمی کفر و استکبار کی یہ شدید ضرورت تھی اور ہے کہ مسلمانوں میں سے چن چن کر اس گروہ کی صف بندی کی جائے جو تاریخی طور پر جہل، خیانت اور تفریق کی نمائندگی کرتا چلا آرہا ہو اور چمکتے سورج کی روشنی میں بھی (اپنے آقاؤں کی خوشنودی کے لئے) رات اور اندھیرے پر اصرار کرسکتا ہو۔

ازلی کورچشمی کا مریض یہ گروہ اگرچہ پوری تاریخ میں موجود رہا ہے بلکہ اپنی موجودگی کا بھرپور طریقے سے احساس بھی دلاتا رہا ہے مگر جس پیمانے پر اسے ہاتھ کی صفائی دکھانے کی "سعادت" اس " جدید عهد" میں حاصل ہورہی ہے، اس کی مثال شاید ماضی میں ملنا محال ہو۔

فکر و نظر اور دین و دانش سے محروم یہ گروہ تاریخ اور حدیث و روایات کے منابع پر ہاتھ صاف کرنے کے درپے ہے کیونکہ اب وہ اپنی من پسند باتوں کے علاوہ کتابوں میں سے ہر لکھا ہوا حرف مٹا دینا چاہتا ہے تاکہ کچھ ہی عرصے بعد سب کچھ اس کی منشاء کے مطابق نظر آنے لگے اور معترضین کے پاس مخالف کے اپنے منابع تاریخ و روایات کی دلیل کا ہتھیار

ہاتھ سے جاتا رہے۔

اس گروہ کے مورثین نے اگلے زمانوں میں "کتمانِ حق" کے لئے کیا کچھ جتن نہیں کئے ہوں گے مگر جہاں اہلِ حق کی کچھ ذمہ داریاں ہیں، وہاں کچھ باتوں اور حقائق کی حفاظت کا ذمہ خود حق سبحانہ وتعالیٰ نے بھی لے رکھا ہے۔لہٰذا پوری تاریخ میں کوشش جاری رکھنے کے باوجود ہمارے ہر اعتراض کا جواز ہمارے مخالف کی اپنی کتابوں میں موجود ہے جسے وہ مٹانے کی کوشش میں ازسرتاپا مصروف ہے۔

بات کو پھیلنے سے بچاتے ہوئے میں صرف یہی کہوں گی کہ خواہ اب کتنی ہی کوشش کرلی جائے سو فی صد ایسا کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے بھی کہ بقول شاعر

''از قرن تا بہ قرن لشکرِظلم است ولے
از ازل تا بہ ابد فرصتِ درویشان است''

ظلم کے لشکروں کے مقابل ہمارے اپنے عہد کے درویشوں میں سے ایک درویش کا نام نامی سید حسن ظفر ہے، جس نے یہ طے کر رکھا ہے کہ نئی نسلوں کو تاریخ کے سلسلے میں بے خبری اور لاعلمی سے بچانا ہے، اسی لئے مولانا مجالس میں اس بات کا اعادہ کرتے ہیں کہ

ہرچند کہ ماحول بدل گیا ہے ،لوگ تاریخی حقائق
سننے کے عادی نہیں رہے مگر میں کیا کروں مجھے بھی
تو اپنی ذمہ داری بہرحال پوری کرنا ہے۔

اپنے مکتب ہی کے مبلغین کی ایک قابل لحاظ تعداد کے حوالے سے بھی مجھے جو کچھ کہنا ہے اس کے لئے بھی میں ایک شعر ہی کا سہارا لیتی ہوں۔

دشمنوں نے تو دشمنی کی ہے
آپ نے کون سی کمی کی ہے

دیکھئے !ایک ایسے ماحول میں جو شدید کشمکشوں اور مخاصمتوں کا دور ہے۔ وہ دور جس دور میں دشمن کی کوشش یہ ہے کہ ہمارے مکتب پر ہر سمت اور ہر جہت سے تابڑتوڑ وار کرے۔ ہمیں ایسے انداز میں ،اور ایسے شدید طریقے سے دبائے کہ ہم دیوار سے جالگیں۔ ہمیں اتنا

ہراساں کیا جائے کہ ہم مارے خوف کے اپنی مجالس میں اپنی کتابوں اور اپنے رسالوں میں، ماضی کی تاریخ کے "نام نہاد سربرآوردہ "افراد کے نام تک لینے کی جرأت سے محروم ہوجائیں اور اس طرح ہم وہ حقائق بیان کرنے سے خوف کھانے لگیں ، جو خود ان کے اپنے نامی گرامی ائمہ تاریخ نے اپنی صدیوں پرانی نہرۂ آفاق کتابوں میں جابجا درج کئے ہیں، جن کی اپنی تشیع دشمنی کبھی راز نہیں رہی ۔جی ہاں !عیار و مکار دشمن ہمیں ہر طرح کے دباؤ میں لاکر ایک بے خبر مدمقابل بنانا چاہتا ہے تاکہ ہم ماضی کے تمام اعزازات سے محروم ہوکر رہ جائیں۔

دشمن کے تمام حربوں اور چالوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم مجالس میں اپنی نئی نسل کو آگاہی بخشنے سے محروم ہوجائیں کیونکہ مجلس ہی تو ہمارا واحد قابل اعتماد اور بھرپور میڈیا ہے جس کے ذریعے پوری تاریخ میں ہمارا مکتب نشو ونما پذیر رہ سکا اور اس لئے بھی کہ مجلس عزاء کا سامع اکثر گروہ بندی سے بالا ہوکر خود کو اپنے مکتب کا ایک سپاہی سمجھتا ہے لہٰذا دشمن کی سب سے بڑی کوشش یہی ہے کہ مجلس کے سامع کا ذہن اصیل حقائق سے مالا مال نہ ہونے پائے۔

تاریخ میں فقط مخالفین ہی کا تو تذکرہ نہیں ہے ، ظالم کے ظلم کے ساتھ مظلوم کی مظلومیت بھی پکار پکار کر دعوتِ شناخت دیتی ہے ۔یہی وہ مقام ہے جہاں داخلی اور خارجی دشمنوں کا مفاد ایک ہوجاتا ہے ۔اسی وجہ سے ہمارے اپنے اندر ۔ ن بھی نہیں چاہتے کہ تاریخ سے ائمہؑ کی سیرت اس طرح بیان کی جاسکے کہ ان کے اپنے اعمال کا گوشوارہ بے کم وکاست سامنے آنے کا اندیشہ پیدا ہوجائے۔

اس کے برعکس جو مبارز و مجاہد علماء و خطیب ہیں ،جنہوں نے اپنی ذمہ داریوں اور حقیقتوں کا ادراک سکوں کے عوض نہیں بلکہ اپنی الٰہی ذمہ داریوں کی بنیاد پر کیا ہے اور وہ اپنی ذمہ داریوں سے پوری طرح آگاہ بھی ہیں ۔انہی مردانِ خود آگاہ افرادِ فریدہ میں سے ایک مولانا سید حسن ظفر نقوی صاحب بھی ہیں ،جنہوں نے مکتب قرآن و اہل بیتؑ کے خلاف ہونے والی سازشوں کے حدود اربعہ کا ادراک کیا ،زمینی حقائق سے کماحقہ آگاہی

حاصل کی اور اپنی معروف مجاہدانہ راہ و روش کو بروئے کار لاتے ہوئے عمل پیرا ہو گئے۔

مجھے علیحدہ سے "امامت اور ملوکیت" کے زیرِ عنوان مجالس میں بیان فرمودہ مسائل کے باب میں کچھ بھی نہیں کہنا، اس لئے کہ ایک تو یہ میرا منصب نہیں ہے اور دوسرے اس لئے بھی کہ مجالس میں بیان کردہ چشم کشاء حقائق تو آپ کتاب میں پڑھ ہی لیں گے البتہ مجھے جو کچھ کہنا ہے وہ یہ ہے کہ اے افرادِ ملت! آپ حال کی چیرہ دستیوں کا اس وقت تک ادراک نہیں کر سکتے جب تک ماضی میں پیش آنے والے واقعات اور ان واقعات و حوادث میں ملوث " معتبر افراد کے کردار و عمل "کا گوشوارہ آپ کے سامنے نہ ہو۔

اور اب آخر میں امید کرتی ہوں کہ مولانا حسن ظفر نقوی صاحب اپنی اسی مجاہدانہ روش کی حفاظت کرتے ہوئے، حوصلہ شکن حالات کے باوجود تاریخ اور تاریخی واقعات کی امانت نئی نسلوں کے حوالے کرنے کی مساعیِ جمیلہ کو جاری رکھیں گے۔

مسلم مملکتوں میں چند گنے چنے مناطق کو چھوڑ کر مکتبِ قرآن و اھل بیتؑ کے لئے سازگار حالات کب اور کہاں تھے یا ہیں؟ مگر اس کے باوجود بھی ہمیں بہر حال اپنی ذمہ داری سے غرض ہونی چاہیئے کہ یہی ہماری پہچان بھی تو ہے اور دنیا ہمیں اچھی طرح پہچانتی ہے کہ ہم نے کس طرح پوری تاریخ میں اپنی ذمہ داریوں کو انجام دیا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ:

ہم نے خون کے دریاؤں کو عبور کیا،
اپنے پیاروں کی لاشیں اٹھائیں،
مگر کسی قیمت پر بھی کبھی اپنی ذمہ داری سے دست بردار نہیں ہوئے
اور آئندہ بھی ہرگز دست بردار ہونے والے نہیں ہیں۔

ہمیں تاریخ ہی نے یہ سبق دیا ہے اور تاریخ کا یہ سبق یاد رکھنے کے لائق بھی ہے کہ جو افراد اور اقوام و ملل تاریخ سے سبق حاصل نہیں کرتیں، ان کا حال بدحالی سے دوچار ہو جایا کرتا ہے یہاں تک کہ ان کے جغرافیے تک بدل جایا کرتے ہیں۔ مستقبل کی باتیں تو بہت دور کی ہیں، حوادثِ زمانہ ایسے افراد اور اقوام و ملل کو اس طرح پیس کے رکھ دیتے ہیں کہ ان

کا نام ونشان تک مٹ جایا کرتا ہے۔لہٰذا مکتب قران و اہل بیتؑ کے خدمت گزاروں کا یہ فریضہ و وظیفہ ہے کہ

وہ قوم کے جوانوں اورنوجوانوں کوتاریخ فراموشی کے گرداب سے نکالیں اور
انہیں تاریخ کی اہمیت سمجھائیں
تاکہ ماضی سے سبق سیکھ کر ہم نئی تاریخ رقم کرسکیں۔

یہ تاریخ ہی تو ہے جوہمیں کربلائے حسینیؑ کے واقعات سے روشناس کرا کے ہمارے لہو کو گرمائے اور ہمارے دشمنوں کو دائمی طور پر شرمائے رکھتی ہے۔

یہ تاریخ ہی تو ہے جس کے بیان سے دشمن کی پیشانی ندامت کے پسینے سے شرابور ہونے لگتی ہے۔

اس لئے دشمن یہی تو چاہتا ہے کہ ہم کچھ بھی یاد رکھیں
بس تاریخ کو بھلا دیں،
تاریخ کوفراموش کردیں
مگران شاء اللہ تاقیامِ قیامت ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔
کیونکہ
ہم فقط قربانی حسینؑ ہی کے نہیں
تبلیغِ زینبؑ کے بھی وارث ہیں
اور ہم جانتے ہیں کہ
ہمیں ہر حال میں اپنے زینبیؑ کردار کی حفاظت کرنا ہے۔
اس لئے کہ اسلام کی بقاء خونِ حسینؑ کی قربانی سے ہے
اور خونِ حسینؑ کی پیغام رسانی سیّدہ زینبؑ سے ہے۔
محمد رضا یاسؔ نقوی نے کیا خوب کہا ہے

تجھ سے ثابت حقیقتِ شبیرؑ
کربلا بعدِ کربلا زینبؑ

اعتمادِ الٰہ ہیں شبیرؑ
تو بھروسہ حسینؑ کا زینبؑ
ناؤ کے بادباں پہ لکھوادو
یا سکینہؑ کے ساتھ یا زینبؑ

اللہ کی بارگاہ میں دست بہ دعا ہوں کہ وہ مولانا حسن ظفر نقوی صاحب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے اور انہیں ان کی بہترین دیدہ ریزیوں کا اعلیٰ ترین صلہ مرحمت فرمائے۔ (آمین)

سیّدہ عطیہ عباس

تلخ گفتار

۱۹۸۳ء کی بات ہے ۔مرکزی امام بارگاہ لیاقت آباد میں آگ لگی ہوئی تھی ، ہاشمیہ مسجد و امام بارگاہ لیاقت آباد سے تبرکات کو نکال نکال کر جلایا جا رہا تھا ۔ چند گھنٹوں کے بعد یہ آگ تو بجھ گئی،اس آگ پر تو پانی ڈال کر اس کے شعلوں کو خاموش کر دیا گیا۔لیکن چند سینوں میں یہ آگ بجھ نہ سکی اور وہ سینے آج تک ان شعلوں کی تپش محسوس کر رہے ہیں ۔

لیاقت آباد میں عزاء خانوں اور گھروں سے اٹھنے والے شعلوں نے صرف مٹی اور گارے کی دیواروں کو ہی نہیں جلایا تھا بلکہ ملّت کے اتحاد، اعتماد ،ایقان اور احساسِ غرور،سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

میں اور مجھ جیسے بہت سے بے چارے جو اس وقت تک خوابوں کی دنیا میں رہتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے علماء ،بنی اسرائیل کے بعض انبیاء سے افضل ہیں ، ان کی گردنیں کٹ تو سکتی ہیں مگر باطل کے سامنے کبھی جھک نہیں سکتیں۔ ہم سمجھتے تھے کہ ہمارے خطباء اور ذاکرین ،ہاشمی ورثہ کے مالک ہیں اور ان کی ایک للکار،ظلم کے ایوانوں کو ہلا دینے کے لئے کافی ہے ۔ہمیں یہ گمان تھا کہ ہماری تنظیمیں اور ٹرسٹ،قومیات میں آگے آگے رہنے والے حضرات ، شعراء ، ادیب اور ماتمی انجمنیں یہ سب کے سب حسینؑ کا لشکر ہیں اور جس نے بھی ان سے ٹکرانے کی کوشش کی وہ حسینیت کی اس بُنیانِ مرصوص سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے گا۔

خیر

جو ہوا سو ہوا

اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔

اعتماد مفقود ہو گیا

ایقان کی جڑیں ہل گئیں

خونخوار بھیڑیے ،مکار لومڑیوں کے روپ میں حملہ آور ہو گئے

لباسِ روحانیت لٹیروں کی نقاب بن گیا ....

تبلیغات کے مراکز کاروبار کے اڈے بن گئے ....

خمس، مظلوموں اور ناداروں کی ضرورتیں پوری کرنے کے بجائے چند مفت خوروں کے آرام وآسائش کا بہانہ بن گیا ....

انقلابِ اسلامی کی حمایت کے نام سے خوب خوب فائدہ اٹھانے والے مختلف اداروں کے نام پر اپنی اپنی دکانیں چمکا کر

ملت کو منجدھار میں چھوڑ کر

حسین ساحل سے طوفان میں پھنسے ہوئے لوگوں کا تماشہ دیکھ رہے ہیں ......

ہر طرف ... مایوسی

احساسِ محرومی ....

دل گرفتگی ....

اور افراتفری کا عالم ہے ....

ہر زبان پر ایک ہی سوال ہے کہ اب کیا ہوگا ؟

ہم وہ مظلوم ملت ہیں جسے دوسروں سے زیادہ اپنوں سے ہزیمت اٹھانی پڑی ہے......

ہم راہزنوں سے کیا گلہ کریں .....

ہم رہبروں کے ہاتھوں لٹا ہوا کاروان ہیں .....

لیکن کیا ....

داستان ختم ہوگئی؟ ....

کیا اِسی محرومی کے احساس کے ساتھ سفر طے کیا جائے؟ ....

کیا اپنے آپ کو اسی طرح حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جائے؟ .....

نہیں ، کربلا باقی ہے ....

اور کربلا والے بھی باقی ہیں .....

حسینؑ بھی موجود ہے
اور حسینیت بھی زندہ ہے۔
پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ حسینؑ کے استغاثہ پر لبیک کہنے والے نہ ہوں......
جب تک ھل من ناصرٍ ینصرنا کی صدا باقی ہے......
"لبیک یاحسینؑ" کہنے والے بھی باقی رہیں گے......
کفر وشرک سے مقابلہ ختم نہیں ہوا......
منافقت کے خلاف جنگ ختم نہیں ہوئی......
یہ معرکہ جاری ہے......
یہ جنگ جاری ہے......
حسینیو! یقین رکھو کہ ہر حال میں تم فاتح ہو......
ماتمیو! یقین رکھو کہ سینوں پر پڑنے والے تمہارے یہ ہاتھ آج بھی باطل کے منہ پر طمانچے بن کر برس رہے ہیں......
وقتی اُتار چڑھاؤ سے مت گھبراؤ۔

ابھی شکست کیا کہ رزمِ آخری اک اور ہے
پکارتی ہے زندگی ہزیمتوں کے درمیاں

آؤ! ایک بار پھر اپنی صفوں کو منظم کرتے ہیں......
آؤ! اپنے اجداد کے ورثہ کو سنبھالتے ہیں......
آؤ! اپنی صفوں میں موجود کالی بھیڑوں کو نکالتے ہیں۔ خواہ کسی بھی لباس میں ہوں۔
آؤ! یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ اب کسی راہبر نما راہزن کو ملت پر شب خون مارنے کی اجازت نہیں دیں گے۔
یہ طے کرتے ہیں کہ خونِ حسینؑ کے سوداگروں سے کوئی تعلق نہ رکھیں گے۔
اے عزادارانِ حسینؑ! آپ صرف اور صرف فاطمہ زہراؑ کی دُعا کا اثر ہیں......
مادرِ حسینؑ کی نظریں آپ پر ہیں

صرف آپ فرزندِ حسینؑ کا انتظار نہیں کررہے ....

بلکہ فرزندِ حسینؑ بھی آپ کا انتظار کررہا ہے .....

کب ''یالثارات الحسینؑ'' کا نعرہ فضاؤں میں گونجے گا؟......

کب ان ظلم وستم کی فضاؤں میں علمِ حسینیؑ کا پھریرا اس شان سے لہرائے گا کہ جتنے بازو قلم ہوتے جائیں گے.

اتنا ہی یہ پرچم بلند ہوتا جائے گا......

پروردگارا! گواہ رہنا کہ اس تاریک رات میں بھی کچھ ایسے عاشقانِ کربلا تھے جو اذانِ عشق دیتے رہے...

جو حق کے دیئے روشن کرتے رہے ....

پروردگارا! ہمیں سرخرو رکھنا، دنیا میں بھی ......آخرت میں بھی ......

اپنی بارگاہ میں بھی اور حسینؑ کی بارگاہ میں بھی ....

پرودگارا! ہمیں ہمت دے کہ حسینیتؑ کی راہ میں ہم ہر قسم کی مصلحت اور خوف کو دل سے نکال کر صرف اور صرف اہل بیتؑ کی خوشنودی کی خاطر اپنی توانائیوں کو استعمال کریں.....

پروردگارا! تو جانتا ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنی تقریر، تحریر، تعلیم غرض ہر صلاحیت کو تیرے دین کے لئے استعمال کرتے ہیں......

خدایا! ایسے افراد کی توفیقات میں اضافہ فرما اور کچھ مومنین ایسے ہیں جو ان افراد کے ساتھ دن رات تعاون کرتے ہیں اور ان سے کچھ عوض نہیں چاہتے ہیں......

خدایا! ان مومنین کو حق کی راہ میں ثابت قدم رکھ اور ان کی توفیقات میں اضافہ فرما......

خدایا! انہیں آخری سانس تک اپنے دین کا خدمت گزار قرار دے......

مجلس اوّل

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ سَيِّدِنَا وَنَبِيِّنَا اَبِي الْقَاسِم مُحَمَّدٍ وَّآلِہِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاہِرِيْنَ الْمَعْصُوْمِيْنَ وَلَعْنَتُ اللّٰہِ عَلٰی اَعْدَائِھِمْ اَجْمَعِيْنَ مِنَ الْاٰن اِلٰی قِيَامِ يَوْمِ الدِّيْنِ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعٰلٰی فِیْ کِتَابِہِ الْمُبِيْنِ وَھُوَ اَصْدَقُ الْقَائِلِيْنَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o وَجَعَلْنٰھُمْ اَئِمَّۃً يَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْھِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلوٰۃِ وَاِيْتَاءَ الزَّکوٰۃِ ۚ وَکَانُوْا لَنَا عَابِدِيْنَ o

(سورۂ انبیاء آیت ۷۳)

آیت نمبر۷۳ سورۂ انبیاء جسے سرنامۂ کلام قرار دیا گیا ہے اِنْ شاء اللہ ان مجالس کے لیے اگر زندگی رہی تو اسی آیت کی روشنی میں گفتگو ہوگی ،اور موضوع تو آپ کے سامنے اعلان ہو چکا ہے ''امامت اور ملوکیت'' کوشش کریں گے کہ اپنی استطاعت کے مطابق آپ کے سامنے اس موضوع کو بیان کرسکیں ،امامت اور ملوکیت کی تھوڑی سی تاریخ ہی بیان ہوسکتی ہے ان مجالس میں تفصیل سے بیان نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن آج کی جو مجلس ہے وہ تاریخ پر نہیں ہے بلکہ امامت اور ملوکیت کا تھوڑا سا تعارف بیان کیا جائے گا پھر اس کے بعد ان شاء اللہ کل سے سلسلہ شروع ہوگا کہ امامت کیا

ہے اور ملوکیت کیا ہے۔آج کی مجلس صرف موضوع کے تعارف پر ہے کہ امامت اور ملوکیت کو سمجھ لیا جائے، لغوی اور اصطلاحی اعتبار سے، ظاہر ہے کہ جو اہل علم حضرات ہیں اور بزرگ ہیں وہ تو مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہیں اور میں جو بھی بات کرتا ہوں وہ بچوں کے لیے نوجوانوں کے لیے کرتا ہوں کہ یہ چیزیں ان کے لیے نئی ہونگی ممکن ہے کہ میرے جوانوں کے علم میں تھوڑا سا اضافہ ہوجائے میری طرح ان کو بھی کچھ معلومات حاصل ہوجائیں لیکن جو میرے بزرگ ہیں وہ بہر حال مجھ سے بہتر علم رکھتے ہیں۔

عزیزان محترم! جب سے انسان اس روئے زمین پر آیا ہے کوئی دور بھی ایسا نہیں گزرا کہ کوئی انسانی معاشرہ تشکیل پائے ،کوئی انسانی گروہ تشکیل پائے اور اس کو رہبری کی ضرورت پیش نہ آئی ہو، کہیں بھی کوئی انسانی گروہ تشکیل پاتا ہے، یا انسانی گروہ وجود میں آتا ہے وہ نیاز مند ہے رہبری کی طرف ، پیشوائی کی طرف، ایک فرمانروائی کی طرف۔ کسی بھی جگہ، چاہے وہ آج کا دور ہو یا کوئی گزرا ہوا دور ہو یا آنے والا دور ہو۔

جب بھی، جہاں بھی ،ایک انسانی سماج وجود میں آیا یا آئے گا یا گروہ تشکیل پائے گا تو اسے ضرورت ہوگی ایک رہبری کی طرف، امامت کی طرف، ایک پیشوائی کی طرف، چاہے ترقی کے لیے، چاہے تنزلی کے لیے ، اور یہ بھی ذہن میں رکھیئے اب چاہے وہ رہبری یا پیشوائی اسکو پیچھے لے جائے، چاہے آگے کی طرف لے جائے پوری تاریخ انسانی میرے اس دعوے پر گواہ ہے کہ ہر دور میں انسانیت نیاز مند ہے اور فطرت انسانی کا تقاضہ ہے کہ ان کا ایک سردار ہونا چاہئے، ایک رہبر ہونا چاہیے، پیشوا ہونا چاہیے، ایک حکمران ہونا چاہیے۔ مولائے کائنات علی ابن ابی طالب علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں لوگوں کے لئے ایک امیر کا ہونا ضروری ہے خواہ وہ اچھا ہو یا برا۔

بہر حال انسان کی ضرورت ہے امامت کی طرف، پیشوا کی طرف، ایک رہبر کی طرف، چاہے وہ امام فاسق ہو یا عادل لیکن اسکا وجود ضروری ہے۔ ورنہ انسانی معاشرہ، انسانی سماج ترقی نہیں کرسکے گا۔ یہ قافلۂ بشریت آگے نہیں بڑھے گا گو کسی بھی قسم کی ترقی ہو۔ چاہے وہ مادی ترقی ہو یا سائنسی ترقی ہو، علمی ترقی ہو یا صنعتی ترقی ہو، ہر قسم کی ترقی کے لیے

بہر حال ایک رہبر کی ضرورت ہے اس کے بغیر گاڑی آگے نہیں چل سکتی۔ اسی طرح روحانی ترقی کے لئے بھی یہی قاعدہ ہے۔

یعنی خلاصہ یہ ہے کہ کوئی انسانی معاشرہ آپ کو تاریخ بشریت میں ایسا نہیں نظر آئے گا جس نے بغیر رہبری کے ترقی کی راہیں طے کی ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ کبھی یہ رہبر انسان کی صرف مادی ترقی کو پیش نظر رکھتے ہیں اور کبھی مادی اور روحانی دونوں کے ارتقاء کو آگے بڑھاتے ہیں کبھی یہ رہبر صرف اپنے اقتدار کی بقا کی جدوجہد کرتے ہیں اور کبھی اپنی حکومت کے قیام کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔

یعنی یہ فطری تقاضہ ہے کوئی مانے یا نہ مانے آج بھی ساری لڑائی اسی کی ہے۔ دیکھئے حکومتیں آتی ہیں جاتی ہیں، کہا جاتا ہے کہ صاحب یہ حکمران صحیح نہیں ہے، فلاں حکمران ایسا ہے، فلاں حکمران ویسا ہے، حکمران کو ایسا ہونا چاہئے، حکمران کو ویسا ہونا چاہئے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا ضروری ہے اگر حکمران نہیں ہوگا تو کیا ہوگا، ہٹاؤ اس حکمرانی کے قصے کو، ہم خود ہی اپنی گاڑی چلالیں گے۔ کیا ایسا ہوسکتا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے نہیں ایسے گاڑی نہیں چل سکتی، کسی بھی جگہ نہیں چل سکتی۔ اسی لئے حاکم مقرر کیا جاتا ہے۔ حکمران فاسق ہو یا فاجر ہو یا عادل ہو، وہ تو بعد کی بات ہے لیکن پہلے مرحلے میں قیادت ضروری ہے۔

اب یہ قیادت یا تو خود ہی اتنی باصلاحیت اور ہوشیار ہوتی ہے کہ خود بخود سامنے آجاتی ہے اور اپنے آپ کو منوالیتی ہے یا پھر دوسرے اس قیادت کو سامنے لیکر آتے ہیں تاکہ اپنے ادارے، تنظیم، تحریک، قوم، قبیلے اور علاقے یا ملک کا نظام چلاسکیں۔ ہمیں ان مجالس کے دوران تاریخ کی روشنی میں انہی مسائل کا تجزیہ اور تحلیل کرنا ہے کہ اگر لائق اور قابل قیادت کو ٹھکرا کر نااہل قیادت کو اقتدار سونپ دیا جائے، تو قوموں کے حالات پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

امام کے معنی اور مفہوم کیا ہیں؟ تھوڑا سا آج کی گفتگو میں بیان کردیا جائے گا، اگرچہ بہت سارے افراد کے لئے یہ باتیں تکراری ہونگی لیکن میں کیونکہ ایک موضوع ابتداء سے لے کر چلنا چاہتا ہوں تاکہ میری گفتگو بے ربط محسوس نہ ہو۔ تمام دوست جو بیٹھے ہیں یقیناً ان

میں سے کچھ کے لئے یہ باتیں ضرورنئ ہونگی۔

لفظ امام کا ایک عام معنی ہے ایک خاص معنی ہے ایک لغوی معنی ہے ایک اصطلاحی معنی ہے لغوی اور اصطلاحی معنی کی تشریح شاید پہلے کسی گفتگو میں بیان کرچکا ہوں لیکن بعض باتیں ایسی ہیں کہ جن کی تکرار اس لئے اچھی ہے کہ انسان کے ذہن میں وہ باتیں محفوظ رہیں۔ مثلاً لفظ صلوٰۃ ہے، صلوٰۃ کا ایک لغوی معنی ہے ایک اصطلاحی معنی ہے لغت میں صلوٰۃ کے معنی ہیں دعا۔ اگر کہا جائے صلوٰۃ تو آپ کے ذہن میں کیا آتا ہے؟ کیا یہ آتا ہے کہ دعا کرو، کیا جب کوئی اقامت کہہ رہا ہوتا ہے اور جب کہتا ہے حی علی الصلوٰۃ تو کیا آپ دعا کے لئے ہاتھ بلند کرتے ہیں؟ نہیں۔ بلکہ جو تصور آپ کے ذہنوں میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ جیسے ہی کسی نے کہا ''حی علی الصلوٰۃ'' آپ نماز کی طرف چل دیئے، یا نماز کے لئے کھڑے ہوگئے، یا نہیں بھی گئے مگر تصور یہی آیا کہ نماز کے لئے بلایا جارہا ہے۔ حالانکہ صلوٰۃ کا جو لفظی ترجمہ ہے وہ ہے دعا اور اس کو کہتے ہیں لغوی معنی۔ لیکن یہ مخصوص ارکان کے لئے جو لفظ صلوٰۃ استعمال ہوا یعنی جب شرع اسلامی میں یہ لفظ جاری ہوا تو مخصوص ارکان کے بجالانے کے لئے یعنی قیام، رکوع، اور سجود کے لئے، تو یہی سمجھا گیا کہ صلوٰۃ کے معنی نماز کے ہیں۔

اور جب یہ کہا گیا کہ اقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ تو کہیں بھی یہ معنی نہیں لیا گیا کہ دعا قائم کرو بلکہ شرع اسلام میں نماز ہی کا مفہوم لیا گیا ہے اگرچہ کہ بعض لوگوں نے جن کی تعداد بہت ہی محدود ہے جنہوں نے مذاق ضرور کیا ہے شرع اسلامی کے ساتھ، اپنے شیطانی خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے، کہ ''صاحب صلوٰۃ کا معنی تو دعا ہے نماز کب ہے؟'' تو ان کی جہالت کے لئے اتنا ہی کافی ہے اور وہ اتنے جاہل ہیں کہ انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ لغوی معنی اور اصطلاحی معنی میں کیا فرق ہوتا ہے۔

تو ایسے لوگ اب بھی معاشرے میں موجود ہیں کہ جو شرع اسلامی کا مذاق اڑانا چاہتے ہیں تو بھونڈی دلیلیں لے کر آتے ہیں۔ بڑی بڑی کتابیں لکھتے ہیں کہ جناب صلوٰۃ کا معنی تو کہیں بھی نماز نہیں ہے صلوٰۃ کے معنی تو دعا کے ہیں تو ان کے جواب کے لئے یہ ہی کافی ہے کہ ان کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ کچھ الفاظ بعض مقامات پر کچھ خاص معنی رکھتے ہیں اور کچھ عام

معنی رکھتے ہیں ایک جگہ وہ مطلق مفہوم کے لئے استعمال ہو رہے ہوتے ہیں، دوسری جگہ وہ مقید کے لئے استعمال ہو رہے ہوتے ہیں، ایک جگہ وہ مبیّن استعمال ہو رہے ہوتے ہیں اور دوسری جگہ وہ مبہم اور مجمل ہوتے ہیں ۔مختلف الفاظ مختلف جگہوں پر مختلف معانی دیتے ہیں، اور ان معانی اور مفاہیم کے سمجھنے کے لئے جہاں اور علوم ضروری ہیں وہاں علم منطق اور علم معانیٔ بیان بھی حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے۔جب جا کر کچھ چیزیں سمجھ میں آتی ہیں ۔

بہر حال میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ صلوٰۃ جب کہا گیا شرع اسلام میں تو یہ مخصوص ارکان کے بجالانے کا نام پڑ گیا یعنی نماز کا ۔لغت میں اذان کے معنی ہیں اعلان کرنا، لیکن جب کہا جائے کہ اذان دی جارہی ہے تو آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اعلان کیا جارہا ہے،نہیں بلکہ آپ سمجھ جاتے ہیں کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔

اگر چہ لغوی اور اصطلاحی معنی میں ایک مناسبت ضرور ہوتی ہے وہ مناسبت یہاں بھی ہے یعنی نماز کا اعلان کیا جارہا ہے۔لیکن اگر کہا جائے کہ میں کسی مجلس کی اذان دے دوں؟ تو آپ کیا سمجھیں گے؟ آپ یہی کہیں گے کہ مجلس کی بھی کوئی اذان ہوتی ہے؟ حالانکہ اذان کے معنی تو وہی ہیں یعنی اعلان کرنا۔لیکن مجلس کے اعلان کے لئے اذان کا لفظ استعمال نہیں ہوگا کیونکہ اب اذان کا لفظ مخصوص معنی دے رہا ہے اور وہ نماز کے وقت کا اعلان ہے ۔

بس معلوم ہوا کہ ایک لغوی معنیٰ ہے اور ایک اصطلاحی معنی تو اب جب بھی جہاں بھی صلوٰۃ کا لفظ استعمال ہوتا ہے نماز ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے، زکوٰۃ کا لفظ مخصوص انداز اور شرائط کے ساتھ مال کو پاک کرنے کے معنی دیتا ہے جبکہ زکوٰۃ کا لفظی اور لغوی معنی بھی پاک کرنا ہے۔

بس یہ ذہن میں رہے کہ لغوی اور اصطلاحی معنی میں مناسبت موجود ہوتی ہے۔ جیسے کہ لفظ صلوٰۃ کا لغوی معنیٰ ہے دعا۔ تو اصطلاحی معنی میں بھی یہ مناسبت موجود ہے اور نماز میں سورۂ فاتحہ، دعائے قنوت اور تسبیحات ان سب ارکان کا وجود دعا سے مناسبت رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ صلوٰۃ میت کو بھی نماز میت کہا جانے لگا۔حالانکہ آپ اس میں نہ قیام بجالاتے ہیں اور نہ ہی رکوع بجالاتے ہیں ،نہ سجود، قیام تو ہے لیکن رکوع اور سجود کا تو اس میں کہیں ذکر

ہی نہیں ہے۔ لیکن صلوٰۃ میت کا بھی ترجمہ نماز میت ہے کیونکہ لفظ صلوٰۃ اتنا استعمال ہوا نماز کے لئے کہ وہ بھی نماز میت کہلائی جانے لگی۔

تو اب آتے ہیں اصل مقصد کی طرف کہ یہ جو میں نے اتنی تفصیل سے بتایا لغوی معنی اور اصطلاحی معنی کے بارے میں تو اب آتے ہیں اس طرف کہ امام کا معنی کیا ہے؟ قرآن مجید میں لفظ امام کتنے مفاہیم میں استعمال ہوا ہے۔

مختصر طور پر دیکھتے ہیں ابھی یہی آیت جس کی تلاوت کا شرف میں نے ابتداء میں حاصل کیا ہے۔

''ہم نے ان تمام پیغمبروں کو ان تمام انبیاء کو ان تمام رسولوں کو امام بنایا'' یعنی جتنے بھی پیغمبر ہیں جتنے بھی انبیاء ہیں جتنے بھی رسول ہیں ان سب کو امام کہا گیا یہ امام ہیں اور ہمارے حکم سے لوگوں کی ہدایت کرتے ہیں۔ ایک یہ مفہوم یعنی ہر نبی پیغمبر اور ہر رسول کے لئے لفظ امام استعمال کیا گیا، اور دوسری جگہ امام کس معنی میں استعمال ہو رہا ہے سورہ یٰسین کی بارہویں آیت اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَنَکۡتُبُ مَاقَدَّمُوا وَاٰثَارَهُمۡ ط وَکُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰهُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ O (یٰسین ۱۲) بے شک ہم ہی مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور ان کے گزشتہ اعمال اور ان کے آثار کو لکھتے جاتے ہیں اور ہم نے ہر شے کو ایک روشن امام میں جمع کر دیا ہے۔

اب یہاں لفظ امام مفرد کے لئے استعمال ہو رہا ہے وہاں یعنی سورہ انبیاء میں سب پیغمبروں کو امام کہا گیا ہے۔ جتنے بھی انبیاء ہیں سب امام ہیں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر یہ سب امام ہیں۔ اور یہاں یعنی سورہ یٰسین میں کہا کہ اس امام مبین میں ہم نے ہر ایک چیز کو جمع کر دیا ہے ایک ہی لفظ دونوں جگہ استعمال ہوا لیکن دونوں جگہ اچھے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

اب سورہ یٰسین میں جو امام مبین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ کس کے لئے ہے یہ ایک الگ بحث ہے، بعض نے کہا کہ قرآن ہے، بے شک قرآن ہی امام مبین ہے، بعض نے کہا، بلکہ علماء و مفسرین امامیہ کی اکثریت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام مبین سے مراد ائمہ طاہرین علیہم السلام ہیں۔ یا مولائے کائنات علی ابن ابی طالبؑ کی ذات گرامی ہے۔

اگر موقع ملا تو آج ہی کچھ تفصیل بیان ہوجائے گی لیکن کیونکہ میرا موضوع نہیں ہے اس لئے ہم اِدھر اُدھر نہیں جانا چاہتے۔

تیسری جگہ سورۂ قصص کی ۴۱ ویں آیت میں ارشاد ہوا

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ اور ان کو بھی ہم نے امام بنایا، یہ کیا کرتے ہیں، یہ لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتے ہیں، دیکھیں یہاں بھی امام کا لفظ استعمال ہورہا ہے کہ نہیں، ہم ہی نے انہیں لوگوں کا امام بنایا ہے اور یہ جہنم کی آگ کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں۔

یعنی یہ لوگوں کو گمراہی کی دعوت دیتے ہیں جس کا انجام جہنم ہے اور قیامت کے دن ان کی کوئی مدد کرنے والا نہیں ہوگا، ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ تو خود قرآن میں امام کتنے معانی میں استعمال ہورہا ہے۔ امام کی اصطلاح بہت ساری جگہوں پر استعمال ہوئی ہے۔ فرعون کو بھی امام کہا گیا ہے، نمرود کو بھی امام کہا گیا ہے، ان شیطانی قوتوں کو بھی امام کہا گیا ہے کہ یہ شیطانی طاقتوں کے امام ہیں اور ان سے جنگ کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے اور اُدھر انبیاء کے لئے بھی کہا گیا ہے کہ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ○ (سورۂ توبہ آیت ۱۲) ''پس جہاد کرو کفر کے اماموں سے کہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے شاید یہ اسی طرح اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔'' بس معلوم ہوا کہ لفظ امام میں بحث نہیں ہے بلکہ لفظ امام ایک عام معنی رکھتا ہے جو میں نے پہلے بتادیا۔

لفظ امام کا عام معنی کیا ہے رہبری کرنے والا، آگے چلنے والا، پیشوائی کرنے والا، یہ اس لفظ کے لغوی معنی ہیں یعنی امام جماعت بھی امام ہے، امام جمعہ بھی امام ہے، امام الحج بھی امام ہے۔ اب تو خیر چھوٹے چھوٹے کاروان جاتے ہیں لیکن بعض ممالک سے اب بھی تمام حاجیوں کے لیے ایک رہبر اور قائد کو بھیجا جاتا ہے۔ اس قائد کے لئے بھی امام الحج کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ تو لفظ امام میں کوئی جھگڑا نہیں ہے لغوی اعتبار سے امام آگے چلنے والے کو کہتے ہیں اب یہ امام فاسق بھی ہوسکتا ہے، امام فاجر بھی ہوسکتا ہے، امام عادل بھی ہوسکتا ہے، امام غیر معصوم بھی ہوسکتا ہے، امام معصوم بھی ہوسکتا ہے۔

اب جو ہماری بحث ہے، ہماری گفتگو ہے، اُس میں امامت کے کیا معنی ہیں یعنی اصطلاحی معنی میں اور خاص معنی میں امام کسے کہا جاتا ہے۔یعنی جب ہم کہتے ہیں مکتب امامت تو ہماری مراد کیا ہوتی ہے؟ دیکھیں اب میں آپ کو ایک مسئلے کے حل کی طرف لا رہا ہوں تا کہ وہ جو کچھ لوگوں کو کنفیوژن (Confusion) ہوجاتا ہے، اور بعض لوگ جو جھگڑا کرتے ہیں لفظوں پر، کبھی یہ جھگڑا مت کیجئے کیونکہ یہ جھگڑا فضول ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ کس جگہ کون سے لفظ کا استعمال کیا مفہوم دے رہا ہے، بعض اوقات ممکن ہے کہ میں امامِ معصوم کا نام نہ لے رہا ہوں لیکن امام کی صفات بیان کر رہا ہوں، تو آپ بغیر لفظِ امام کے بھی سمجھ لیں گے کہ امام معصوم کا تذکرہ ہے۔ اور بعض اوقات لفظ امام کہہ رہا ہوں لیکن آپ سمجھ رہے ہیں کہ اس سے معصومؑ مراد نہیں ہے پھر یہ جھگڑا کیسا؟

بعض اوقات صرف امامِ معصوم کی علامتیں بیان کی جارہی ہیں لیکن آپ راضی ہیں کیونکہ بات آپ کی سمجھ میں آرہی ہے۔بس دیکھنا یہی ہے کہ الفاظ کو کن معانی میں استعمال کیا جارہا ہے اگر اس طرف تھوڑا سا غور کرلیا جائے تو ہم نزاع اور اختلاف سے بچ سکتے ہیں۔

امام کے معنی کیا ہیں تو اب اصطلاح میں عزیزانِ محترم کوئی بھی عربی لغت اٹھا کر دیکھ لیں چاہے وہ المنجد ہو، چاہے لسان العرب ہو چاہے مجمع البحرین ہو یا چاہے اور کوئی عربی کی لغت ہو۔ لغت کے ماہر جب بھی مکتب امامت کی تشریح کریں گے یا مکتب امامیہ کی تشریح کریں گے تو وہ خاص معنی اور اصطلاحی معنی بیان کریں گے۔ اب کوئی یہ نہیں کہے گا کہ جناب امام کا معنی تو آگے چلنے والا ہے بلکہ اس کا معنی ہی یہ ہوگا کہ وہ گروہ یا وہ مکتب جو علیؑ ابن ابی طالبؑ اور اس کے گیارہ فرزندوں کی امامت پر یقین رکھتا ہے۔

تو ہر لغت میں لغوی معنی کے ساتھ ساتھ یہ خاص اصطلاحی معنی بھی آپ دیکھیں گے۔ حالانکہ ہر نبی کو امام کہا گیا ہے قرآن کریم کی آیات کے مطابق حضرت آدمؑ بھی امام ہیں۔ حضرت نوحؑ بھی امام ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ بھی امام ہیں۔ حضرت موسیٰؑ بھی امام ہیں۔ لیکن جب لغت میں امامیہ لکھیں گے تو وہاں لکھیں گے کہ وہ جماعت، وہ مکتب جو مولا علیؑ اور ان کی ذرّیت سے گیارہ اماموں کو اپنا امام مانتی ہے کوئی بھی لغت ہو یہ مشترکہ مفہوم

ہے جو پیش کریں گے تو اب جب ہم نے مکتب امامت کہہ کے محدود کر دیا تو اب یہ بارہ ائمہ طاہرین الگ ہو گئے۔ اب وہ پہلے والا مفہوم یعنی آگے چلنے والا مفہوم عام مفہوم ہو گیا اور امامت کا مفہوم خاص مفہوم ہو گیا۔اور یہ ہو گیا اصطلاحی معنی۔

تو عزیزان محترم! یہ امامت کا اصطلاحی معنی اب کہاں عام معنی ہے، اور کہاں خاص معنی، یہ استعمال کے قرینے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کیا معنی مراد ہے۔ ہم مسجد میں نماز پڑھانے والے کو بھی امام کہتے ہیں۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ یہاں مراد امام معصوم نہیں ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ امام صاحب نماز پڑھایئے کیا کسی نے کبھی اعتراض کیا کہ صاحب آپ نے تو انہیں امام بنا دیا، ارے بھئی قرینہ موجود ہے کہ امام جماعت کے لئے کہہ رہا ہوں کہ نماز پڑھایئے۔

اب امام کے معنی میں یہاں کوئی جھگڑا نہیں ہے کوئی لفظی بحث نہیں ہے کیونکہ قرینہ موجود ہے یعنی حال اور کیفیت یہ بتا رہا ہے کہ مراد امام معصوم نہیں ہے بلکہ مراد امام جماعت ہے جیسے کہ امام جمعہ۔ ہماری مجبوری ہے کہ پہلے آپ کے سامنے لفظ امام کی تفصیلی تشریح کر دیں، کیونکہ دوسرے اسلامی ممالک اور معاشروں کے برخلاف ہمارے معاشرے میں لفظی بحثیں زیادہ ہیں اور انہیں لفظی مباحث میں سے ایک تختۂ مشق ستم لفظِ امام بھی ہے دوسرے معاشروں میں لفظِ امام کے استعمال میں کوئی مناقشہ (اختلاف) نہیں ہے کیونکہ وہاں کثرتِ استعمال کے سبب سے وہ جانتے ہیں کہ کہاں یہ امام کس معنی میں استعمال ہو رہا ہے کیونکہ قرینہ بتا دیتا ہے۔

اب دوسرا مرحلہ ضرورت امام کا کہ امام کی ضرورت کیوں ہے؟ آج اس پر اور تھوڑی سی گفتگو ہو جائے۔اور پھر کل سے اصل موضوع پر آجائیں گے اب ہم موضوع کو تھوڑا سا سمیٹتے ہیں یعنی عالم اسلام میں لے آتے ہیں تا کہ ان محدود مجالس میں کہیں موضوع سے باہر نہ نکلتے چلے جائیں۔آیئے! عالم اسلام میں امام کی ضرورت کی اہمیت کیا ہے؟ تو عالم اسلام میں کوئی مکتب ایسا نہیں ہے جو امامت کی ضرورت کا قائل نہ ہو یہ بھی خیال رکھئے گا کہ عالم اسلام کے جتنے بھی مکاتب فکر ہیں، جتنے بھی مسالک ہیں، سب امام کی ضرورت کے

قائل ہیں۔

امام کا وجود ضروری ہے، امام ہونا چاہئے ،اور امام کے بغیر نظام نہیں چل سکتا، یہ ایک کلیہ طے ہوگیا ہے کہ جتنے بھی مکاتب ہیں وہ سب امام کی ضرورت کے قائل ہیں۔ امام ہونا چاہئے۔ اب اس کے بعد والا مرحلہ ہے انتخاب امام کا، کہ امام کیسے نصب ہوگا؟ ہم سلسلے سے چلتے جائیں گے تاکہ ہمیں آگے چل کر کوئی پریشانی نہ ہو۔ انتخاب امام کیسے ہو؟ امام نصب کیسے ہو؟

اس مرحلے میں اختلاف ہے پہلے مرحلے پر اختلاف نہیں ہے۔ دوسرے مرحلے میں اختلاف ہوا ، کہ امام کیسے نصب ہوتا ہے؟ یہاں پر دو فکریں آ گئیں، ایک فکر کہتی ہے کہ انتخابِ امام لوگ کرلیں کافی ہے۔ اہل حل و عقد امام بناسکتے ہیں، اکثریت بھی امام بناسکتی ہے، کسی کی بیعت کرلی جائے تو امام بن جاتا ہے، لوگوں نے ملکر بنالیا، امام بن گیا۔

کہتے ہیں کہ امام کا انتخاب لوگوں کے ہاتھ میں ہے لوگ چاہیں تو بناسکتے ہیں مشورہ کرکے بناسکتے ہیں، اکثریت بناسکتی ہے، یا اس کی بیعت کرلی جائے، امام بن گیا۔ تو جب امامت ثابت ہوجائے تو جتنے بھی حکومتی امور ہیں سب اس کے ہاتھ میں آجاتے ہیں۔ اس کے بھی سب قائل ہیں کہ جناب یہ ریاست عامہ اس کے پاس آ گئی اور اب یہ خلیفہ ہوگئے۔ یعنی رسول کے جانشین ہوگئے اور خلافت مل گئی یہ اولی الامر ہوگئے، اور ان کی اطاعت واجب ہوگئی ،اور ان کی مخالفت کرنے والے باغی اور اسلام سے خارج گروہ قرار پائے۔

امامیہ کیا کہتے ہیں؟ یعنی مکتب اہلِ بیت کے ماننے والے کہتے ہیں کہ نہیں جناب انتخابِ امام، انتخابِ الٰہی ہے ،امام کا انتخاب کیا جانا امام کا مقرر کرنا یہ انسانوں کا کام نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ کی طرف سے نصب کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ رسولؐ کا بھی یہ کام نہیں ہے ،رسول کی بھی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ امام بنائیں۔ امام بنانا رسول کی بھی ذمہ داری نہیں ہے یہ یاد رکھئے گا بلکہ امام منصوص من اللہ ہوگا۔

رسولؐ کا کام ہے ابلاغ امامت ، رسول کا کام ہے تبلیغ امامت، یعنی حکم خدا کا ہوگا، امام کو خدا منصوب کرے گا، وہ منصوص من اللہ ہوگا، اور رسول کی ذمہ داری ہے اُس امام کا عرفان لوگوں تک پہنچائے، امام کی معرفت لوگوں کو کرائے، لوگوں کو بتائے کہ میرے بعد

کون تمہارا امام ہے؟ یعنی رسولؐ اپنی مرضی سے امام نہیں بنائے گا بلکہ امام بنانا خدا کی ذمہ داری ہے اور رسول کا کام ہے اس امام کا اعلان کرنا۔ لوگوں میں اس کو متعارف کروانا۔

اصل اختلاف یہیں سے شروع ہوا۔ یہیں سے مکتب امامت اور مکتب خلافت کی بنیاد پڑی۔ باقی اختلافات اسی اصل اختلاف کی پیداوار ہیں اور پھر بعض جزئی اختلافات خود لوگوں کے پیدا کردہ ہیں، جنہیں ہوا دینے میں متعصب اور ظالم حکمرانوں کے ساتھ ساتھ درباری ملاؤں کا ایک بڑا ٹولہ بھی پیش پیش رہا ہے تاکہ حکمرانوں کا اقتدار اور ملاؤں کی دکانیں چلتی رہیں۔

اب اصل اور ابتدائی اختلاف سامنے رکھئے کہ مکتب امامیہ میں امام خود نہیں بنایا جاسکتا، حتیٰ کہ رسول بھی نہیں بناسکتا، بلکہ یہ خدا کی طرف سے بنایا جاتا ہے اور رسول کا کام ہے اس کی امامت کا اعلان کرنا اب آپ سنتے رہتے ہیں غدیرِ خم کا واقعہ۔ میں اس واقعہ کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کیونکہ سارا سال آپ مجھ سے بہتر انداز میں اس کی تفاصیل سنتے رہتے ہیں اور سنتے رہیں گے۔ لہٰذا میں ان واقعات کی تکرار نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن اصل مسئلہ وہاں بھی یہ ہی تھا۔

وان لم تفعل فما بلغت رسالته اگر آپ نے یہ کام انجام نہ دیا تو تبلیغ رسالت ہی انجام نہیں دی، رسالت کا کام ہی نہیں انجام دیا، وہ کیا چیز ہے؟ کیا پہنچایا جارہا ہے؟ وہاں حکم خدا ہے، رسول نے اپنی مرضی سے نہیں کہا کہ میرا بھائی تمہارا امام ہے، میرا بھائی تمہارا مولا ہے۔ نہیں، بلکہ حکم خدا ہے کہ رسولؐ آپ کو ہر حال میں یہ کام انجام دینا ہے، جبکہ رسولؐ تو احتیاط کررہے ہیں، جانتے ہیں کہ یہ اعلان کروں گا تو لوگ میرے دشمن ہوجائیں گے، میں اعلان کروں گا تو لوگ قبول نہیں کریں گے، میں اعلان کروں گا تو لوگ تسلیم نہیں کریں گے۔

لیکن کیونکہ حکمِ خدا ہے اور وحی کی صورت میں آیت نازل ہوئی ہے کہ میرے رسول آپ کو یہ کام کرنا ہے، آپ پہنچا دیجئے اس حکم کو۔ تو حکم خدا کا ہے اور رسول کا کام ہے تبلیغ کرنا، تو غدیرخم میں خدا کے رسولؐ نے جو چیز پہنچائی وہ کیا ہے؟ وہ جانشین کا، اور اپنے بعد

مسلمانوں کے رہبر کا اعلان ہے۔ کہ میرے بعد تمہارا رہبر کون ہے، یعنی امام کو روشناس کروایا دنیا کے سامنے کہ یہ تمہارا رہبر ہے، یہ تمہارا مولا ہے، جس طرح سے میں تمہارا مولا ہوں، اور حاکم ہوں، اور تمہارے نفسوں پر، حق تصرّف رکھتا ہوں، بالکل اسی طرح سے میرے بعد یہ جو میرا بھائی علی ابن ابی طالب ہے وہ تمہارا حاکم ہے اور مولا ہے۔

تو عزیزانِ محترم! اب یہ غدیرخم کے واقعے سے معلوم ہوا کہ انتخابِ امام پروردگار کی طرف سے ہوگا اور رسول کا کام اعلان کرنا ٹھہرا۔ اسی طرح سے شرائطِ امام، یہ ایک اور چھوٹی سی بات درمیان میں آگئی اس کو بھی حل کر دیا جائے، شرائطِ امام۔ کیا ہیں؟ مکتب امامیہ اور دوسرے مکاتب میں۔ میں نے عرض کیا کہ امام کے سب قائل ہیں، انتخاب میں اور شرائط میں فرق ہے۔

دوسرے مکاتب کہتے ہیں امام کا انتخاب ہم کر سکتے ہیں۔ سب نے مل کر بنالیا امام بن گیا، رہبر بن گیا، پیشوا بن گیا، شرائط امام دوسرے مکاتب میں اس طرح سے ہیں۔ نمبر ایک علم یعنی امام عالم ہو، نمبر دو عدل یعنی امام عادل ہو عدل و انصاف سے کام لیتا ہو اور تیسری چیز ہے بیعت یعنی اسکی بیعت ہونی چاہئے۔ جب یہ تین چیزیں جمع ہو جائیں تو امام بن جاتا ہے۔

عالم ہونا چاہیے، چاہے سب سے بڑا عالم بھی نہ ہو بس علم رکھتا ہو دین کا، کیوں کہ اگر اعلم کی شرط لگا دیتے تو خود ہی پھنس جاتے، کیونکہ کئی جگہ جن کو رہبر بنایا، امام بنایا، پیشوا بنایا، وہ خود بے چارے علمی اور فقہی مسائل میں دوسروں کے محتاج ہوئے کہ نہیں؟ لہٰذا اعلم کی شرط نہیں لگائی بلکہ علم کی شرط لگائی کہ علم رکھتا ہو دین کا، عدالت ہو، یعنی عدل و انصاف قائم کرنے والا ہو تا کہ حکومت چلا سکے، انصاف کر سکے، لوگوں کو انصاف دے سکے، اور یہ شرط دنیا میں ہر جگہ موجود ہے چاہے عملی طور پر نہ ہو مگر کاغذوں میں موجود ہے، زبانی موجود ہے، یہ ایک ایسا نعرہ ہے کہ عملی طور پر دنیا میں بہت کم اس کا اجراء ہوگا لیکن زبانی اور تحریری طور پر تو ہر جگہ موجود ہے۔

تیسری شرط بیعت ہو، لوگ اس کی بیعت کرلیں تو امام بن جائے گا، اور اگر لوگ

بیعت نہ کریں تو امام نہیں بن سکتا ہے، اس کے برخلاف مکتب امامیہ میں جو شرائط ہیں ان میں بیعت کرنا اثبات امامت کی شرط نہیں ہے۔ لوگ بیعت کرلیں یہ الگ بات ہے کیونکہ لوگوں پر واجب ہے امام کی بیعت کرنا لیکن لوگوں کے بیعت نہ کرنے سے اس کی امامت پر کوئی فرق نہیں پڑتا کوئی بیعت کرے یا نہ کرے کوئی اس کا ساتھ دے یا نہ دے، یہ تو ہم پر واجب ہے کہ ہم اس کی بیعت کریں اس کی امامت کے لئے شرط نہیں ہے کہ لوگ بیعت کریں۔

ایسا نہیں ہے کہ اگر لوگوں نے بیعت کرلی تو امام اور بیعت نہیں کی تو امام نہیں بنے گا۔ کیونکہ اس کا منصب امامت منصوص من اللہ ہے۔ اگر روئے زمین پر کوئی بھی انسان اسکی بیعت نہ کرے پھر بھی وہ امام ہے، کوئی اس کا ساتھ نہ دے جب بھی وہ امام ہے، وہ گھر میں بیٹھا رہے جب بھی وہ امام ہے، وہ صلح کرلے جب بھی امام ہے، وہ جنگ کرے جب بھی امام ہے، اس کے ساتھ ہزاروں لاکھوں ہوں تب بھی وہ امام ہے اس کے ساتھ ۷۲ ہوں جب بھی وہ امام ہے۔

تو اس شرط کا معاملہ دونوں مکاتب فکر میں بالکل برعکس ہے۔ ہمارے ہاں یعنی مکتب امامیہ میں لوگوں پر واجب ہے کہ وہ امام کی بیعت کریں اب اگر وہ بیعت کرتے ہیں تو لوگوں کا فائدہ ہے اور اگر نہیں کرتے تو لوگوں کا ہی نقصان ہے۔ اور ایک شرط ہے اعلم ہونے کی اعلم اس معنی میں کہ علمی مرجعیت کے مقام پر ہو۔ اس بات سے مراد مرجع تقلید نہیں ہے بلکہ یہاں اعلم سے مراد علمِ لدنّی کا حامل ہو، ایسی علمی مرجعیت ایسا علمی مقام کہ ساری دنیا اس کی محتاج ہو وہ کسی کا محتاج نہ ہو، ہر علمی مسئلے میں ساری دنیا اس کی طرف رجوع کرے علم کے ہر شعبے پر حاوی ہو۔

یہاں اعلم سے ہماری مراد وہ فقہی اصطلاح نہیں ہے جو ہمارے ہاں رائج ہے۔ یاد رکھئے گا آپ فقہی اصطلاح میں جسے مرجع یا اعلم کہتے ہیں وہ الگ مفہوم ہے، جو تقلید کے لئے بیان ہوتا ہے کہ مثلاً فلاں اعلم ہے اس کی تقلید کرو، اور میں جو مفہوم بیان کررہا ہوں وہ اس خاص فقہی اصطلاح میں بیان نہیں کررہا کیونکہ مرجع تقلید علم کو کسب کرتا ہے یعنی تمام مروجہ علوم کی مدد سے جدوجہد کے ذریعے درجہ اجتہاد پر پہنچتا ہے۔

جب کہ ہم جس علم اور جس اعلم کی بات کرر ہے ہیں وہ ایسا علم رکھنے والا ہو کہ پوری دنیا جس مسئلے میں چاہے اس کی طرف رجوع کرے۔ وہ ایسی علمی مرجعیت پر فائز ہو جو کتابیں پڑھ کر حاصل نہیں ہوتا بلکہ خدا کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جسے خدا کی طرف سے یہ منصب ملتا ہے وہ کسی بھی مسئلے میں الجھن کا شکار ہوئے بغیر اس کو حل کر دیتا ہے اس کا جواب پیش کر دیتا ہے۔

چاہے وہ مسئلہ کسی بھی شعبہ زندگی سے تعلق رکھتا ہو۔ دنیاوی مسئلہ ہو، دینی مسئلہ ہو، یا مادی مسئلہ ہو، کوئی علم ایسا نہیں ہے کہ علمِ امام جس کا احاطہ نہ کئے ہوئے ہو تو وہ اس مقام پر ہو کہ پوری دنیا مسائل میں اس کی طرف رجوع کرے اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔ اب اس کی دلیل تاریخ میں کیا ہے؟ یہ کوئی ایسی جذباتی بات نہیں ہے جو ہم عقیدت اور محبت کے دھارے میں بہہ کر کہہ رہے ہوں بلکہ اس کی دلیل تاریخ میں موجود ہے۔

عزیزان محترم! تاریخی دلیل سے پہلے میں آپ کا کچھ وقت تمہید باندھنے میں لوں گا۔ دیکھئے جب اسلام پھیلنا شروع ہوا یعنی ظہور اسلام جس کو کہتے ہیں اگر چہ کہ اسلام تو خیر آدمؑ سے لے کر اب تک ہے لیکن خاص اصطلاح میں جب سرزمین حجاز پر اسلام کا نعرہ بلند ہوا اس وقت سترہ افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے جن میں پیغمبرؐ کا نام نہیں ہے۔ لیکن جناب ابوطالبؑ اور ان کے بیٹے حضرت علیؑ کا نام ہے ان دونوں کا نام موجود ہے مگر پیغمبرؐ کا نہیں ہے۔ اب آپ! مجھے بتائیے کہ علیؑ یہ کہہ رہے ہیں کہ جو کچھ میں نے سیکھا ہے رسول سے سیکھا ہے کیونکہ علیؑ کے کسی استاد کا نام تاریخ میں نہیں ہے۔ سب کے استادوں کے نام ہیں، تو اگر علیؑ کو کسی اور نے لکھنا پڑھنا سکھایا ہوتا تو اسکا نام بھی تاریخ میں موجود ہوتا لیکن نہیں ہے تو پھر علیؑ نے لکھنا پڑھنا کس سے سیکھا؟

کیونکہ بعض حضرات تو یہ کہتے ہیں کہ رسولؐ معاذ اللہ ان پڑھ تھے اور لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور علیؑ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اس طرح رسالت میں ایک نقص لازم آتا ہے رسالت میں ایک کمی لازم آتی ہے لہٰذا علیؑ کو یہ کہنا چاہئے تھا کہ میں نے سب کچھ رسولؐ سے سیکھا سوائے لکھنے کے، وہ میں نے رسولؐ کو سکھایا معاذ اللہ، لیکن کیا کہیں علیؑ کا کوئی

ایسا قول ملتا ہے؟ یقیناً کہیں بھی نہیں ہے تو پس امام یا معصوم کسی سے سیکھتا نہیں ہے بلکہ خدا نے علم سے قلب رسولؐ کو منور کیا اور بقول مولائے کائناتؑ رسول اکرمؐ نے علم اس طرح مجھے بھرایا ہے جیسے پرندہ اپنے بچے کو غذا بھراتا ہے۔ تو بس معلوم ہوا کہ خدا جسے امام قرار دیتا ہے انسانوں میں سے کوئی بھی اسے کچھ سکھانے کی اہلیت نہیں رکھتا۔

یہی وجہ ہے کہ ہم اُنہی بارہ اماموں پر اعتقاد رکھتے ہیں جو علم لدنّی کے وارث ہیں اور کائنات کی راہیں ان کے سامنے ایسے ہیں جیسے ہمارے سامنے ہمارے ہاتھ کی ہتھیلی۔ ایک اور چھوٹا سا مطلب اور پھر بیان کو سمیٹنا شروع کرتے ہیں، اور آتے ہیں ملوکیت کی تعریف کی طرف، ارشاد رب العزت ہورہا ہے۔

واعتصموا بحبل اللّٰه جميعاً ولا تفرّقوا اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامو اور آپس میں تفرقہ پیدا نہ کرو۔ یہ حبل اللہ کیا ہے؟ آپ نے بارہا ایک روایت سنی ہوگی قرآن اور اہلبیت سے متعلق کہ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ''میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں قرآن اور اہلبیت۔ یہ کبھی جدا نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں'' بس قرآن اور اہلبیت وہ ہیں جو اسطرح سے ملے ہوئے ہوں آپس میں کہ قیامت تک جدا نہ ہوسکیں۔

اب دیکھیں یہ رسولؐ کا قول ہے اہل بیت اور قرآن کے بارے میں، کہ یہ قیامت تک ساتھ ہیں یعنی حوض کوثر یہ میرے پاس آئیں گے جدا نہیں ہوں گے۔ تو بس یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ اگر قرآن کو صحیح طور پر سمجھنا ہے اور اس کے احکام کی حقیقت جاننا ہے تو پھر اہل بیت ہی کے در پر سر تسلیم خم کرنا ہوگا کیونکہ رسول کا قول ہی یہی ہے کہ اہل بیت اور قرآن قیامت تک جدا نہیں ہوں گے۔

تو اب حبل اللہ یعنی اللہ کی رسی کیا ہوئی قرآن اور اہل بیت بظاہر بڑی ہی عجیب بات ہے کہ دونوں قسم کی روایات موجود ہیں یعنی یہ روایت بھی معصوم ہی سے نقل ہے کہ قرآن حبل اللہ یعنی اللہ کی رسی ہے اور یہ روایت بھی معصوم ہی سے نقل ہے کہ ہم اہل بیت اللہ کی رسی ہیں تو اب اگر قرآن اللہ کی رسی ہے تو اہل بیت کیا ہیں؟ اور اگر اہل بیت اللہ کی رسی ہیں تو

پھر کتاب خدا کیا ہے؟ تو عرض یہ ہے کہ یہ دونوں ہی روایات صحیح ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ایک قرآن صامت ہے اور ایک قرآن ناطق۔

اہل بیت خدا کی رسی اس طرح سے ہیں کہ اگر ان کے دامن کو تھام لیا تو خود بخود قرآن سے وابستہ ہوگئے کیونکہ یہ کوئی امر انجام نہیں دیتے مگر یہ کہ وہ فعل یا عمل خود قرآن ہی کی تفسیر ہوتا ہے۔ بس اسی طرح قرآن بھی اللہ کی رسی ہے کہ جب اہل بیت سے وابستہ ہوجاؤ گے تو قرآن سے جدائی کا تصور بھی پیدا نہیں ہو سکے گا۔

عزیزان محترم! بڑے مشکل مرحلے سے آج میں گزرا۔ آپ لوگوں کی کیفیت سے بھی آگاہ ہوں لیکن یہ ضروری تھا کہ ذہنوں میں یہ چھوٹے چھوٹے سے مفاہیم بیٹھ جائیں گے تو مجھے بھی بات کرنے میں آسانی ہوجائے گی۔ تو امامت کے چھوٹے چھوٹے جو مفاہیم ہیں ان کی تعریفیں میں نے آپ کے سامنے پیش کردیں کہ حبل اللہ یہی اہل بیت ہیں اور ایک جگہ شاید بیان بھی کرچکا ہوں یہاں پر یا کسی اور جگہ پر، آج سے دو تین سال پہلے۔

رسی کا ایک اصول ہے یاد رکھئے گا کہ کم سے کم دو دھاگوں سے مل کر ایک رسی بنتی ہے، بل دیتے چلیں جائیں، بل دیتے چلے جائیں تو رسی کے لئے کم سے کم دو دھاگے چاہئیں، ایک دھاگے سے نہیں بنے گی رسی، لہٰذا قرآن اِن کو حبل اللہ کہتا ہے اور یہ قرآن کو حبل اللہ کہتے ہیں اب آپ سلسلہ جوڑتے چلے جائیں کہ اگر انسان چاہتا ہے کہ خدا کی رسی کو تلاش کرے تو بس ان دونوں کو بٹتا چلا جائے جب تک ساتھ رکھے گا قرآن اور اہل بیت کو تب رسی کا مفہوم اس کی سمجھ میں آئے گا ورنہ اس کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔

یہ امامت کے بارے میں مختصر گفتگو تھی۔ اصول بھی یہ ہوتا ہے کہ جب آپ کسی موضوع کو لے کر چل رہے ہیں اسی موضوع پر بات ہونی چاہئے چاہے وہ خشک ہو یا تر ہو، اس پر بحث نہیں ہے۔ ابتداء سے جیسے چلنا ہے ویسے چلنا چاہئے تو اب دوسری چیز رہ گئی ملوکیت۔ اس کی بھی مختصر سی تعریف دیکھئے آج مکمل ہوسکے گی یا نہیں اگر نہیں ہوئی تو کل سہی۔ لیکن آج میں وقت اتنا ہی لوں گا جتنا کہ ہماری عادت ہے اور جتنا معین ہے ان شاء اللہ کوشش یہ کروں گا کہ اسی وقت میں بات مکمل ہوجائے۔ ویسے مجھ سے ہو نہیں پاتا، کوشش

یہ ہوگی کہ شروع کے دنوں میں کم وقت لوں آپ کا تاکہ آپ ذرا بیٹھے رہیں شروع میں ہی اگر میں نے مجالس لمبی کردیں تو آپ پریشان ہوجائیں گے۔

ملوکیت کی تعریف بھی اب قرآن سے نکالنا پڑے گی، ملوکیت کی تعریف کیا ہے؟ سورۂ نمل کی ۳۴ ویں اور ۳۵ ویں آیات میں جناب سلیمان کا اور ملکہ سباء کا واقعہ ہے۔ بلقیس ملکہ کا نام ہے اور جگہ کا نام ہے سباء، وہاں ۳۴ویں آیت میں ارشاد ہوا قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْآ اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ (نمل ۳۴) یہ ملوک جب بھی شہروں میں داخل ہوتے ہیں تباہی اور بربادی لے کر آتے ہیں۔ یہ فساد برپا کرتے ہیں۔ ملوک فساد لے کر آتے ہیں تباہی اور بربادی لے کر آتے ہیں اور وہاں کے عزت داروں کو ذلیل کردیتے ہیں۔

وَجَعَلُوْآ اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ ملوکیت کی ایک علامت بتائی جارہی ہے کہ جو عزت دار ہیں ان کو ذلیل کردیتے ہیں تو یہ ایسا ہی کرتے ہیں، یہ ملکہ سباء کہہ رہی ہے اپنے مصاحبین سے اس وقت جب جناب سلیمانؑ کا خط پہنچا ہے۔ مُلوک جمع ہے مَلِک کی مَلَک کی جمع نہیں ہے، مَلَک یعنی فرشتہ اس کی جمع ہے ملائکہ اور یہ ہے مَلِک یعنی بادشاہ تو ملوک اس کی جمع ہے خدا کا بھی ایک نام ہے اَلْمَلِکُ الْقُدُّوس، اِلْمَلِک خدا کو کہا جاتا ہے یہ مَلَک اور مَلِک کا فرق ہے ایک کی جمع ملائکہ اور ایک کی جمع مُلوک۔

تو جب یہ خط پہنچا جناب سلیمانؑ کا ہد ہد کی خبر پر کہ ایک ایسا شہر دیکھ کر آیا ہوں جہاں عورت حکمران ہے اور لوگ مشرک تو جناب سلیمانؑ نے کہا کہ پہلے تحقیق کی جائے گی تمہاری بات کی کہ ایسا ہے بھی کہ نہیں ہے۔ جناب سلیمانؑ پیغمبر ہیں، خدا کے رسولؑ ہیں۔ جانتے ہیں سب کچھ، پھر کیوں تحقیق کی بات کررہے ہیں، ہمیں بتارہے ہیں کہ خواہ مخواہ بغیر تحقیق کے افواہوں کو آگے بڑھانا مت شروع کردیا کرو۔ بلکہ پہلے اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو۔

کیسی بھی خبر ہو، اصول یہ ہے کہ پہلے تحقیق کرو، جب تحقیق کرلو تو اسکے بعد بھی یہ دیکھو کہ بات آگے بڑھانے والی ہے یا نہیں، کون سی قیامت آجائے گی اگر کچھ تاخیر سے کوئی خبر نشر کی جائے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے اور خصوصاً ہمارے ساتھ ان ایام میں، خاص طور پر کہ ابھی

منبر پر بیٹھے ہی تھے کہ ایک صاحب نے پرچی لا کے دے دی کہ یہ اعلان کردیجئے۔ آج کی بات نہیں بلکہ ابھی کچھ دن پہلے کی بات ہے کہ ایک صاحب نے ایک کاغذ لاکر دیا کہ جناب کسی جگہ دھماکہ ہوگیا ہے اور چار مومنین شہید ہوگئے ہیں میں نے اس پرچی کو جیب میں رکھ لیا اور اعلان بھی نہیں کیا بعد میں وہ صاحب ناراض ہوگئے کہ میں نے آپ کو ایک پرچی دی تھی کہ چار مومنین شہید ہوگئے اور آپ نے اعلان بھی نہیں کیا۔

میں نے کہا کہ میں اعلان نہیں کرسکتا جب تک کہ تصدیق نہ ہو جائے، جب تک تحقیق نہ ہوجائے، اور واقعی وہ خبر غلط نکلی ایک جگہ پٹاخہ ضرور چلا تھا لیکن ایک آدھ شخص زخمی ہوا تھا۔ اب آپ ہی بتائیے اگر میں یہاں سے اعلان کردیتا تو پوری قوم مجھے کتنی صلوٰتیں سنارہی ہوتی کہ منبر پر بیٹھ کے ٹینشن (Tension) پھیلاتے ہیں، خوف و ہراس پیدا کرتے ہیں اور افواہیں اڑاتے ہیں۔ جبکہ لوگوں کو یہ علم نہیں کہ جناب افواہ اڑانے والا کوئی اور تھا اور موردِ ملامت ہم بن گئے۔

تو جب آپ دوسرے کے لئے اس بات کے قائل ہیں کہ جب کوئی خبر ملے تو بغیر تحقیق کے آگے نہ بڑھائی جائے تو پھر اپنے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی یہی اصول ہونا چاہئے۔ یہ خدا کا دیا ہوا اصول ہے کہ کیسی ہی خبر تمہیں ملے، کچھ دیر صبر کرلو، تحقیق کرلو، پھر آگے بڑھاؤ۔ تو معلوم ہوا کہ بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ ذرا سی بات ایک بڑے مجمع کی شرمندگی کا باعث بن جاتی ہے۔

مثلاً کوئی بلی مجلس میں آگئی تو پورا مجمع غائب، ابھی احد کی باتیں سن کے نعرے لگانے والا مجمع اکدم غائب۔ دیوار سے بلی کودی ایک آدمی اپنی جگہ سے بھاگا اور دوسرے لوگ بغیر کچھ سوچے سمجھے اسے بھاگتا دیکھ کے خود بھی بھاگ کھڑے ہوئے اور بے چارہ ذاکر اکیلا منبر پر بیٹھا چیخ رہا ہے اور لوگوں کو روکنے کی کوشش کررہا ہے لیکن مجمع ہے کہ پلٹ کر دیکھنے کا بھی روادار نہیں ہے کیوں؟ اس لئے کہ بغیر تحقیق کے بھاگ کھڑا ہوا ہے جان کے خوف کی وجہ سے تو اب کیا فرق رہ گیا احد والوں میں؟ اور نعرے لگانے والوں میں اتنا تو انسان کو سوچنا چاہئے کہ پہلے تحقیق تو کرلے کہ ماجرا کیا ہوا ہے مگر جان کا خوف سوچنے کی صلاحیت بھی

سلب کرلیتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تحقیق کرنے کے چکر میں جان سے چلے جائیں لہٰذا پہلے بھاگو بعد میں تحقیق کریں گے کہ کیا ہوا تھا، پہلے باہر نکل جاؤ۔

بظاہر یہ چھوٹی چھوٹی سی باتیں ہیں عزیزو! لیکن یہ تربیت کے لئے بہت ضروری ہیں یہ باتیں ہمارے سامنے صبح وشام آتی ہیں۔ ہر آدمی جب اپنی اپنی گار ہا ہوتا ہے اور جب سڑک پر نکلتا ہے اور ہزاروں کا مجمع دیکھتا ہے تو بغیر سوچے سمجھے اقدامات کرنا شروع کردیتا ہے اور بعض اوقات فرد واحد کی حرکت پوری قوم کو نقصان پہنچانے کا باعث بن جاتی ہے۔

تو تربیت کے لئے ضروری ہے کہ بظاہر یہ چھوٹی چھوٹی سی باتیں ہیں مگر ان باتوں کا خیال رکھنا چاہئے کہ میری ایک ذرا سی حرکت سے کتنا بڑا مجمع بکھر سکتا ہے، منتشر ہوسکتا ہے، فساد برپا ہوسکتا ہے، اور کیا کچھ نہیں ہوسکتا۔ تو جناب سلیمانؑ نے کہا کہ نہیں پہلے تحقیق کروں گا اگر خبر غلط نکلی تو تمہیں سزا بھی دوں گا۔

لہٰذا تحقیق ہوئی اور ملکہ سباء کو پیغام پہنچایا گیا۔ تین جملوں پر مشتمل پیغام، جن کی تشریح آپ کے سامنے بعد کی مجالس میں کروں گا اور ان تین جملوں کا آغاز اس طرح سے ہوا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے آغاز ہوا اور پہلا جملہ یہ کہ دیکھو میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو، حق کے سامنے سر تسلیم خم کردو، میں خدا کا رسولؐ ہوں، اب دیکھئے کتنا فرق ہوگیا۔

یہ نہیں لکھا کہ میں بادشاہ ہوں حالانکہ کتنی بڑی سلطنت ہے جناب سلیمانؑ کی۔ جناب سلیمانؑ کی سلطنت بہت بڑی ہے، لیکن کہہ رہے ہیں کہ میں خدا کا رسولؐ ہوں، خدا کا پیغمبر ہوں، میرے مقابلے پر سرکشی نہ کرنا۔ یہ نہیں کہا کہ میں بادشاہ ہوں اسی لئے جب ملکہ بلقیس نے خط پڑھا تو خط کا انداز ایسا ہے کہ ملکہ سباء کہتی ہے کہ یہ تو رسالۂ کریم ہے، یہ نامۂ کریم ہے، یہ تو بڑا اہم خط ہے، یہ بڑا بزرگواری کا خط ہے، وہ دیکھ رہی ہے کہ لکھنے کا انداز ایسا ہے کہ اس خط سے تکبر کو روکا جارہا ہے، حق کے سامنے سر جھکانے کی دعوت دی جارہی ہے، اور کہا جارہا ہے کہ میں خدا کا بندہ ہوں، اس کا رسول ہوں۔

اب ایک فرق تو واضح ہوگیا ملوک میں اور خدا کے نمائندے میں، یہی چیز ہمیں پیغمبر ختمی مرتبتؐ کے دور میں بھی نظر آتی ہے کہ جب خدا کے رسولؐ کی سلطنت وسیع ہوتی جارہی

تھی لیکن جب بھی کسی بادشاہ کو خط بھیج رہے ہیں چاہے وہ قیصر وکسریٰ ہوں تو پہلا جملہ یہی ہے اِنّی عبداللہ، میں خدا کا بندہ ہوں اور خدا کی طرف سے بھیجا ہوا رسولؐ ہوں، کہیں نہیں لکھا کہ میں بادشاہ ہوں میں ملک ہوں، میں سلطان ہوں، بلکہ ہمیشہ اِنّی عبداللہ لکھا۔

تو ملکہ سباء خط کے انداز کو دیکھ رہی تھی اس نے اپنے مصاحبین کو بلایا جن سے وہ مشورہ کرتی تھی، مشیروں کو جمع کیا اور ان مشیروں سے کہا کہ دیکھو مجھے ایسا ایسا خط ملا ہے حضرت سلیمانؑ کی طرف سے، وہ کہتے ہیں کہ میں خدا کا رسولؐ ہوں، اب تم مجھے مشورہ دو کہ میں کیا کروں تم جانتے ہو کہ میں تم سے ہمیشہ انتہائی اہم امور میں مشورہ کرتی ہوں۔

تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم جنگ کے لئے تیار ہیں، ہمارے پاس بھی لشکر ہے، ہمارے پاس بھی فوج ہے، ہم تیرے ساتھ نکلیں گے اور مقابلہ کریں گے، لیکن آخری فیصلہ تو خود کرنے والی ہے، کیونکہ تو حاکم ہے۔ تو ملکہ سباء کہتی ہے کہ نہیں، جنگ میں مصلحت نہیں ہے۔

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ (نمل ۳۴) وہ کہتی ہے کہ بادشاہ جب شہروں میں داخل ہوتے ہیں تو فساد برپا کردیتے ہیں اور تباہی و بربادی پھیلادیتے ہیں اور وہاں کے عزت داروں کو ذلیل کردیتے ہیں اور یہ ایسا ہی کرتے ہیں تو میں جنگ میں مصلحت نہیں دیکھتی بلکہ حضرت سلیمانؑ نے کہا ہے کہ میں رسول ہوں لہٰذا میں ایک کام کروں گی وَاِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ (سورۂ نمل ۳۵ ویں آیت) بے شک میں اسکے پاس تحفہ بھیجوں گی، ایک قیمتی تحفہ اور انتظار کروں گی، دیکھوں گی، کہ میرا قاصد کیا خبر لے کر آتا ہے۔ یعنی ملکہ سباء ایک علامت بتارہی ہے ملوک کو پہچاننے کی۔ کہ ملوک اس طرح پہچانے جاتے ہیں۔

اگر حضرت سلیمانؑ یہ قیمتی تحفہ قبول کرلیتے ہیں تو یہ دنیاوی بادشاہ ہیں، خدا کے رسول نہیں ہیں۔ جیسا کہ آپ آج بھی دیکھتے ہیں ناں کہ افسروں کو راضی کرنے کے لئے قیمتی قیمتی تحفے دینا پڑتے ہیں تاکہ وہ خوش ہوجائیں اور آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ تو جناب ملکہ سباء نے بھی صدیوں پہلے ملوک کو پہچاننے کا یہ طریقہ بتادیا تھا۔ تو یہ پہچان ہے دنیاوی

حکمرانوں کی اور ملوک کی۔

تو عزیزان محترم ملکہ سباء کہتی ہے کہ اگر یہ دنیاوی ملوک نہیں ہے، یہ بادشاہ نہیں ہے، تو تحفہ قبول نہیں کرے گا۔ اور اگر اس نے تحفہ قبول کرلیا تو یہ دنیاوی بادشاہ ہے تو پھر کوئی پرواہ نہیں اس کے پاس بھی طاقت ہے، اور ہمارے پاس بھی طاقت ہے، اس کے پاس بھی فوج ہے ہمارے پاس بھی فوج ہے، ہم جنگ لڑیں گے لیکن پہلے دیکھتے ہیں کہ یہ قیمتی تحفہ قبول کرتا ہے یا نہیں۔

تو ملوک کی تعریف یہ ہوگی کہ وہ زمینوں اور گردنوں پر حکومت قائم کرنے کو شان و شوکت کی دلیل سمجھتے ہیں وہ سلطنتوں کی وسعتوں میں اپنی عظمتوں کی بلندیاں دیکھتے ہیں وہ رعایا کی تعداد کو بادشاہی کا پیمانہ بناتے ہیں۔ یاد رکھئے گا کہ جو مَلِک ہیں وہ زمینوں اور گردنوں کو فتح کرتے ہیں، ان پر قبضہ کرتے ہیں، اور اسی کو طاقت کا معیار سمجھتے ہیں۔

اس کے برخلاف جو خدا کی طرف سے رہبر بنائے جاتے ہیں، حاکم بنائے جاتے ہیں، امام بنائے جاتے ہیں، انہیں زمینوں کی اور ملکوں کی پرواہ نہیں ہوا کرتی بلکہ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ خدا کی مرضی کیا ہے؟ خدا کے دین کی تبلیغ کا راستہ کیا ہے؟ دس کروڑ آدمی ہوں جب بھی وہ لوگوں کے امام ہیں اور ایک شخص بھی ساتھ نہ دے بلکہ ساری دنیا بھی مخالفت کرے جب بھی وہ امام ہے، اور دین کی تبلیغ کا کام انجام دے گا، دین کی پاسداری، احکام الٰہی کا اجرا، حدود الٰہی کو برپا کرنا، لوگوں کی تربیت کرنے کے کام کو انجام دے گا۔ یہ ہے امام معصومین کے اقوال کی روشنی میں۔

جو خدا کی طرف سے نمائندہ ہوگا اس میں ملوکیت کی صفات نہیں ہوں گی، اس کی نظر سلطنت پر نہیں ہوگی، بلکہ وہ خدا کے حکم کی طرف دعوت دے گا کہ تم خدا کے حکم کے سامنے سر جھکاؤ۔ اور ملوکیت لوگوں کو اپنی اطاعت کی طرف بلائے گی اسی لئے مسلمان امامت کو چھوڑنے کے بعد مصیبت میں مبتلا ہوگئے مسلمانوں نے جب امامت سے علیحدگی اختیار کی تو ملوکیت کی عفریب نے انہیں دبوچ لیا۔

امامت کی خصوصیات آج بھی وہی کی وہی رہیں، ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی،

امامت کو چھوڑ کے مسلمان جب دوسرے راستوں پر چلے تو رفتہ رفتہ کیا ہوا؟ اس خلافت نے ملوکیت کی شکل اختیار کرلی۔ کیوں کہ جو بنیادی اصول تھے، وہ ہی غلط تھے، اور ایسے اصول وضع کیے گئے تھے کہ جن کے سبب سے جس کے پاس بھی جس طریقے سے بھی طاقت آ گئی وہ حاکم بن گیا۔ اس کے نتیجے میں جب نااہل لوگ حاکم بن گئے تو ملوکیت کے لئے دروازہ کھل گئے اور حضور یہیں سے تاریخ اسلام الگ ہوگئی اور تاریخ ملوکیت الگ۔

یہ ملوکیت کی تاریخ ہے جسے لوگوں نے اسلام کی تاریخ بنا کے پیش کردیا کہ صاحب یہ اسلام کی تاریخ ہے جبکہ یہ اسلام کی تاریخ نہیں ہے بلکہ یہ ملوکیت کی تاریخ ہے، یہ بادشاہوں کی تاریخ ہے، یہ سلاطین کی تاریخ ہے۔ ملوکیت ایک فطرت ہے۔ اس فطرت کی تفصیل ہم آگے۔ بیان کریں گے جیسے ہی یہ فطرت اسلام میں داخل ہوئی اس نے اپنے ناموں کے ساتھ سلطان، بادشاہ، شہنشاہ اور اسی قسم کے القابات لگانا شروع کردیئے، اب مقصد حکومت حاصل کرنا اور اس کو طول دینا ہوگیا اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے کیونکہ بنیاد ہی غلط تھی۔

مگر امامت کے اصولوں میں کوئی فرق نہیں آیا وہ جنہیں خدا نے امام بنایا تھا ان کی تاریخ ہی تاریخ اسلام ہے، قربانیوں کی تاریخ ہے، دین کی تبلیغ اور دین کو بچانے کی تاریخ ہے، اور یہی حال ان کے پیروکاروں کا ہے کہ جن کی گردنوں میں امامت کی بیعت ہے۔ جو امام معصوم کی بیعت کیے ہوئے ہیں، جو امام معصوم کو ہادی و رہنما جانتے ہیں، خدا کے بنائے ہوئے اماموں کی اطاعت کرتے ہیں اسی لئے انہیں کبھی ظالم حکمرانوں کی پرواہ نہیں ہوئی۔

وہ جانتے ہیں کہ ملوکیت تغیر وتبدّل کا شکار ہوتی رہے گی۔ بنوامیہ کے بعد بنو عباس اوران کے اسی طرح سے دوسرے سلسلے ایک کے بعد ایک بادشاہت کا سلسلہ چلتا رہا، ملوکیت کی شکلیں تبدیل ہوتی رہیں، لیکن امامت کی تاریخ میں ایسی کوئی تبدیلی ایسا کوئی تغیر رونما نہیں ہوا کیونکہ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمادیا تھا کہ

"اولنا محمدو اوسطنا محمد و آخرنامحمد و کلّنا محمد" یعنی ہم سب کے سب محمد ہیں اسی لئے مکتب امامت پر چلنے والوں کو کسی بھی دور میں کبھی کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔

کچھ باتیں تشنہ رہ گئیں ہیں لیکن میں نے آج موضوع کو ختم کردیا، آج کی مجلس کو ختم کردیا بس اشارہ دے دیا ملوکیت سے متعلق، تفصیلات بعد کی مجالس میں آجائیں گی۔

اب آئندہ ہم جو بات کریں گے دونوں تاریخوں کو تھوڑا تھوڑا لے کر چلیں گے اور یہ اشارہ بھی ہم نے ابتداء ہی میں کردیا تھا کہ ملوکیت کی تاریخ کا آغاز شداد، نمرود اور فرعون سے ہوتا ہے۔ یہ سارے ملوکیت کے نمائندے ہیں اور آدمؑ سے لے کر خاتمؑ تک اور خاتمؑ سے مہدیؑ دوراں تک یہ سب خدا کے نمائندے یعنی امامت کے نمائندے ہیں۔

ان محدود مجالس میں ہم ساری تاریخ کا تو احاطہ نہیں کرسکتے مگر آج کے دور میں جو موضوع بحث ہونا چاہیے ہم اسی کو لے کر چلیں گے یعنی ظہور اسلام کے بعد ملوکیت نے عالم اسلام پر کیا کیا ستم ڈھائے اور کس طرح اسلام کی نظریاتی سرحدوں پر حملے کئے اور تحریفات کے بازار گرم کئے۔ انہی کو بیان کیا جائے گا۔ ملوکیت نے اسلام حقیقی کو جو نقصان عظیم پہنچایا اسکے نتیجے میں پہلے ایک سے دو مکتب ہوئے اور پھر دو سے ۷۳ ہوئے۔

لیکن مکتب امامت پر چلنے والوں کو آج تک کوئی مسئلہ درپیش نہیں آیا اور قیامت تک درپیش نہیں آئے گا کیوں کہ امامت کا سلسلہ بیچ میں ٹوٹا نہیں ہے، کہیں اقوال غلط نہیں ہوئے ہیں، کہیں احکام میں تغیر اور تبدیلی نہیں ہوئی ہے، کہیں احکام میں تضاد نہیں ہوا کہ ایک امام نے کوئی اور حکم دیا ہو اور دوسرے نے کوئی اور حکم دیا ہو یہ جو نام پڑ گیا فقہ جعفری اس لئے نام پڑ گیا کہ وہ دور ہی ایسا تھا کہ جناب روز روز نئی نئی فقہیں ایجاد ہو رہی تھیں، اور مسلسل نئے نئے نام رکھے جا رہے تھے۔

یہ فقہوں کے نام رکھنے کی خود ایک الگ تاریخ ہے جو الگ موضوع کا تقاضہ کرتی ہے پھر کسی موقع پر اس موضوع پر بھی تفصیل سے روشنی ڈال دی جائے گی۔ بہرحال نام پڑ گیا، لیکن یہی فقہ جعفری فقہ حسینی ہے، فقہ حسنی ہے، فقہ علوی ہے، فقہ محمدی ہے اور فقہ اسلامی ہے۔ اس کے برخلاف دوسری طرف مکاتب بھی تبدیل ہوتے چلے گئے اور فقہیں بھی تقسیم ہوتی چلی گئیں۔

جبکہ مکتب امامت کے ماننے والے انہی اصولوں پر اپنی منزلیں طے کرتے چلے گئے

جو اماموں نے مقرر کر دیئے تھے۔ یہاں اسی فقہ پر جس کے اصول اماموں نے معین کر دیئے تھے عمل ہوتا رہے گا۔ اب جو بھی نئے مسائل پیش آئیں گے تو انہی اصولوں پر ان مسائل کا حل ڈھونڈنا پڑے گا۔ زمانہ کتنی ترقی کرتا چلا جائے مکتب امامیہ پر چلنے والے اجتہاد کے ذریعے ہر مشکل کو حل کرتے چلے جائیں گے یہ تمہید ضروری تھی تا کہ موضوع کا تھوڑا سا خاکہ اور تصور آپ کے ذہنوں میں بن جائے کہ موضوع کیا ہے، کیونکہ یہ عنوان ایسا ہے کہ اس میں بہت سے پہلو نکل سکتے ہیں۔

میں آپ کی خدمت میں عرض کروں کہ امامت و ملوکیت یا خلافت و ملوکیت یا قرآن واہل بیت یا اسی طرح کے دیگر عنوانات ایسے ہیں کہ ان پر بات کرتے وقت بیسیوں پہلو نکل سکتے ہیں تو پتہ نہیں چلتا کہ کس پہلو سے بات کی جائے گی اس لئے ضروری تھا کہ میں اس صورتحال کو آپ کے سامنے واضح کر دوں کہ میں کس پہلو کو لے کر آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔

اور عزیزو! ملوکیت کو اسلام سے الگ کرنے کا اعزاز کس کے سر ہے یہ اعزاز کربلا کو حاصل ہے۔ کربلا جہاں اور نتائج ہمیں دے کے گئی، وہاں ایک نتیجہ یہ بھی دے گئی کہ بعد از پیغمبرؐ اسلام میں ملوکیت در آئی تھی، گھس آئی تھی اور لوگ تمیز نہیں کر پا رہے تھے کہ حقیقی اسلام کیا ہے اور ملوکیت کیا ہے۔ پردہ نہیں ہٹ پا رہا تھا کہ کیسے الگ کیا جائے ملوکیت کو اسلام سے۔ عام مسلمان یہی سمجھ رہا تھا کہ ملوکیت ہی اسلام ہے۔

جو بھی بادشاہ وقت ہے، وہ ہی خلیفہ رسولؐ ہے، جو تخت خلافت پر بیٹھ گیا، وہ جانشین رسولؐ ہے، جو اس منبر رسالت پر بیٹھ گیا وہ ہی رسولؐ کا وارث ہے، مسئلہ یہ پیدا ہو گیا تھا کہ اصل اسلام کو کیسے بچایا جائے۔ ہر امام کی حکمت عملی یہی رہی کہ حقیقی اسلام کو جعلی اسلام سے محفوظ رکھا جائے اور ہر امام اپنے اپنے زمانے میں یہ جہاد کرتا رہا۔

مگر یہ اعزاز تیسرے امام یعنی جناب سید الشہداؑ کو ملنا تھا کہ اس انداز میں ملوکیت کو تاراج کرے کہ قیامت تک ملوکیت کے نمائندے اپنے آپ کو بادشاہ کہیں، سلطان کہیں، صدر کہیں، اور جو چاہیں اپنے لئے القابات درست کر لیں۔

مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ خلیفہ رسولؐ ہیں یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں جس تخت پر بیٹھا

ہوں یہ تخت مسند رسولؐ ہے، جس منبر پر بیٹھا ہوں یہ منبر رسولؐ ہے اور میں خلیفہ رسولؐ ہوں، میں جانشین رسولؐ ہوں، جہاد کربلا کے بعد رفتہ رفتہ تمام مسلمانوں پر یہ بات واضح ہوگئی کہ ہر خلیفہ اور حاکم رسولؐ کا وارث نہیں ہوا کرتا اور کچھ ہی عرصے کے بعد اسلامی سرزمینوں کے حاکم ،شہنشاہ ، بادشاہ اور سلاطین کے القاب اختیار کرتے چلے گئے اور دین کا ظاہری لبادہ بھی اتار کر پھینک دیا۔

یہ کارنامہ تھا زہرا کے لال کا کہ ملوکیت کو الگ کر دیا حقیقی اسلام سے کہ ملوکیت الگ ہے ،اور اسلام الگ ہے، میرے نانا کی شریعت الگ ہے اور بادشاہوں کے دستور الگ ظاہر ہے اتنا بڑا کارنامہ انجام دینے کے لئے ایک بے مثال قربانی کی ضرورت تھی ۔ اور فرزند رسولؐ نے یہ قربانی دی تا کہ ملوکیت کو اصل دین سے اٹھا کے باہر پھینک دیا جائے، ملوکیت کی تاریخ کو الگ کر دیا جائے ۔

تاریخ بشریت کی اس منفرد جنگ کے لئے حکمت عملی بھی منفرد ہی اختیار کرنی تھی۔ ورنہ آج تک یہ ہو رہا ہوتا کہ جو فاسق و فاجر تخت پر بیٹھ جاتا تو سارے مسلمان کہہ رہے ہوتے کہ یہی وارث رسولؐ ہے، یہی رسول کا جانشین ہے،تو یہ کارنامہ تھا حسینؑ اور حسینؑ کی بہن زینب کا یہ کارنامہ تھا کربلا کے ان بہتر جانبازوں کا جن کی جانثاری نے اسلام کے شجر کو سرسبزی و شادابی عطا کی ۔اور یہ ایک انقلاب کے بغیر ممکن نہ تھا۔

اور ظاہر ہے کہ ایسے انقلاب کے لئے ایک بڑی جنگ لڑنی پڑے گی کہ جس کے اثرات قیامت تک مرتب ہوتے رہیں اور یہ کوئی معمولی انقلاب تو تھا نہیں کہ جو چند سال میں ختم ہو جاتا یا چند سال تک جس کے اثرات رہتے جب اتنا بڑا انقلاب لانا ہے کہ اس کے اثرات قیامت تک مرتب ہوتے رہیں تو اتنی ہی بڑی قربانی بھی دینا پڑے گی۔

ایک منفرد انقلاب ایک منفرد قربانی چاہتا ہے بس یہی ذمہ داری تھی جناب سید الشہداؑ کی انشاء اللہ آئندہ مجالس میں جتنا بھی ہو سکا واقعہ کربلا کے اس پہلو پر روشنی ڈالتا چلا جاؤں گا۔ وقت بھی ختم ہو رہا ہے اور مصائب کی منزل بھی آ گئی چند جملے مصائب کے اور آپ کی زحمتیں تمام۔

دس محرم کی ذمہ داری حسینؑ نے مرضی معبود کے مطابق ادا کی اور اس کے بعد کی جنگ کے لئے اپنی بہن زینب کبریٰ کو قافلہ سالار بنادیا کربلا کی جنگ میں سب مرد تھے جو تین دن کی بھوک اور پیاس میں لڑ کر شہید ہو گئے لیکن کوفے اور شام کی جنگ میں حال ذرا مختلف ہے یہاں زینبؑ کی سپاہ میں چند بیبیاں اور بچے ہیں ایک بیمار ہے اور ان سب کے ہاتھ رسیوں سے باندھ دیئے گئے ہیں۔

سید سجادؑ ساربان کی حیثیت سے ان اونٹوں کی رسی تھامے ہے کہ جن پر رسولؐ زادیاں سر برہنہ قیدی بنا کر بازاروں میں لائی گئیں ہیں ابوطالب کی طرح زینب بھی محسن رسالت و امامت ہے کبھی بھڑکتے ہوئے شعلوں سے امامت کو بچا کر لا رہی ہے اور کبھی دربار میں امامت کی سپر بن رہی ہے۔

عصر عاشورہ تک حسینؑ کے ساتھ علی اکبرؑ بھی تھے عباسؑ بھی تھے لیکن عصر عاشورہ کے بعد اکیلی زینبؑ، اور کتنی ذمہ داریاں، کبھی عباسؑ بن کر سکینہؑ اور دوسری بیبیوں کو ڈھارس دے رہی ہے۔

کبھی علیؑ بن کر خیموں کا پہرا دے رہی ہے، اور کبھی حسینؑ بن کر کوفیوں اور شامیوں پر بازاروں اور درباروں میں حملہ آور ہے اور نانا کے دین کی حفاظت کے فریضے کو بخوبی انجام دے رہی ہے۔

الا لعنت اللہ علی القوم الظالمین

مجلس دوم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشۡرَفِ الۡاَنۡبِیَآءِ وَالۡمُرۡسَلِیۡنَ سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا اَبِی الۡقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ الطَّیِّبِیۡنَ اَلطَّاہِرِیۡنَ الۡمَعۡصُوۡمِیۡنَ وَلَعۡنَتُ اللّٰہِ عَلٰی اَعۡدَائِھِمۡ اَجۡمَعِیۡنَ مِنَ الۡاٰنِ اِلٰی قِیَامِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ اَمَّا بَعۡدُ فَقَدۡ قَالَ اللّٰہُ تَعٰلٰی فِیۡ کِتَابِہٖ الۡمُبِیۡنِ وَھُوَ اَصۡدَقُ الۡقَائِلِیۡنَ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ وَجَعَلۡنٰھُمۡ اَئِمَّۃً یَّھۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا وَاَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡھِمۡ فِعۡلَ الۡخَیۡرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَاِیۡتَآءَ الزَّکٰوۃِ وَکَانُوۡا لَنَا عَابِدِیۡنَ ٥

(سورۂ انبیاء آیت ۷۳)

عزیزانِ محترم! کل کی تقریر میں ہم نے امامت اور ملوکیت کی اپنے تئیں کوشش کی تھی کہ تھوڑی سی تعریف آپ کے سامنے بیان ہوجائے، اور وہ اصطلاحات جو عام طور پر لوگ گفتگو کے دوران استعمال کرتے ہیں۔ انکی تشریح پیش کردی جائے اب ہم اس میں کامیاب ہوئے یا نہیں یہ الگ بات ہے۔

اب آج تاریخ شروع کریں گے ملوکیت کی، ظاہر ہے کہ تذکرۂ امامت بھی ساتھ ساتھ چلتا رہے گا، جیسے دریا کے دو کنارے، جو کبھی ملتے نہیں ہیں۔ مگر ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ تو بس اسلام میں بھی اور تاریخ بشریت میں بھی امامت اور ملوکیت کی تاریخ بالکل ایسے ہے جیسے ندی کے دو کنارے، جو کبھی ملتے نہیں ہیں۔ مگر ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ ایک اِدھر

اور ایک اُدھر لیکن کبھی مل نہیں سکتے مگر ایک کے بغیر دوسرے کا ذکر بھی ادھورا ہے۔

ظاہر ہے آپ تاریکی کو پہچان ہی نہیں سکتے جب تک کہ روشنی نہ ہو، اور روشنی کی قدر نہیں ہوسکتی جب تک اندھیرے کی مشکلات سے آگاہی نہ ہو یعنی جب تک کسی چیز کی ضد موجود نہ ہو اسے پہچانا نہیں جاسکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر جگہ یہ کلیہ کام نہیں کرتا۔

جیسا کہ مولائے کائنات علی ابن ابی طالبؑ نے فرمایا کہ دیکھو اس سے بڑا اور ظلم کیا ہوگا کہ میرا اور امیر شام کا ذکر ساتھ ساتھ کیا جانے لگا۔ تو ہم اس انداز میں ذکر یا مقابلے کی بات نہیں کررہے ہیں ہم تو بطور کلّی شناخت کی بات کررہے ہیں کہ ملوکیت کیا ہے، اور ملوکیت کی صحیح تصویر سامنے نہیں آسکتی جب تک کہ کچھ نہ کچھ امامت کی خصوصیات بیان نہ کی جائیں۔

ہم اپنے بیان میں فرد کا فرد سے موازنہ نہیں کررہے ہیں بلکہ موضوع سے بحث کررہے ہیں، بس یہی مقصد ہے جب ہم کہتے ہیں کہ نہیں پہچانا جاسکتا کسی چیز کو جب تک کہ اس کی ضد موجود نہ ہو۔ جب ضد سامنے ہوتی ہے تو ہم کسی چیز کی خوبی یا خامی کو باآسانی پہچان لیتے ہیں، جیسے کہ اگر تاریکی نہ ہو تو روشنی کا کوئی مفہوم ہی نہیں ہو۔

ہمیں روشنی کی قدر اسی وقت معلوم ہوتی ہے جب بجلی چلی جاتی ہے، جب اندھیرا ہوجاتا ہے تو احساس ہوتا ہے کہ روشنی کیا ہے تو اشیاء کو ایک دوسرے کی ضد سے شناخت کیا جاتا ہے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ امامت کی شناخت حاصل کریں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ان موضوعات اور مسائل کی بھی شناخت حاصل کریں جو امامت کے مقابلے میں لائے گئے یا امامت کی راہ میں کھڑے کئے گئے۔

عزیزان محترم! میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ امامت کا ہر مکتب قائل ہے، لیکن امامت کے انتخاب، اختیارات اور صفات میں اختلافات ہیں، کچھ حضرات بلکہ ایک بڑا طبقہ امام کے انتخاب کو انسانون کا حق سمجھتا ہے اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ انتخاب کس طرح سے عمل میں آئے، جبکہ ایک مکتبہ فکر یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ امام کو منصوص من اللہ ہونا چاہیے حتیٰ کہ رسولؐ کو بھی یہ یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ امام اپنی مرضی اور خواہش سے بنائے بلکہ اس کا

کام تو خدا کے بنائے ہوئے امام کا تعارف کرانا ہے اس کی امامت کا اعلان کرنا ہے اور بلا جھجک اور بغیر کسی خوف کے اپنے بعد اپنے وصی اور جانشین کی اطاعت کا حکم لوگوں کو پہنچانا ہے۔

آپ کے سامنے عرض کیا تھا کچھ اس کی عصمت کے بارے مین، کچھ اس کی علمی حیثیت کے بارے میں، اس کے حبل اللہ ہونے کے بارے میں، جب کہ دوسرے نظریے کے تحت امام کا منصوص من اللہ ہونا شرط نہیں ہے۔ بلکہ کچھ عقلاء مل کر بنالیں امام بن جائے گا، سب لوگ یا کچھ لوگ بیعت کرلیں، پہلا اپنے بعد والے کے لئے وصیت کرجائے، یا ایک شوریٰ بنا کر چلا جائے، یا طاقت کے زور سے بھی خلافت حاصل کرلے تو امامت ثابت ہے۔

یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اس وقت جو ہم امامت کی بات کررہے ہیں وہ امت کی ہر میدان میں مکمل رہنمائی اور رہبری ہے، وہ بھی پورے اختیارات کے ساتھ۔ اگر ہم تھوڑا سا غور کریں تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ کیونکہ ابتدائی دور میں ہر رہنما ایک الگ طریقے سے منتخب ہوا تھا اس لئے ان سب کے انتخاب کو درست ثابت کرنے کے لئے یہ تمام اصول بنائے گئے۔

پیغمبر اسلام کے پردہ فرماتے ہی حکومت کے مسائل پیدا ہوگئے تھے بلکہ پیدا کردیئے گئے تھے۔ عام مسلمان کو مغالطے میں ڈال دیا گیا تھا۔ اچانک کچھ لوگوں نے بیعت کے ذریعے رہبر کا انتخاب کرلیا، اور اسے اہل حل وعقد کے انتخاب کا نام دیا، دوسری مرتبہ وصیت کے ذریعے رہنما چن لیا گیا، تیسری مرتبہ شوریٰ بنادی گئی، صرف چوتھی مرتبہ ایسا ہوا کہ عمومی بیعت کے لئے لوگ ٹوٹ پڑے تھے، اور ایسا اسلام میں جب تک خلافت کا دور چلتا رہا پہلی اور آخری بار ہوا، اور پھر اس کے بعد تو کوئی لشکر کشی کے ذریعے، کوئی فریب کاریاں کرکے، کوئی قتل وغارتگری کرکے، جیسے بھی اقتدار تک پہنچ گیا اس کی خلافت کو صحیح قرار دے دیا گیا۔ یعنی مطلب یہ کہ جو جس طرح چاہے حکومت حاصل کرلے۔ تو اب اسے امام، خلیفہ اور رہبر تسلیم کرلیا جائے، بس یہاں سے لوگ امامت اور خلافت کے بارے میں شکوک وشبہات

میں مبتلا ہو گئے۔

گزشتہ بیان میں ہم نے عرض کیا تھا کہ ایک انتصابِ الٰہی ہوتا ہے اور ایک انتصابِ مخلوق، امامت کے انتصابِ الٰہی کے نظریے کے تحت یہ ہے کہ کوئی امام کو امام مانے یا نہ مانے بیعت کرے یا نہ کرے وہ امام ہے کیونکہ خدا کی طرف سے بنایا گیا ہے۔

یہ تو تھا گزشتہ تقریر کا خلاصہ، اب آج عزیزانِ محترم! ہم کچھ گفتگو کریں گے مزاجِ امامت اور مزاجِ ملوکیت پر، تاریخ کے ساتھ ساتھ یہ ضروری ہے کہ پہلے مزاج کو سمجھ لیا جائے۔ امامت کا اپنا ایک مزاج ہے اور ملوکیت کا اپنا ایک مزاج، ملوکیت کی اپنی ایک فطرت ہے، ایک طبیعت ہے۔ یہ کچھ افراد کی بات نہیں ہے بلکہ ایک فطرت کی بات ہے۔ کسی مخصوص خاندان کی بات نہیں ہے بلکہ تاریخ بشریت پر پھیلے ہوئے اُن اَن گنت کرداروں کا تجزیہ ہے۔ جو کبھی شداد کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں تو کبھی نمرود کی نقاب چڑھا کر، کبھی فرعون کے بھیس میں تو کبھی ابوجہل و ابولہب کی شکل میں، کبھی ابوسفیان کی مکاریوں کے لبادے میں تو کبھی یزید جیسے لعنت ابدی کے مستحق کے مظالم کی تصویر بن کر تاریخ انسانی کا بدنما داغ بن جاتے ہیں۔ آپ یہ مت سمجھئے گا کہ یہ فطرت صرف حکمرانوں کا خاصہ ہے بس فرق اتنا ہے کہ اقتدار اس فطرت کے اظہار کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔

ہوسکتا ہے کہ مزاج میں ملوکیت ہو لیکن موقع نہ ملنے کے سبب وقتی طور پر مظلوم ہو جیسے کہ آپ ہماری سیاست کی دنیا میں صبح شام دیکھا کرتے ہیں کہ جو آج مظلوم ہیں کل جب اقتدار کی مسند پر آتے ہیں تو کون سا ظلم ایسا ہے جو نہیں ڈھاتے۔ اقتدار سے باہر رہ کر شریفانہ سیاست کا پرچار کرنے والے، مفلس اور پریشان حال عوام کی خدمت اور محبت کا دم بھرنے والے لوگ، اقتدار میں آکر اپنی حکومت کو بچانے کے لئے کون کون سے نظریہ ہائے ضرورت ایجاد نہیں کرتے، آپ کے سامنے ہے۔ ملوکیت طول اقتدار چاہتی ہے، ہمارے ہاں کیسے کیسے شریف، دیندار، اور مخلص افراد اس ملک کی خدمت کا جذبہ لے کر آتے ہیں، لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد اس سسٹم کا حصہ بن جاتے ہیں۔

لیکن مزاج امامت کیا ہے، یہاں بھی ایک فطرت کام کر رہی ہے، امامت کا مزاج یہ

ہے کہ ظاہری اقتدار رہے یا جائے، انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کا فریضہ اسی انداز سے انجام پایا جانا چاہئے جیسا کہ مرضی معبود ہے۔ مزاج امامت شریعت الٰہی کا قیام ہے۔ اگر لوگ ساتھ دیتے ہیں تو ان کی بھلائی ہے اور اگر نہیں دیتے ہیں تو امام غیر شرعی راستہ اختیار نہیں کرے گا۔ ظلم و جبر کا سہارا نہیں لے گا۔ کیونکہ وہ اپنی ذات کے لئے یا اپنے خاندان کے لئے اقتدار نہیں چاہتا بلکہ وہ تو حکم خدا کو نافذ کرنا چاہتا ہے۔ اسی لئے ایک امام کا حکم ہر امام کے حکم کا مرتبہ رکھتا ہے اور یہ جو حدیث ہے کہ

اولنا محمد واو سطنا محمد و آخر نا محمد و کلنا محمد

یہ اسی مفہوم کی حامل ہے یعنی ملوکیت کے مزاج کے بالکل برعکس۔

ملوکیت کے کارندوں کا مطمح نظر ہے کہ اقتدار بچانے کے لئے ہر حربہ جائز ہے، ہر ظلم وستم روا ہے۔

دیکھئے! ہم اپنے سسٹم سے ایک مثال لیتے ہیں، ہمارے ہاں ایک کورس کرایا جاتا ہے جسے کہا جاتا ہے سی۔ ایس۔ ایس۔ یعنی افسری کا کورس۔ ویسے کہنے کو تو یہ شہری خدمات کا کورس ہوتا ہے لیکن عملی طور پر اس میں شہریوں کی خدمت ہی نہیں ہوتی، باقی سب کچھ ہوتا ہے۔ اس کورس میں شہری زندگی کا نظام چلانے اور اسے بہتر سے بہتر بنانے کے طور طریقے سکھائے جاتے ہیں۔ اس کورس میں ہر شخص کو داخلہ بھی نہیں ملتا، بلکہ اس کی بڑی سخت شرائط ہوتی ہیں، ذہین ترین افراد کا انتخاب کیا جاتا ہے پھر انہیں ٹریننگ دی جاتی ہے۔

وہاں ظاہر ہے کہ داخل ہونے والے جوان ہوتے ہیں خدمت کے جذبے سے سرشار ہوتے ہیں، دن رات یہ عہد کر رہے ہوتے ہیں کہ قوم کی خدمت کریں گے، سسٹم کو بدل ڈالیں گے، فرسودہ نظام کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں گے۔ لیکن جب وہ افسر بن کر اس سسٹم کا حصہ بنتے ہیں تو آپ دیکھ لیجئے کہ وہی کرتے ہیں جو سسٹم ان سے تقاضا کرتا ہے، ان کی سمجھ میں یہ بات آجاتی ہے کہ اگر انہیں اپنی سیٹ بچانی ہے اور آگے بڑھنا ہے تو اس سسٹم میں رہ کر اس کا حصہ بن کر کام کرنا ہوگا، ورنہ اپنے منصب سے ہاتھ دھونے ہوں گے۔

اس لئے کہ یہ اقتدار کا مزاج ہے، یہ نظام ملوکیت کی علامات میں سے ہے، اقتدار کو بچانے اور طول دینے کے لئے یہ سب دھاندلیاں، ظلم وتشدد، جبر واستبداد ضروری ہے۔

یہ طویل تمہید میں نے اسی لئے باندھی کہ اب جب میں آپ کے سامنے تاریخ کے کچھ اوراق پلٹوں تو مزاج ملوکیت اور مزاج امامت سے آگاہی آپ کو کچھ کرداروں کے سمجھنے میں مدد گار ثابت ہوگی۔ کچھ اور باتیں بھی لیکن وہ اس وقت جب بات کچھ اور آگے بڑھے گی، ابھی تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اسلام میں یہ ملوکیت کا راستہ کیسے بنا اور کب مزاج ملوکیت نے اپنے زہریلے وجود سے اسلام کے پیکر منور ودرخشاں کو داغ دار کرنا شروع کیا۔

ہجرت کا آٹھواں سال رمضان کی دسویں تاریخ، لشکر اسلام مدینے سے نکلا، مکہ کا رخ کیا، مکہ فتح کرنے کے ارادے سے، مکہ کو کفر وشرک سے پاک کرنے کے لئے، کیا مسلمان یونہی بغیر کسی وجہ کے حملہ کرنے جارہے تھے؟ تھوڑا سا اس حملے کا پس منظر بیان کردیا جائے تا کہ بچوں کے ذہن میں یہ بات مزید بیٹھ جائے کہ مسلمان محض انتقامی کاروائی کے طور پر حملہ کرنے نہیں جارہے تھے یا وہ جو مغربی مورخ الزام لگاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا تھا، ایسی بات نہیں تھی بلکہ میں پہلے بھی کئی بار عرض کرچکا ہوں کہ مسلمانوں نے اکثر جنگیں دفاعی لڑی ہیں۔ اب اگر مکہ حملہ کرنے جارہے ہیں تو اس کی بھی کوئی معقول وجہ ضرور ہوگی۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں اور کفار قریش کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس کی ایک شق یہ بھی تھی کہ عرب میں سے جو قبیلہ چاہے مسلمانوں کا حلیف بن جائے اور جو چاہے کفار کا حلیف بن جائے۔ اس شق پر بنی خزاعہ اور بنی بکر کہ جن میں برسوں سے جنگ چل رہی تھی ان میں سے ایک نے مسلمانوں کا حلیف ہونا اختیار کیا اور ایک نے کفار قریش کا۔

حدیبیہ کی مصالحت کی وجہ سے ان دونوں قبیلوں میں دس سال تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہوگیا، اس بناء پر بنی خزاعہ نے جو مسلمانوں کے حلیف تھے جنگ نہ ہونے کے معاہدے سے مطمئن ہوکر ہتھیار کھول دیئے۔ ایک سال اسی طرح گزر گیا، یہاں تک کہ پیغمبر صلی علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس معاہدے کے تحت عمرہ ادا کیا جسے گزشتہ سال معاہدے کی وجہ سے ترک کرکے حدیبیہ سے واپس چلے گئے تھے۔

قریشیوں نے بھی تین دن کے لئے مکہ خالی کردیا اس واقعہ سے بنی خزاعہ اور بھی مطمئن ہوگئے ان کی اسی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بنی بکر نے بنی خزاعہ پر حملہ کردیا۔ اس اچانک حملہ سے بنی خزاعہ بوکھلا گئے اور پناہ کے لئے حرم خدا میں داخل ہوگئے مگر بنی بکر نے وہاں بھی انہیں نقصان پہنچایا اور اس لڑائی میں کفار قریش نے بنی بکر کا بھرپور ساتھ دیا چنانچہ بنی خزاعہ اپنی فریاد لے کر مدینے پہنچے۔ کیونکہ یہ مسلمانوں کے حلیف تھے اور دوسری طرف کفار قریش نے بنی بکر کے ساتھ مل کر معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی لہٰذا اب خدا کے رسول پر اپنے حلیف سے کئے ہوئے وعدے کو ایک طرف پورا کرنا تھا دوسرے طرف قریشیوں کی عہد شکنی کی سزا بھی دینا تھی لیکن پھر بھی پہلے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریشیوں کو ان کا وعدہ یاد دلایا مگر قریشی اپنے وعدے سے مکر گئے، اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حجت تمام ہوگئی تھی اور آپ نے لشکر کی تیاری کا حکم دے دیا۔

ادھر کفار قریش کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہوں نے ابوسفیان کو معاہدے کی تجدید کے لئے بھیجا مگر اس کی یہ کوشش بھی بے سود ثابت ہوئی، اور بالآخر مسلمان دس ہزار کے لشکر کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مکہ کے قریب ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا جناب عباس ابن عبدالمطلب جو اب تک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے حکم پر مدینے میں تقیہ کی حالت میں تھے اور وہ بھی اس وجہ سے کہ وقتاً فوقتاً مسلمانوں کی خطرناک موقعوں پر مدد کرتے رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آکر مل گئے، مسلمانوں کے اس عظیم الشان لشکر نے راتوں رات مکہ کا محاصرہ کرلیا۔

ادھر مکہ میں مسلمانوں کے خوف سے رات کو پہرہ لگتا ہے اور اس رات پہرے پر خود ابوسفیان، حکیم ابن حزام اور بدیل ابن ورقہ ہیں، ایک بار ان تینوں نے دیکھا کہ مکہ کے گرد پہاڑوں پر روشنی ہی روشنی ہے، مشعلیں ہی مشعلیں نظر آرہی ہیں حیرت سے ان تینوں کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔

حکیم ابن حزام کہتا ہے شاید بنی خزاعہ آگئے۔ ابوسفیان کہتا ہے کہ ان کے پاس اتنا بڑا لشکر کہاں سے آگیا اور پھر ان کی اتنی جرأت کیسے ہوسکتی ہے کہ وہ مکہ پر اس طرح سے حملہ

کریں، یہ تو کوئی اور ہی ماجرا ہے۔ اب یہ دل میں ڈر بھی رہا ہے۔ کچھ کچھ سمجھ بھی رہا ہے لیکن دل کی بات زبان پر نہیں لاتا۔

ادھر جناب عباس ابن عبدالمطلبؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت طلب کی، ابوسفیان سے ملاقات کرنے کی اجازت ملی اور آپ لشکر اسلام سے نکل کر باہر آئے اور ابوسفیان کو آواز دی ابوسفیان نزدیک ہوا اور جناب عباسؓ سے انجان بن کر پوچھتا ہے کہ یہ کس کا لشکر ہے اور کیا چاہتا ہے۔

جناب عباس ابن عبدالمطلبؓ فرماتے ہیں۔ ''کیا واقعی اب بھی تو نہیں سمجھا کہ یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لشکر ہے کہ جس نے تمہیں محاصرے میں لے لیا ہے اور صبح کا انتظار ہے، صبح پوپھٹنے سے پہلے حملہ ہوگا اور تم سب تہہ تیغ کر دیئے جاؤ گے'' ابوسفیان اور اس کے ساتھی لرز کر رہ گئے، حضرت عباس ابن عبدالمطلبؓ سے پوچھتے ہیں کہ اس سے بچنے کا کوئی راستہ ہے؟ کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ ابن عبدالمطلبؓ فرماتے ہیں کہ صرف ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ اسلام قبول کرلو اگر اسلام لے آؤ گے تو جان بخش دی جائے گی۔

ابوسفیان کہنے لگا کہ اپنے بھتیجے سے ملاقات کرواسکتے ہو عباس ابن عبدالمطلبؓ فرماتے ہیں کہ ہاں ایسا ممکن ہوسکتا ہے، ابوسفیان کو اپنے خچر پر بٹھایا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا اب بھی تمہیں میری رسالت کا یقین نہیں آیا، کیا وہ تمام خبریں جو میں نے دی تھیں پوری نہیں ہوئیں؟ ابوسفیان کہتا ہے وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن دل نہیں مانتا میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں آپ کی رسالت کی گواہی دوں یا نہ دوں۔

یہ گفتگو سن کر حضرت عباس ابن عبدالمطلبؓ نے فرمایا کہ کیا اب بھی تیری عقل کام نہیں کررہی؟ اگر اب بھی تو اپنی جہالت پر ڈٹا رہا اور اسلام نہ لایا تو بالیقین تو قتل کردیا جائے گا۔ یہ سن کر ابوسفیان کہتا ہے کہ عباسؓ تم کہتے ہو تو ٹھیک ہی کہتے ہو گے اس طرح بااکراہ و جبر ابوسفیان اسلام قبول کرتا ہے۔

اس موقع پر جناب عباسؓ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک مشورہ دیتے ہیں کہ اے خدا کے رسول یہ ابوسفیان جاہ طلب و مقام پرست انسان ہے اگر اس موقع پر اسے کوئی امتیازی مقام دے دیا جائے تو یہ فتنہ انگیزی سے باز آ جائے گا اور خوش ہو جائے گا۔ کیونکہ ظاہر ہے وہ سردار قوم ہے اور یہ ایک نفسیاتی بات بھی ہے کہ جو اپنی قوم کا سردار ہوتا ہے وہ چاہتا ہے کہ اسے دوسروں سے ممتاز رکھا جائے۔

چنانچہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا کا مشورہ قبول کرلیا اور اعلان کرا دیا کہ جو بھی حرم خدا میں پناہ لے گا، اپنے گھر میں رہے گا یا ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا وہ امان میں رہے گا۔ یہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ احسان تھا جس نے ابوسفیان کا سر جھکا دیا اور وہ اوپری دل سے ہی سہی اسلام لے آیا۔

اس موقع پر ایک اور مختصر سا واقعہ جو مورخ طبری نے نقل کیا ہے یہاں بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جب عباس ابن عبدالمطلبؓ ابوسفیان کو لے کر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ رہے تھے تو حضرت عمر ابوسفیان کو دیکھتے ہی تلوار لے کر قتل کرنے کے لئے دوڑے، یہ دیکھ کر جناب عباسؓ نے کہا کہ میں اسے امان دے کر لا رہا ہوں۔

مگر حضرت عمرؓ بضد ہوئے کہ میں اسے ضرور قتل کروں گا یہاں تک کہ یہ بحث آگے بڑھی تو حضرت عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ تم اسے اسلام کی محبت میں نہیں بلکہ اس لئے قتل کرنا چاہتے ہو کہ یہ تمہارے قبیلے بنو عدی سے نہیں بلکہ بنو عبد مناف سے ہے، حضرت عمرؓ نے پھر بھی حملہ کیا لیکن عباسؓ بیچ میں آ گئے اسی اثناء میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آ گئے اور ابوسفیان کو امان دی اور اس کی جان بچ گئی۔

اب جب یہ اسلام لے آیا تو دیکھئے اس کا مزاج کیا ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا جناب عباس ابن عبدالمطلبؓ سے کہا کہ چچا اسے ذرا لے جایئے اور لشکر اسلام کا نظارہ کرایئے۔ جناب عباسؓ ابوسفیان کو لے کر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیمے سے باہر آئے اور اسے اپنے خچر پر بٹھا کر گھمانا شروع کیا۔ لشکر کا مشاہدہ کر کے ابوسفیان پر ہیبت طاری ہو گئی اور بے ساختہ کہنے لگا کہ اے ابن عباسؓ تمہارے بھتیجے کی بادشاہی تو بہت

بڑی ہوگئی ہے اس کی سلطنت تو بہت پھیل گئی ہے۔

جناب عباسؓ یہ سن کر بولے کہ تو اب بھی نہیں سدھرا، یہ میرے بھتیجے کی سلطنت یا بادشاہی نہیں ہے بلکہ یہ نبوت کا جاہ وحشم ہے وہ بادشاہ یا ملوک میں سے نہیں ہے وہ خدا کا نبی ہے بلکہ یہ رسالت اور نبوت ہے۔

مگر کیونکہ ابوسفیان کا مزاج ہی ملوکیت کا مزاج تھا اور وہ ہمیشہ سے ہی سرداری کا دیوانہ تھا تو اس نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فتح مکہ کو بھی اسی نظر سے دیکھا وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ اب ہماری حکومت اور سلطنت کا خاتمہ ہوگیا اور عبداللہ کے بیٹے کی حکومت کا آغاز ہوگیا ہے۔ یہاں ضمناً ایک واقعہ نقل کرتا چلوں موقع کی مناسبت سے، کہ مزاج امامت اور مزاج ملوکیت میں کتنا فرق ہوتا ہے۔ یہ واقعہ ہے پانچویں صدی ہجری کا اور اسے چھٹی صدی ہجری کے ایک معروف عالم علامہ دمیری نے اپنی کتاب حیوۃ الحیوان میں نقل کیا ہے۔

لیکن یہاں یہ یاد دہانی ضروری ہے کہ یہ ان خوابوں کی طرح کا کوئی خواب نہیں ہے جو آج کل ہمارے ہاں چل رہے ہیں بلکہ جن پر دین چل رہا ہے اور جن خوابوں کا مقصد محض اپنے ہاں مجمع اکٹھا کرنا یا سستی شہرت حاصل کرنا ہوتا ہے، جیسے کہ حال ہی میں کسی کو بشارت ہوئی ہے کہ تمام پانچ سال کے بچوں سے امام زمانہ کی نیابت میں بیعت لے لی جائے اور وہ بھی ایک خاتون کے ہاتھوں پر، جی میں تو آئی کہ میں بھی ایک ایسا ہی خواب دیکھ ڈالوں جس میں اس کے جھوٹ کی بشارت دی گئی ہو۔ جب انہیں خواب میں بشارت ہوسکتی ہے اور کسی تصدیق کی بھی ضرورت پیش نہ آئی ہو تو دوسرے کو اس کے برعکس بھی خواب آسکتا ہے۔

خواب کا مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ جو آپ نے دیکھ لیا حجت ہوگیا، آپ کا خواب میرے لئے حجت نہیں ہوسکتا، خیر یہ ایک لمبی بحث چھڑ جائے گی خلاصہ صرف یہ ہے کہ بعض خواب معتبر ضرور ہوتے ہیں مگر دوسرے کے لئے اسی وقت قابل قبول ہوتے ہیں جب ان کی ناقابل تردید ذرائع سے تصدیق ہوجائے، تو جس خواب کا میں ذکر کررہا ہوں وہ بھی انہی ناقابل تردید ذرائع سے ہم تک پہنچا ہے۔

علامہ دمیری اپنی کتاب میں ایک عالم دین ابن مجلی (صاحب مشارف الضاعہ) کا خواب بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے خواب میں مولائے متقیان علی ابن ابی طالبؑ کی زیارت کی اور ان سے کہا کہ جب آپ نے مکہ فتح کیا تھا تو ابوسفیان کے گھر کو پناہ گاہ قرار دیا تھا اور جب ابوسفیان کی اولاد برسراقتدار آئی تو اس نے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے عزیز واقارب سمیت بھوکا پیاسا ذبح کرڈالا اور کسی ایک کو بھی پناہ نہ دی۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ کیا تم نے ابن الصیفی (متوفی ۵۷۴ھ) کے اشعار نہیں سنے میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ تم اس کے ہاں جاؤ اور اس کا جواب سن لو، میں صبح کو بیدار ہوا تو سیدھا ابن الصیفی کے ہاں گیا اور اس سے اپنا خواب بیان کیا اور ان اشعار کے سنانے کی فرمائش کی جن کی طرف حضرتؑ نے خواب میں اشارہ کیا تھا۔ ابن الصیفی نے قسم کھا کر کہا کہ وہ اشعار میں نے آج ہی رات کہے ہیں اور ابھی تک کسی کو سنانے کی نوبت نہیں آئی ہے لو اب تم سنو ۔

ملكنا فكان العفو مناسجيه ۔ فما ملكتم سال بالدم ابطح

وحللتم قتل الاسارى وظالما ۔ عدونا على الاسرى فنعفو او نصفح

وحسبكم هذا التفاوت بيننا ۔ فكل اناء بالذى فيه ينضح

ہم برسراقتدار تھے تو ہمارا شیوہ عفوودرگزر تھا اور تم برسراقتدار آئے تو خون سے وادیاں چھلک اٹھیں، تم نے اسیروں کے قتل کو حلال جانا اور ہم نے اسیروں پر قابو پایا تو عفوودرگزر سے کام لیتے ہوئے انہیں معاف کردیا۔ اس سے ہمارا اور تمہارا فرق ظاہر ہے، اور ہر ظرف سے وہی ٹپکتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے۔

بس یہاں تک آپ کو یہی بتانا مقصود تھا کہ پہلے مزاج امامت اور مزاج ملوکیت کو سمجھ لیجئے کہ دونوں کا مزاج کیا ہے، مزاج امامت یہ ہے کہ اقتدار ہو یا نہ ہو مرضی الٰہی کو پیش نظر رکھنا ہے۔ دشمن پر غلبہ پاتے ہی عفوودرگزر سے کام لینا ہے۔ آگے چل کر میں آپ کے سامنے ایسے بہت سے واقعات پیش کردوں گا جہاں امامت کو موقع ملا کہ اپنے خون کے

پیا سے دشمنوں سے انتقام لیں مگر ائمہ طاہرین نے ہر موقع پر مرضی معبود کے تحت قدم اٹھایا اور اپنے دشمنوں کے ساتھ رحم و کرم کا مظاہرہ کیا۔ نہج البلاغہ میں مولائے متقیانؑ ارشاد فرماتے ہیں۔

"اذ اقدرت علی عدوك فاجعل العفو عنه شكرا للقدرة عليه" جب اپنے دشمن پر قابو پاؤ تو اس قابو پانے کا شکرانہ اسے معاف کردینے کو قرار دو۔ یہ ہے امامت کا شیوہ یہ ہے ان کا شیوہ جو احسان کرتے ہیں بغیر کسی جزاء کے لالچ کے۔

شاید اسی لئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی مرحلے میں اتنے احسانات کردیئے کہ دنیا دیکھ لے کہ میں ان کے ساتھ کیا کررہا ہوں اور یہ میری اولاد کے ساتھ کیا کریں گے۔ یہ بات بھی یاد رکھئے کہ یہی خاندان مؤلفة القلوب بھی ہے، بعض حضرات ابوسفیان اور اس کے خاندان کی بڑائی بیان کرتے ہوئے یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان کی بزرگی اور عزت کے پیش نظر ہمیشہ مال غنیمت میں اسے زیادہ حصہ دیا، اور یہ بات کرتے وقت ابوسفیان کے یہ چاہنے والے نادانستگی میں اس کی تنقیص کر بیٹھتے ہیں۔ اب آیئے ہم آپ کو تاریخی حوالوں سے بتاتے ہیں کہ مال غنیمت میں سے انہیں زیادہ حصہ کیوں ملتا تھا۔

فتح مکہ کے بعد حنین کا معرکہ پیش آیا، ہوا یہ تھا کہ فتح مکہ کے بعد تمام قبائل عرب اسلام لے آئے تھے مگر بنی ہوازن اور بنی ثقیف نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ مسلمانوں سے جنگ کی تیاری شروع کردی اور ایک بڑا لشکر تیار کرلیا۔ پیغمبر کو جونہی یہ خبر ملی آپ بھی پوری تیاری سے مقابلے کے لئے نکلے۔ وادیٔ حنین میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا، ابتداء میں مسلمانوں کے پیر اکھڑ گئے لیکن بعد میں سنبھل گئے اور فتح مند ہوئے۔ اس جنگ کے دوران ایک موقع پر سارا لشکر اسلام منتشر ہوگیا تھا، اور ایک روایت کے مطابق صرف چار آدمی اور دوسری روایت کے مطابق صرف دس افراد میدان جنگ میں ڈٹے رہے باقی سب نے راہ فرار اختیار کی۔

میدان میں باقی رہ جانے والوں میں حضرت علی ابن ابی طالبؑ، عباس ابن

عبدالمطلبؓ، فضل ابن عباسؓ، عبداللہ ابن زبیرؓ، عتبہ اور معتبؓ پسران ابولہب، ایمنؓ ابن عبید ربیعہؓ ابن حارث اور ابوسفیانؓ ابن حارث تھے۔ خیر جنگ کا نقشہ پلٹا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور کثیر مقدار میں مال غنیمت ہاتھ آیا۔

بنی ثقیف کے بچے کھچے افراد اپنے سردار مالک ابن عوف نصری کے ساتھ حنین سے فرار ہوئے اور طائف میں جا کر پناہ گزین ہوئے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگے بڑھ کر طائف کا محاصرہ کرلیا اور یہ محاصرہ تقریباً ایک ماہ تک جاری رہا، اس عرصے میں طائف کے لوگ بھی اسلام لے آئے۔

مسلمان جب طائف کا محاصرہ اٹھا کر واپس جا رہے تھے تو وادی جعرانہ میں مسلمانوں نے مال غنیمت کی تقسیم پر اصرار کیا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی۔ مال جب تقسیم ہونا شروع ہوا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تالیف قلوب کی خاطر نئے اسلام لانے والوں کو سو، سو اونٹ دیئے ابوسفیان اور اس کے بیٹے یزید کو بھی سو اونٹ دیئے۔

اکثر مکہ والوں کو زیادہ مال ملا اور مدینے کے انصار کو صرف چار چار اونٹ ملے، جس پر انصار کافی دل برداشتہ ہوئے اور شکوہ کیا کہ جب مکہ والوں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگیں کیں اور دشمنی کی تو ہم نے ان کا ساتھ دیا لیکن آج مال غنیمت کی تقسیم کے وقت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوم اور قبیلے کا خاص خیال کرتے ہوئے انہیں مال غنیمت سے زیادہ حصہ دیا اور ہمیں کم دیا۔

جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کانوں میں انصار کا یہ شکوہ پہنچا تو آپ نے انہیں جمع کر کے ارشاد فرمایا کہ اگر مکہ کے تازہ ایمان لانے والوں کو مال غنیمت میں سے زیادہ حصہ دیا گیا ہے تو اس لئے نہیں کہ انہیں تم پر کوئی فوقیت حاصل ہے بلکہ ایسا اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ بددل ہو کر اسلام سے برگشتہ نہ ہو جائیں۔

اے گروہ انصار کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ ان کے ہمراہ اونٹ اور بکریاں ہوں اور تمہارے ہمراہ اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہو۔ یہ سننا تھا کہ انصار کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم اس تقسیم پر دل و

جان سے راضی ہیں کہ ان کے حصے میں مال دنیا ہو اور ہمارے حصے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔ خدا کے رسول ہم دنیا کی ہر شے سے آپ کو زیادہ عزیز سمجھتے ہیں یہ جو ہمیں ملا یہ بھی ان کو دے دیں لیکن ہم آپ کو نہیں کھونا چاہتے آپ ہمارے ساتھ رہئے۔

جب یہ سنا کہ رسولؐ ہمارے ساتھ مدینے جائیں گے تو اور خوش ہو گئے دراصل یہ مدینے کے لوگ دوسروں کے بھڑکانے میں آ کر کچھ دیر کے لئے بھٹک گئے تھے لیکن اصل بات سمجھتے ہی فوراً راہ راست پر آ گئے۔ دوسری طرف ہیں مؤلفۃالقلوب جن کو زیادہ مال دیا جاتا تھا تاکہ ان کے دل اسلام کی طرف مائل کئے جائیں ابوسفیان اور اس کے ساتھ ہی اس کے باقی بیٹے بھی اسی زمانے میں اسلام لائے تھے۔

اب دیکھئے تاریخ الخلفاء جلال الدین سیوطی کی معروف کتاب کا اردو ترجمہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں اور اصل متن بھی پیش کر دیتا ہوں ایک ہی کتاب جو کہ ہماری نہیں لکھی ہوئی جب کہ اس کے متن اور ترجمہ میں زمین آسمان کا فرق کیا جا سکتا ہے۔ سرکار متن کچھ ہے ترجمہ کچھ اور کر دیا تو ذرا سوچئے تاریخ میں اور کیا کچھ نہیں کیا گیا ہوگا اردو ترجمہ یہ کیا گیا ہے اس پیراگراف کا۔ تاریخ الخلفاء کا اردو ایڈیشن اس کا صفحہ نمبر 195 جہاں ابوسفیان کا تعارف ہے وہاں یہ لکھا ہے کہ

"یہ اسلام لائے تو روز فتح مکہ اور جنگ حنین میں شرکت کی اور داد شجاعت دی شجاعت کے جوہر دکھائے اور اول اول شروع میں تھے "مؤلفۃ القلوب" یعنی بعد میں پکے مومن ہوئے اس کا تو یہ ہی مطلب نکلا ناں! ترجمہ ہے، اس سے کیا سمجھے گا انسان یہی کہ ٹھیک ہے اسلام تو دیر سے لائے مگر بعد میں پکے مومن ہو گئے اور حنین میں داد شجاعت دی۔ شجاعت کے جوہر بھی دکھائے یہ ترجمہ ہے اب اصل متن جس کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے۔

اسلم ھو و ابوہ یوم فتح مکۃ و شَہِدَ حنینا و کان من المولفۃ قلوبھم

(تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۳۵ عربی) اس کا ترجمہ اب میں آپ کو کر دوں لفظی، لفظ بہ لفظ ترجمہ کہ "یہ اور اس کا باپ اسلام لائے (ایمان کا تو ذکر ہی نہیں ہے۔) روز فتح مکہ یہ دونوں اسلام

لائے اور حنین کے دن حاضر تھے بس نہ شجاعت کا ذکر ہے نہ لڑنے کا ذکر ہے نہ شجاعت کے جوہر دکھانے کا ذکر ہے، حنین کے دن حاضر تھے اور یہ مؤ لفۃ القلوب میں سے ہیں۔'' نہ کہیں یہ ذکر ہے کہ پہلے مؤلفۃ القلوب تھے بعد میں مومن ہو گئے اور نہ کہیں یہ ذکر ہے کہ شجاعت کے جوہر دکھائے لیکن ترجمہ کرنے والے اتنے کینہ پرور کہ جانتے ہیں کہ یہاں کون عربی متن پڑھ رہا ہے اس کا لہٰذا ترجمہ کرنے میں اپنے کرتب دکھادیئے۔

تو حضور جب آج سب کچھ ہو رہا ہے۔ اس زمانے میں جب میڈیا اتنا تیز ہے کہ ہر چیز کی فوراً نقل پہنچ جاتی ہے۔ اس دور میں جب اتنی دھاندلیاں ہو رہی ہیں تو آپ سوچیں چودہ سو سال میں کیا کیا ظلم تاریخ پر نہیں ہوئے ہوں گے؟ یہ میں نے آپ کو اس لئے بتایا کہ دونوں متن میرے پاس اتفاق سے موجود ہیں۔ اصل کتاب عربی کی بھی موجود ہے اور اردو کی بھی موجود ہے۔ دونوں موجود ہیں لیکن عربی کا مطلب کچھ اور ہے اور ترجمہ کرتے وقت اس میں تبدیلیاں کردی گئی ہیں۔

یہ ساری گڑبڑ اور ساری کمی بیشی اور تحریفات اس لئے کرنے کی جرأت ہوئی کہ پڑھنے والا کون سا عربی متن دیکھ رہا ہے۔ مگر نہیں ایسا تھوڑی ہے۔ سارے نابینا تھوڑی ہیں۔ دوسری طرف بھی کچھ ایسے ہیں جو پڑھ کر ہزاروں کو سنا دیتے ہیں جہاں اپنے اقتدار اور اختیارات سے فائدہ اٹھا کر تحریفات کا بازار گرم کیا۔ وہاں ہمیں بھی قدرت نے ایک میڈیا دیا ہے۔ اہل بیتؑ نے ایک میڈیا دیا ہے اور وہ میڈیا محرّم وصفر ہے۔ وہ میڈیا مجالس عزا ہیں شرط یہ ہے کہ ان کا صحیح استعمال کیا جائے مجالس کا انداز وہی ہوجائے جو تیس چالیس سال قبل کا علمی انداز تھا۔ تاریخی انداز تھا۔

عزیزان محترم! آپ کو تبدیل ہونا پڑے گا ورنہ آنے والی نسلوں کی جو علمی حالت ہوگی اس کا تصور بھی بھیانک ہے۔

عزیز دوستو! اگر زندہ رہنا ہے اور عزت کے ساتھ، سربلندی کے ساتھ تو علم سے دوستی کرنا پڑے گی، کتابوں سے دوستی کرنا پڑے گی۔ اس عزاداری کو مرضی حسینؑ کے سانچے میں ڈھالنا ہوگا، اپنی مرضی کے مطابق نہیں۔ خیر یہ تو تھا جملہ معترضہ اب بات آگے بڑھاتے

ہیں۔ بنو امیہ کے سردار ابوسفیان کے اسلام لانے کا حادثہ آپ نے سن لیا۔ اب یہ کہ ان کا پہلے شام اور پھر سارے عالم اسلام پر قبضہ کیونکر ہوا۔

خلیفہ اول نے شام کی فتح کے لئے لشکر ترتیب دیا اور سردار مقرر کئے۔ عمرو بن عاص، شرجیل ابن حسنہ، ابوعبیدہ جراح اور یزید ابن ابی سفیان۔ آپ کو یہ سن کو حیرت ہوگی کہ بعض افراد قسطنطنیہ کی گڑھی ہوئی حدیث کے ساتھ ساتھ فتح دمشق کا سہرا بھی یزید ابن معاویہ کے سر باندھتے ہیں۔ ان بے چاروں کو یہی نہیں معلوم کہ یہ یزید دوسرا یزید تھا۔ یعنی دمشق بھیجا جانے والا یزید معاویہ کا بھائی اور یزید کا چچا تھا۔

یعنی ایک یزید امیر شام کا بھائی تھا اور دوسرا یزید امیر شام کا بیٹا تھا، یہ یزید ابن ابوسفیان ہے کہ جسے شام کے لشکر کے ساتھ بھیجا گیا۔ میں نے بعض مساجد سے تقریروں میں سنا جمعہ کے خطبات میں سنا، کہ صاحب یہ شیعہ فاتح دمشق کو لعنت بھیجتے ہیں ارے بھائی وہ یزید ابوسفیان کا بیٹا یزید ہے اور یہ لعنتی ہے یزید جو وہ معاویہ کا بیٹا یزید ہے جس کو لعنتیں بھیجتے ہیں یہ اور بات ہے کہ یہ سب کے سب بدکرداری اور بے دینی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ لیکن بہر حال یہ دونوں الگ الگ ہیں وہ فاتح دمشق یزید اور تھا، اور یہ قاتلِ حسینؑ، یزید اور ہے۔

تو اب برادران کے علم کا یہ عالم ہے کہ جنہیں یہ معلوم نہ ہوا کہ یزید دو بھی ہو سکتے ہیں وہ بے چارے یہی سمجھتے ہیں ایک ہی یزید تھا جس نے یہ سارے کارنامے انجام دیئے۔ پتہ نہیں کتنی عمر تھی اس کی کہ اپنے باپ سے پہلے پیدا ہو گیا تھا اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔

چھوڑئے بات آگے بڑھاتے ہیں تو یہ چار سردار شام پر لشکر کشی کے لئے تیار ہوئے۔

معاہدہ یہ ہوا کہ جب یہ شام فتح ہو جائے گا تو حمص کی سربراہی حمص کی گورنری ملے گی ابوعبیدہ جراح کو۔ اردن کی سربراہی ملے گی شرجیل ابن حسنہ کو۔ فلسطین کی گورنری ملے گی عمرو بن العاص کو۔ دمشق کا سربراہ بنایا جائے گا یزید ابن ابوسفیان کو۔ پھر جنگ ہوگئی طولانی دوسرا دور آ گیا چودہ ہجری میں جنگ فتح ہوئی اور شام چاروں کو تقسیم کر دیا گیا۔

یزید ابن ابی سفیان دمشق کا مالک بنا اور ۱۸ ہجری میں طاعون کے مرض میں مر گیا۔

ں کے بعد اس کا چھوٹا بھائی معاویہ ابن ابی سفیان ۱۸ ہجری میں شام کے تخت پر بیٹھا اب ۱۸ ہجری سے لے کر ۶۰ ہجری، ۴۲ سال جس کی حکومت ہو، جس کا اقتدار ہو اس کے اثر و نفوذ کا کیا عالم ہوگا؟ نہ ریڈیو، نہ ٹی وی، نہ اخبار۔ جیسے لوگوں کو اسلام بتایا گیا لوگ ویسا اسلام سمجھتے گئے یعنی سفیانی اسلام۔

۱۸ ہجری میں وہ تخت پر بیٹھا۔ ۲۳ ہجری میں تیسرا دور شروع ہوا تو باقی علاقے بھی دوسروں سے لے کر معاویہ کو دے دیئے گئے۔ شام اس وقت اردن، فلسطین اور حمص پر مشتمل تھا جس کو آپ حماس کہتے ہیں حمس کا علاقہ بھی تمام شام میں شامل تھا اس زمانے میں بحرین اور جبل عامل ملا کے شام بنتا تھا یہ سارا کا سارا بلا شرکت غیرے ۲۳ ہجری میں معاویہ کو دے دیا گیا اب ہم کہیں تو بری بات ہے۔

لیکن آپ دیکھئے مولانا مودودی کی کتاب خلافت و ملوکیت پر ہمیں بہت سے اختلافات اور اعتراضات ہیں۔ ایک نہیں بیسیوں اعتراضات ہیں، اور ہمیں ہی نہیں دوسروں کو بھی اعتراضات ہیں لیکن مولانا مودودی نے علی الاعلان اور دوسرے مورخین نے ڈھکے چھپے الفاظ میں اس بات کو قبول کیا ہے کہ ملوکیت کا آغاز کب ہوا۔

اس زمانے میں کہ جب اقربا پروری اور بیت المال میں خیانت شروع کی گئی۔ راستہ یہاں سے کھلا، کیوں کہ طرز خلافت پر ضرب لگائی گئی اگرچہ بہت پہلے لگ چکی تھی۔ اس وقت جب شام اس کو دیا گیا تھا، لیکن خیر مولانا مودودی اور ان کے ہم خیال دوسرے محققین کے مطابق اگر تسلیم کر لیا جائے تو وہ تیسرے دور کو ملوکیت کی بنیادیں ڈالنے والا دور قرار دیتے ہیں۔

امیر شام نے سب سے پہلے جو کام کیا، وہ یہ تھا کہ قصر شہنشاہی تعمیر کیا۔ جو میں نے کہا کہ ملوکیت کا مزاج، مزاج میں ملوکیت ہے مزاج میں شہنشاہی ہے تو جیسے ہی اقتدار ملا وہ مزاج پلٹ کر واپس آ گیا، شہنشاہی کے آثار نمودار ہونا شروع ہوئے۔ قصر ہونا چاہیے۔ ہمارے لئے محل ہونا چاہیے۔ یہ تمام چیزیں شروع ہوئیں، تو مولانا مودودی لکھتے ہیں خلافت و ملوکیت کے مصنف کہ اس طرح یہ ہوا کہ طرز خلافت پر ضرب لگی جب معاویہ شام پر آ کے

بیٹھا۔ ہم کہتے ہیں کہ نہیں، یہ اس وجہ سے نہیں ہوا، بلکہ اس لئے ہوا کہ

''خشت اول چوں نہد معمار کج''

''تا ثریا می رود دیوار کج''

یعنی اگر معمار پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھے گا، تو ثریا تک دیوار ٹیڑھی جائے گی۔ مسئلہ یہ نہیں کہ خلافت کو ضرب لگی اور ملوکیت آئی بلکہ پہلے ہی مرحلے میں کیونکہ امامت کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کی گئی اس لئے ساری خرابیاں پیدا ہو گئیں۔

پہلا پتھر غلط رکھ دیا گیا تھا۔ امامت کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کی گئی۔ امامت کو اس کا منصب نہ دیا گیا۔ ظاہری منصب امامت کے جو اختیارات تھے وہ سب اس کو نہ دیئے گئے نتیجہ یہ نکلا کہ خلافت جو بالکل ایک فطری چیز تھی، لیکن غیر فطری بنیادوں پر اُس کی عمارت تعمیر کی گئی تھی، کچھ ہی عرصے کے بعد انحراف کے راستے پر چل پڑی۔ تو جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اسی لئے اب ہر حکمران کے لئے ایک نئی تاویل کرنا پڑی۔

اِس حکمران کو بھی صحیح ثابت کرنا ہے، اُس حکمران کو بھی صحیح ثابت کرنا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ جب سب ہی غلط ہے تو صحیح کیسے ہو جائے؟ سب کچھ غلط ہے۔ پہلی اینٹ کیونکہ ٹیڑھی رکھی گئی امامت کو ضرب لگانے کے لئے کھیل کھیلا گیا تھا، تو نتیجہ یہ نکلا کہ جیسے ہی اس کھیل کے بانی میدان سے ہٹے بازی ان کے ہاتھ سے نکل گئی، اور اسلامی دنیا بدترین حکمرانوں کے ماتحت چلی گئی کہ جن کے کردار کو دیکھ کر مغربی متعصب مؤرخین اور مفکرین نے اسلام پر دل کھول کر تحریروں کے حملے کئے۔

اگر ابتداء ہی میں مسلمان امامت کا ساتھ دیتے، امامت کے پرچم تلے آجاتے، تو اسلام میں بھی کوئی رخنہ نہ پڑتا۔ اس ملوکیت نے اسلام پر جو ظلم وستم ڈھائے ہیں، انہیں بیان کرنے کے لئے نہ تو بیان کی قوت پاتا ہوں اور نہ ہی الفاظ لاسکتا ہوں۔

بہت احتیاط کرنے کے باوجود بھی میری زبان سے اگر کچھ خلاف مزاج الفاظ نکل جائیں تو میں معذرت چاہتا ہوں۔ مقصد کسی کی دل آزاری نہیں ہے۔ مقصد دو نظاموں کو پیش کرنا ہے، دو فکروں کو پیش کرنا ہے دنیا کے سامنے۔ خدا نہ کرے کوئی ایسی بحث میں نہیں

کرنا چاہتا کہ جس سے لوگوں کے ذہن میں یہ بات پیدا ہو جائے کہ میں مناظرہ کر رہا ہوں میں کسی کی برائی نہیں کر رہا بلکہ تاریخ کے صفحات پلٹ رہا ہوں ہمیں بری زبان استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ جنگ صفین میں ایک موقع پر علیؑ کے لشکر کے کچھ سپاہیوں نے امیر شام اور اس کے حامیوں کو برا بھلا کہنا شروع کیا تو مولاؑ ناراض ہوئے ان سپاہیوں کو بلایا اور کہا کہ یہ میں نے کیا سنا کہ تم بھی انہی کی زبان میں بات کرتے ہو، مجھے پسند نہیں کہ وہ جیسی زبان استعمال کرتے ہیں ویسی ہی زبان میں تم بھی جواب دو۔

بلکہ تمہارا امام تمہیں اس حالت میں نہیں دیکھنا چاہتا اور تمہاری زبان سے ایسی جاہلوں والی گفتگو نہیں سننا چاہتا۔ امام تو یہ کہہ رہا ہے۔ امام نے ایک جملہ اور کہا کہ تم منطق اور دلیل کے ذریعے حجت قائم کرو، اپنی دلیل پیش کرو۔ تم ان سے دلیل سے بات کرو لیکن مجھے یہ گوارا نہیں کہ وہ فحش زبان استعمال کریں اور اس کے جواب میں تم بھی وہی زبان استعمال کرو۔

تو عزیزان محترم! یہ ذہن میں رکھئے کہ ان باتوں سے وقتی طور پر تو خوش ہوا جا سکتا ہے، ہم وقتی طور پر تو مطمئن ہو سکتے ہیں، وقتی طور پر تو ہمارا نفس خوش ہو جائے گا۔ لیکن آپ حساب تو کیجئے کہ کتنے لوگ اس سے حق کی طرف آ گئے کتنے لوگوں نے حق کو سمجھ لیا۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا اور کہیں نہیں ہوتا کہ ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے سے بات سمجھ میں آ جائے۔ بات وہی دل و دماغ پر اثر کرتی ہے جو عقلی دلیل کے ساتھ کی جائے۔ وہی بات سمجھ میں آتی ہے جو منطقی ہو اور اگر پھر بھی نہیں آئی تو لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ تمہارا دین تمہارے ساتھ ہمارا دین ہمارے ساتھ۔ دنگے فساد کی کیا ضرورت ہے۔ گھیراؤ جلاؤ کی کیا ضرورت ہے۔ مقصد تو یہ ہے کہ کچھ تاریخ پڑھ لی جائے۔

میری مجالس کا مشکل ترین مرحلہ آج تو میں نکال گیا کل سے ان شاء اللہ ان ہستیوں کا شاید ذکر بھی نہ آئے یا بہت کم آ جائے اشاروں میں نکلتے چلے جائیں گے یہاں تھوڑا بہت احتیاط کا دامن ہمیں تھامنا پڑتا ہے دل اب بھی میرا مطمئن نہیں ہوا۔

بہت سارے واقعات ایسے تھے جو آپ کے سامنے پیش نہیں کئے جا سکے انہیں آپ

خود سمجھ لیجئے کہ کس طرح سے ظلم ہوا کس طرح سے حقوق پر ڈاکے ڈالے گئے۔ کس طرح سے حقوق کو غصب کیا گیا۔ حتیٰ کہ یہاں تک کوشش کی گئی کہ جب دمشق میں معاویہ کو گورنر بنایا گیا تو خطوط کے ذریعے اس کی حوصلہ افزائی کی گئی لوگوں کو بھیجا جاتا تھا کہ جاؤ اور شام میں معاویہ کے ہاتھ مضبوط کرو۔ یعنی بنی ہاشم کے جتنے مخالف تھے باقاعدہ ان کو شام بھیجا جاتا تھا کہ اب تم مورچہ مضبوط کرو کیوں کہ نظر تو آرہا تھا کہ آج نہیں تو کل اقتدار حق کو پہنچے گا۔

تاریخ میں لوگوں کی وصیتیں موجود ہیں۔ بعض افراد کے نام کہ شام جاؤ اور مورچہ مضبوط کرو۔ امیر شام کے ہاتھ مضبوط کرو۔ سب اس کے جھنڈے تلے ہوتے چلے جاؤ کیوں؟ اس لئے کہ حق دار کو کبھی اگر حق ملے بھی تو فوراً وہ گروہ، جو مضبوط ہو چکا ہو، بغاوت کر دے، یہ عداوتیں پلتی رہیں، بس اس ایک اشارے میں، میں نے تاریخ کا پورا ایک باب آپ کے سامنے رکھ دیا ہے، زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کا نتیجہ کیا ہوا، نتیجہ یہ ہوا کہ ظاہری طور پر امامؑ کو اقتدار ملا بھی، تو آدھی مملکت امیر شام کے قبضے میں ہے کہ جس کو ہر دور میں مضبوط کیا گیا تھا، اتنے برسوں میں، یعنی ۱۴ ہجری سے ۳۵ ہجری تک، کتنے سال ہوئے، ۲۰ سال، ۲۱ سال، ۲۰، ۲۱ سال میں کتنی جڑیں مضبوط ہوئیں اقتدار کی، ملوکیت کی، یہی وجہ ہے کہ مرکز اسلام میں تو خلفاء قتل کئے جارہے ہیں لیکن شام میں کوئی امیر شام کو ہلا بھی نہیں سکتا۔

کیونکہ شامیوں نے سکے کا صرف ایک ہی رخ دیکھا تھا، وہ اسی کو اسلام سمجھتے تھے جو امیر شام اور اس کے حواریوں نے انہیں دکھایا تھا۔ اس لئے کہ وہ سب امیر شام کے مطیع اور فرمانبردار تھے۔ جب کہ مدینے میں کہ جو اصحاب کا مرکز ہے، وہاں خانہ جنگی کی کیفیت ہے وہاں تو ہر حکمران قتل ہی کیا جارہا ہے، مرکز اسلام میں یہ حالت ہے، کہ جنہیں خلفائے راشدین کہا گیا ان میں سے بھی تینوں بلکہ ہمارے حساب سے تو چاروں ہی کو قتل کر دیا گیا۔ لیکن امیر شام کو کوئی خوف نہیں ہے۔

مدینے میں تو یہ کیفیت ہے خانہ جنگی کی کہ محاصرہ ہو جاتا ہے حکمران کا دانہ پانی بند کر دیا جاتا ہے، حقہ پانی بند کر دیا جاتا ہے لیکن شام میں اسی حکمران کا نامزد کردہ گورنر اتنا

مضبوط کہ اس کا تخت کوئی ہلا نہیں سکا ۲۰، ۲۱ سال میں۔ تو جب امام ظاہری اقتدار میں آیا تو نتیجے کے طور پر ملوکیت اور امامت ٹکرائی، ظاہری طور پر ملوکیت اور امامت کا ٹکراؤ ہوا ملوکیت اپنی تمام مکاریوں کو لے کر آ گئی میدان میں جب کہ مزاج امامت میں بتا چکا بار بار اس کی تکرار کرتا ہوں آپ کے سامنے، مزاج امامت کیا ہے کہ لوگوں نے جب چاہا کہ امام کو یہ راستہ دکھائیں کہ مولا نہیں اس طرح سے نہیں چلے گی گاڑی جیسے یہ حرکتیں کر رہا ہے جیسے یہ چالیں چل رہا ہے ایسے ہی آپ بھی جواب دیں۔

لیکن امامت کا مزاج یہ نہیں ہے امام تو ہر ایک کو یہ ہی جواب دیتے ہیں ''خدا کی قسم میرا رب مجھے اس حالت میں نہ دیکھے کہ میں گمراہوں کو دست و بازو بناؤں کیا تم مجھے اس بات کی طرف بلاتے ہو کہ میں کامیابی کی منزل تک ظلم و جور کی مدد سے پہنچوں۔''

تو مزاج امامت یہ نہیں ہے کہ جو چالیں معاویہ چل رہا ہے وہ چالیں امام بھی چلے۔ ہاں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ امامت کو شکست ہوگئی یا امامؑ کی حکومت ختم ہوگئی۔ نہیں یہ کبھی گمان بھی مت کیجئے گا یا اس کا مطلب یہ نہیں کہ ملوکیت کامیاب ہوگئی۔ نہیں یہ بھی نہیں ہے۔ یاد رکھئے گا نہ امامت کو شکست ہوئی، نہ امامؑ کے اقتدار کو کوئی ٹھیس پہنچی اور نہ ہی ملوکیت کی کوئی سیاست کامیاب ہوئی۔ ملوکیت کامیاب نہیں ہوئی، ملوکیت کے نمائندے آج بھی ناکام ہیں، اور قیامت تک ناکام رہیں گے۔

میں نے آج اپنے مجلس کے بیان کو ختم کردیا یاد رکھئے! ملوکیت میں حاکم بدلا، نظام بدلا، ملک بدلا، قانون بدلا، اِدھر حاکم بدلا اُدھر حکم بدلا، اِدھر حاکم بدلا دستور بدل گیا نیا حاکم آتے ہی پرانے حاکم کا حکم منسوخ ہوگیا پرانا لعنت کا مستحق ہوگیا۔

اس کے سیاہ کارنامے اپنے نہیں لکھیں گے تو دوسرے لکھیں گے اپنے درباری مُلّا نہیں لکھیں گے تو دوسرا مورخ تو لکھ دے گا کہ اس نے کیا کیا۔ شراب پی کے نمازیں پڑھائیں۔ اس نے بدھ کو جمعہ پڑھا دیا۔ اس نے دو رکعت کی جگہ نشے کی حالت میں چار پڑھا دیں جب لوگوں نے کہا کہ سرکار چار پڑھا دی ہیں تو پلٹ کر کہتا ہے کہ اور پڑھا دوں؟ تو ایسا ہوا نا! اور تاریخ میں آ بھی گیا تو یہ ان کا کردار آیا نا! سامنے ادھر حکومت ختم ہوئی ادھر کارناموں کا دفتر

کھل گیا۔ جب کہ امامت کی سیاست قیامت تک کے لئے کامیاب۔

تمہارا اقتدار دس سال، بیس سال، تیس سال، چالیس سال، پچاس سال میں ختم ادھر تمہارا حکم بھی ختم ہوا اور تمہارے بعد آنے والوں نے تمہاری لاشیں قبروں سے نکالیں، ان کو پھانسیاں دیں، تمہارے ڈھانچوں کو قبروں سے نکال کر انہیں جلایا۔

جناب یہ تاریخ ہے میں کوئی اپنی طرف سے نہیں پڑھ رہا ہوں بنوعباسؓ کا دور آیا بنو امیہ کے ڈھانچوں کو بھی قبروں سے نکال کر پھونک دیا لیکن یہی تاریخ لکھنے اور پڑھنے والے مسلمان کا کہنا ہے کہ ''یہ بھی صحیح ہے، وہ بھی صحیح ہے۔''

تاریخ کی ستم ظریفی تو آپ دیکھئے کہ کس طرح گمراہ کیا ہے مسلمانوں کو کہ جنہوں نے لاشوں کو نکال کر جلا دیا پھونک دیا وہ بھی صحیح ہیں اور جن کے لاشے جلائے گئے وہ بھی صحیح ہیں۔ جو حاکم بن گیا سر پر بیٹھ گیا مسلط ہو گیا صحیح ہے جب کہ امامت کا مزاج یہ نہیں ہے۔ یہ ہوا تاریخ میں حال ان ملوکیت کے نمائندوں کا۔

امامت کی سیاست کیا تھی کہ ہمیں اقتدار ملے یا نہ ملے قیامت تک ہمارا حکم چلتا رہے گا۔ قیامت تک ہمارے احکام میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ قیامت تک ہماری شریعت میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ قیامت تک جو بھی ہمارا وارث بنے گا وہ خدا کی طرف سے ہوگا، پہلے اس کی تصدیق کی جائے گی۔ جن لوگوں نے جھوٹی امامت کا دعویٰ کیا ہے ان کو کاذب قرار دے دیا گیا کذاب قرار دے دیا گیا۔

جب تک امام تائید نہ کر دے، پچھلے امام کی تائید نہ ہو جائے، امام نہیں بنے گا۔ یعنی وہی انبیاء والا طریقہ۔ لیکن ملوکیت کا قاعدہ کیا ہے۔ جب تک پہلے والے کو باطل قرار نہ دے دیا جائے اپنے اقتدار کو مضبوط نہیں کر سکتا اور رسالت اور امامت کا قاعدہ کیا ہے جب تک پہلے والے کی تصدیق نہ کر دو امامت ثابت نہیں ہوتی قرآن میں جتنے نبی گزرے ہیں ان سب کی تصدیق کرو جب تک پہلے کی تصدیق نہیں ہوگی نہ اسلام، نہ ایمان کچھ مکمل نہیں ہوگا تو فتحیاب کون ہے؟ امامت یا ملوکیت؟

یقیناً امامت کامیاب ہے۔ امامت دلوں پر حکومت کر رہی ہے۔ امامت ذہنوں پر

حکومت کر رہی ہے۔ امامت کا اقتدار نہ سرحدوں کا پابند ہے۔ نہ جغرافیہ کا پابند ہے۔ نہ ملکوں کا پابند ہے۔ نہ زبان کا پابند ہے۔ کسی چیز کا پابند نہیں ہے۔ جب کہ ملوکیت کے لئے ضروری ہے کہ جغرافیائی سرحد ہو زمین ہو ایک ملک ہو جس پر ہماری ملوکیت قائم ہو، جس پر ہماری سلطنت قائم ہو۔ امامت ان چیزوں کی محتاج نہیں ہے۔

ایک سرزمین نہیں ہزار زمینیں ہوں، ملک ہو یا نہ ہو، دنیا کے کسی خطے کا باشندہ ہو، کسی قبیلے کا فرد ہو، کسی بھی قوم سے ہو یا کسی بھی سرزمین سے ہو امامؑ کی اطاعت اس پر واجب ہے وہ امام کی حکومت میں آ گیا۔

اب دنیا میں کہیں بھی چلا جائے، امامؑ اس کے دل و دماغ پر حکومت کر رہا ہے۔ تو کس کا اقتدار وسیع ہوا؟ کس کا اقتدار بڑا ہوا؟ کس کی سیاست کامیاب ملوکیت کے مقابلے میں اس کا کہ جس کا اقتدار سرحدوں کا پابند نہیں۔ دنیا کے کسی حصے میں بھی اس کی رعایا رہ رہی ہو، اسی کے احکام کی پابندی کر رہی ہوگی، جہاں بھی رہیں گے، اپنے امام کے مطیع و فرمانبردار بن کے رہیں گے، ملوک کے نہیں اپنے امام کے فرمانبردار بن کے رہیں گے۔

بس اماموں نے یہی چاہا ہے لاؤ لشکر نہیں چاہئے زمین نہیں چاہئے اگرچہ حق امام کا ہے یاد رکھئے گا امام کا حق ہے۔ حکومت، لیکن ظاہری طور پر اگر حالات ایسے نہیں ہیں تو باطل راستوں کو اختیار کرنا نہیں چاہئے۔ ہمارے ماننے والے ۷۲ ہی کیوں نہ ہوں ہمارا اقتدار ان پر قائم رہے گا ہماری حکومت ان پر قائم رہے گی۔

عزاداران حسینؑ! کربلا میں جب امامت سے ملوکیت ٹکرائی تو امام مظلوم نے صرف بہتر (۷۲) کے مختصر سے لشکر کے ساتھ ملوکیت کے بت کو پاش پاش کر دیا۔ وہ بہتر (۷۲) کیسے تھے کہ جن کے سامنے ہزاروں کا لشکر ریت کا ٹیلا ثابت ہوا، اور ان مجاہدوں کے عزم کا سیلاب، ملوکیت کے بظاہر مضبوط قلعوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گیا۔

یہ عجیب لشکر تھا کہ جس میں ۹۰ سال کے بوڑھے سے لے کر ایک ششماہہ تک ظلم کے سامنے سر جھکانے پر تیار نہ ہوا، حسینؑ نے تاریخ بشریت کے منفرد کرداروں کو کربلا میں جمع کر لیا تھا۔ وہ کردار جن کے بارے میں خود فرزند زہراؑ نے ارشاد فرمایا کہ جیسے انصار مجھے

ملے، نہ تو میرے نانا کو ملے، نہ ہی میرے بابا کو ملے، اور نہ ہی میرے بھائی کو۔
ان انصار حسینی نے صبر ووفا، ایثار وشجاعت کی جو داستان رقم کی، اسکی مثال رہتی دنیا تک کوئی نہیں لاسکتا۔

یہ وہ انصار ہیں کہ جب شب عاشور حسینؑ نے اپنی بیعت ان پر سے اٹھالی تھی اور انہیں جان بچاکر چلے جانے کا اختیار بھی دے دیا تھا اور یہاں تک اہتمام کیا تھا کہ خیمے میں جلتا ہوا چراغ بھی گل کردیا تھا کہ اگر تمہیں ایک دوسرے سے حیا آتی ہے تو جاؤ اس اندھیرے کا فائدہ اٹھاکر نکل جاؤ۔ یہ شامی صرف میرے خون کے پیاسے ہیں، تم نے یہاں تک میرا ساتھ دیا خدا تمہیں اس کی جزا دے گا میں تمہاری بخشش کا ضامن ہوں، لیکن کسی نے کوئی جواب نہ دیا اور جب چراغ دوبارہ روشن کیا گیا تو انصار حسینی کا عجب عالم تھا۔
مسلم بن عوسجہ آگے بڑھے اور کہتے ہیں مولاؑ یہ آپ نے کیا کہا؟ کہ آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ اچھا تو پھر بتایئے کہ کہاں جائیں، آپ کو چھوڑ کر تو نہیں جاسکتے، ہاں اتنا ضرور کرسکتے ہیں کہ آپ حکم دیں اور انہی تلواروں سے اپنی گردنیں کاٹ کر آپ کے قدموں میں پھینک دیں۔ ہر ایک کی محبت کا یہی انداز تھا۔

یہی جانثاری تھی، یہی محبت تھی، یہی ایثار تھا کہ عصر عاشور سینکڑوں زخم کھانے کے بعد حسینؑ جب ذوالجناح پر ڈگمگا رہا تھا تو اپنے انصار کو یاد کررہا تھا ایک ایک کا نام لے کر آواز دیتا تھا۔

اے میرے جانثاروں! اے میرے شیرو! تمہارا حسینؑ تمہیں بلا رہا ہے، تم تو میری ایک آواز پر آجاتے تھے، اب کیا ہوا؟ حسینؑ کی بات کا جواب کیوں نہیں دیتے،؟ بعید نہیں ہے کہ گنج شہیداں میں شہداء کی لاشیں تڑپ اٹھی ہوں اور آوازیں آتی ہوں کہ مولاؑ کیا کریں موت نے مجبور کردیا اگر پھر زندگی مل جائے، پھر تجھ پر اسی طرح اپنی جان نچھاور کردیں گے۔

الا لعنت اللہ علی القوم الظالمین

مجلس سوم

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

اَلحَمدُلِلّٰہِ رَبّ العَالَمِینَ والصَّلوٰۃُ والسَّلَامُ عَلیٰ اَشرَف الاَنبِیَاءِ وَالمُرسَلِینَ سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا اَبِی القَاسِم مُحَمَّدٍ وَّآلِہِ الطَّیِّبِینَ الطَّاہِرِیّنَ المَعصُومِینَ وَلَعنَتُ اللّٰہِ عَلیٰ اَعدَائِھِم اَجمَعِینَ مِنَ الاٰن اِلیٰ قِیَامِ یَومِ الدِّینِ اَمّاَ بَعدُ فَقد قَالَ اللّٰہُ تَعٰلیٰ فِی کِتَابِہِ المُبِیّن وَھُوَ اَصدَقُ القَائِلِینَ بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ وَجَعَلنٰھُم اَئِمَّۃً یَّھدُونَ بِاَمرِنَا وَاَوحَینَآ اِلَیھِم فِعلَ الخَیرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلوٰۃِ وَاِیتَآءَ الزَّکوٰۃِ وَکَانُوا لَنَا عَابِدِینَ ٥

(سورۂ انبیاء آیت ۷۳)

عزیزان محترم! گزشتہ مجلس میں، میں نے بات کو یہاں تک پہنچایا تھا کہ وہ کون سا پیریڈ ہے، وہ کون سا زمانہ ہے، وہ کونسا دور ہے، کہ جس میں ملوکیت اسلام میں داخل ہوئی، اگرچہ اس کی پہلی اینٹ اُس وقت ہی رکھ دی گئی تھی جب حقدار سے حق چھینا گیا تھا۔ اُسی ابتدائی دور میں ہمارے حساب سے بنیادیں رکھ دی گئیں تھیں، جب پہلی بار اقتدار کی خاطر فتنہ اور فساد برپا کیا گیا تھا، رسولؐ کے جنازے کو چھوڑ کر، اہل حل وعقد کے فیصلے کا بہانہ بنا کے، اور اسلامی مملکت کو انتشار سے بچانے کا بہانہ بنا کر اقتدار کی جنگ کا آغاز کر دیا گیا تھا۔ حالانکہ اس اہل حل وعقد کے فیصلے میں اہل حل وعقد کو بھی شمار کیا جائے تو جو اُس زمانے میں بھی اہل حل وعقد شمار کیے جاتے تھے، ان میں سے بھی تمام افراد کو اس اہم مسئلہ میں

شریک نہیں کیا گیا تھا۔

یہ بار بار جو میں اہل حل وعقد کی اصطلاح استعمال کر رہا ہوں وہ اس لئے کہ تاریخی کتب میں یہ ثقیل اصطلاحیں بڑی شدت کے ساتھ استعمال کی جاتی ہیں، تاریخ میں اس مسئلہ کو ذرا بڑا بنانے کے لئے ، بھاری بھرکم بنانے کیلئے ، اس قسم کے الفاظ اور اصطلاحات کا سہارا لیا جاتا ہے ۔تو اس میں بھی آپ اہل حل وعقد جو دیکھیں گے۔تو بڑے بڑے افراد میں سے کسی کا پتہ نہیں ملے گا۔ سب سے پہلے تو خود مولائے کائناتؑ کی ذات گرامی، لیکن اگر ان کے جوان ہونے کا بہانہ بنا کر انہیں ایک طرف کر بھی دیا جائے تو دوسرے بڑے بڑے نام موجود ہیں، جنہیں سرے سے اس قضیئے کی خبر ہی نہیں دی گئی۔

مولائے متقیان تو ان کی نظر میں جوان ہیں، اور جوانوں کے لئے زیب نہیں دیتا کہ وہ بڑوں کے لئے جن کی سفید داڑھیاں ہیں، ان کے سامنے کھڑے ہو کر ان کے عیب ، گناہوں ، اور ان کی خیانتوں کو سامنے لائیں، یا بتائیں ، کہ حق کیا ہے؟ اور باطل کیا ہے؟ لہذا ایک جوانی کے ستم نے ان کی ساری بات کے وزن کو، چاہے وہ سچی ہو، صحیح ہو، حق ہو، ختم کر دیا۔

اسی لئے ان کی بات بھی نہیں سنی جائے گی، بلکہ ان کی بات سنی جائے گی ، جن کی عمریں زیادہ ہیں، چاہے وہ اپنی جوانی کی زندگیاں گمراہی میں گزار چکے ہوں، اور اب بھی گمراہی میں ہی پڑے ہوئے ہوں۔ ان کی بات سنی جائے گی ، جن کی عمریں زیادہ ہیں، اور وہ جو جوان ہیں ، جن کی عمریں بھی کم ہیں، انہیں مشورے میں شریک نہیں کیا جائے گا۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا اہل حل وعقد میں عباس ابن عبدالمطلبؓ بھی نہیں ہیں؟ کیا زبیر ابن عوام بھی نہیں ہیں؟ کیا طلحہؓ ابن عبیداللہؓ بھی نہیں ہیں؟ کیا مقداد ابن اسودؓ بھی نہیں ہیں؟ کیا سلمان فارسیؓ بھی نہیں ہیں؟ جو انہیں مشورے میں شریک نہیں کیا جا رہا۔

بس پتہ چلا کہ مسئلہ سن و سال کا نہیں ہے بلکہ اصل مسئلہ کچھ اور ہے ہر اس شخص کو مشورہ سے دور رکھنا ہے ، اہل حل وعقد کی صف سے خارج رکھنا ہے، جس سے ذرا سا بھی یہ خوف ہے کہ یہ اقتدار کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوگا۔تو اب اہل حل وعقد کی تعریف کیا کی

جائے؟ نتیجتاً خود یہ لوگ بھی اہل حل وعقد کی تعریف میں الجھ کر رہ گئے۔

بالکل اسی طرح، جس طرح آگے چل کر قوانین میں الجھ کر رہ گئے کہ آخر خلیفہ کیسے بنتا ہے۔ ہر ایک کے انتخاب کو صحیح کرنے کے لئے ہر طرح کی شرط داخل کر دی کیونکہ ہر حکمران نئے طریقے اور نئی سنت سے آیا تھا، لہٰذا جس طریقے سے بھی حکمران آئے، یا بنا گئے سب طریقے انہوں نے صحیح قرار دے دیئے، اسی طرح اہل حل وعقد کی تعریف میں بھی اتنے الجھے، اتنے الجھے کہ ان کی خود سمجھ میں نہیں آیا کہ اس مسئلے کو کیسے حل کیا جائے، بس آخر میں مؤرخ یہاں تک لکھنے پر مجبور ہوگیا کہ وہ ایک ہنگامی صورتحال تھی، اور ہنگامی بنیادوں پر اقتدار کا فیصلہ کرلیا گیا تھا، اور خلیفہ بنا دیا گیا تھا۔

جب بھی ہنگامی بنیادوں پر فیصلے کئے جائیں، تو ان کا انجام بہت خراب ہوا کرتا ہے، تو یہ فیصلہ بھی ہنگامی بنیاد پر کیا گیا تھا۔ خیر فیصلہ ہوگیا، اب دوسرا دور ختم ہوا، اور تیسرا دور شروع ہوا، دوسرے دور کا اختتام ۳۰ ذی الحجہ، یا یکم محرم کو ہوا، اور تیسرے دور کا آغاز بھی ایسے ہوا کہ چھ افراد کو مسئول بنا دیا گیا تھا، چھ افراد میں سے ایک ابوطالب کا بیٹا علیؑ ابن ابی طالبؑ، دوسرے عبدالرحمٰن ابن عوفؓ، تیسرے سعد ابن ابی وقاصؓ، چوتھے زبیر ابن عوامؓ، پانچویں طلحہؓ ابن عبید اللہؓ، اور چھٹے حضرت عثمان ابن عفانؓ۔

اس شوریٰ میں بھی ایک پخ لگادی گئی تھی، کہ اگر تین تین برابر ہو جائیں تو یہ دیکھنا، کہ عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کس طرف ہیں، جس طرف عبدالرحمٰن ابن عوف کا ووٹ ہو، اسی کے حق میں فیصلہ دے دیا جائے، تو یہ تو طے ہے کہ وہ کس طرف ہوں گے، حضرت زبیرؓ دست بردار ہوگئے حضرت علیؑ کے حق میں، مولائے کائناتؑ کے حق میں، اور اعلان کر دیا کہ میں فرزند ابوطالبؑ کو اس منصب کا اہل سمجھتا ہوں، میرا نام علیؑ کے حق میں نکال دیا جائے، اور دو اُدھر دست بردار ہوگئے، یعنی حضرت عثمانؓ کے حق میں، سعد ابن ابی وقاصؓ اور طلحہؓ ابن عبید اللہؓ، اب رہ گئے عبدالرحمٰن ابن عوفؓ، اور انہوں نے چاہا کہ اپنے آپ کو غیر جانبدار "شو" کر دیا جائے، حالانکہ سب جانتے ہیں کہ فیصلہ کیسے ہوگا۔

کبھی کبھی ایسا کیا جاتا ہے، کہ پہلے سے کوئی فیصلہ کرلیا جاتا ہے، اور پھر لوگوں کو

دکھانے کے لئے میٹنگ بلائی جاتی ہے، اوراس میٹنگ میں پہلے سے طے شدہ ترتیب سے افراد کو بٹھادیا جاتا ہے، ایک طرف سے بات شروع کی جاتی ہے، پھر اسکی تائید لی جاتی ہے، باری باری، فیصلہ پہلے ہو چکا ہوتا ہے، کہ کرنا کیسے ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ جو شرط ہم پیش کریں گے خلافت کے لئے اس شرط کو ایک شخص مانے گا ہی نہیں، اور جو اس شرط کو مان لے گا، اسے خلیفہ بنادیا جائے گا۔

تو اب مدینے والوں کو جمع کرلیا گیا، یہ پس منظر آپ کے سامنے بیان کرنا بہت ضروری ہے، کیونکہ تقریباً تمام تاریخوں نے بھی تسلیم کیا ہے، کہ خرابیاں یہیں سے شروع ہوئیں ہیں، حالانکہ ہم کہہ چکے ہیں کہ ہمارے حساب سے تو خرابی وہیں سے شروع ہوگئی تھی، جہاں پہلی بار دھاندلی کی گئی تھی، لیکن خیر اتنا تو تاریخوں نے بھی تسلیم ہی کرلیا کہ یہ وہ دور ہے کہ جس دور میں ملوکیت کی مصیبت نازل ہونا شروع ہوئی، اسی دور میں شاہی خاندان وجود میں آئے، اقربا پروری بھیانک روپ میں سامنے آئی، جس کی وجہ سے اس دور پر خاص طور سے روشنی ڈالنا ضروری سمجھتا ہوں۔

اور پھر ایک سوال کا جواب بھی اسی گفتگو میں آجائے گا، اور وہ جو آج مجھ سے کہا گیا ہے کہ آپ کو لوگ جو سوال دے دیتے ہیں، وہ آپ جیب میں رکھ لیتے ہیں اور جواب نہیں دیتے، اور جو ایک صاحب کل آئے تھے اور جو سوال انہوں نے مجھے دیا تھا، اس کا جواب میں گزشتہ مجلسوں میں پڑھ چکا ہوں اب اگر وہ صاحب اس مجلس میں موجود ہی نہ ہوں کہ جس میں ان کے سوال کا جواب گزر چکا ہو، اس میں میرا کیا قصور؟ اور کچھ سوال ایسے آتے ہیں کہ جن کے جواب آئندہ مجالس میں آجائیں گے، کوشش کریں کہ میرے موضوع سے متعلق ہی سوالات ہوں تاکہ میں اپنے موضوع کے اندر ہی رہوں۔

عزیزانِ محترم! حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے لوگوں کو مسجد میں جمع ہونے کا اعلان کرایا، جب لوگ جمع ہوگئے تو آپ منبر پر پہنچے اور کہا کہ میں تو غیر جانبدار ہوں، اور خلافت کا دعوے دار نہیں ہوں، جب کہ صورت حال یہ ہے کہ دو ایک طرف ہیں اور تین ایک طرف ہیں، اب کہا کہ یا علیؑ آپ بتایئے، کہ حکم خدا، یعنی کتاب، سنت رسول اور سیرت

شیخین پر عمل کریں گے۔

مولائے کائناتؑ نے جواب دیا کہ ظاہر ہے کتاب خدا، اور سنت رسولؐ، میں تم سے زیادہ جانتا ہوں، تم مجھ سے زیادہ تو نہیں جانتے، اپنے علم اور استطاعت کے مطابق عمل کروں گا، لیکن یہ تیسری چیز کہاں سے آگئی، میں اس پر عمل کرنے کا پابند نہیں ہوں۔ اب دوسرے صاحب سے پوچھا گیا کہ بتایئے، کتاب اللہ، سنت رسول اور سیرت شیخین پر عمل کرنا قبول، کہا کہ ہاں قبول۔ بس جناب جیسے ہی یہ ایجاب وقبول کی رسم ادا ہوئی، ابن عوفؓ آگے بڑھے اور کہا کہ لایئے اپنا ہاتھ میں بیعت کرتا ہوں، باقی حضرات نے بھی ترتیب وار، پروگرام کے مطابق بیعت کرنا شروع کردی۔

پھر تو بیعت کے لئے ہجوم ہوگیا، اب ایسے میں حق کے دلائل کون سنتا ہے، بلکہ یہ وہ نازک موقع ہوتا ہے کہ اب جو بھی مخالفت کرے گا، تو کہا جائے گا، کہ دیکھو یہ فتنہ کرنا چاہتا ہے، یہ انتشار پیدا کرنا چاہتا ہے، یہ فساد برپا کرنا چاہتا ہے، لہٰذا مخالفت کی آواز کو وہیں پر دبادیا گیا۔ پورے عالم اسلام میں شور ہوگیا، کہ بیعت کرلی گئی ہے، جس طرح سے بھی کی گئی، بہر حال ہوگئی، کیونکہ ان سے پہلے والے حق دے کے گئے تھے، اس لئے انہوں نے اپنے حق کو استعمال کرلیا۔

یہ تھا تیسرا طریقہ خلیفہ بنانے کا، اور اس طریقے سے تیسرے دور کا آغاز ہوگیا، اور ایک خاندان جو اس موقع کا برسوں سے انتظار کررہا تھا، امور حکومت میں پوری طرح حاوی ہوگیا۔ جیسا کہ میں نے بتایا تھا کہ مزاج جو تھا، وہ تو وہی تھا، مزاج نہیں بدلا تھا، پہلے دو زمانوں میں جو کچھ بھی تھا، جیسا بھی تھا لیکن حالات اتنے خراب نہیں ہوئے تھے کہ لوگ اتنے مطلق العنان ہوجاتے کہ سارے امور اپنے خاندان والوں کے سپرد کردیتے۔ اس لئے خاندانی حکومت کا آغاز نہ ہوسکا تھا۔ اتنا تھا کہ ابھی تک خاندانوں کا عروج نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ اس مخصوص خاندان کی ابھی تک حکومت نہیں آئی تھی۔ اس خاندان کے پاس، گزشتہ زمانوں میں پوری طرح اقتدار نہیں آیا تھا۔ وہ خاندان جو شروع سے ہی اسلام کا دشمن تھا۔ اسلام کے مقابلے پر رہا تھا۔ اب جو تیسرا دور آیا، تو یہ جتنے بھی ''خاندانی'' افراد اِدھر اُدھر

تھے، یہ سب کے سب قصر خلافت میں آ کر جمع ہو گئے، سارا شاہی خاندان ایک جگہ جمع ہو گیا
۔

کیونکہ یہ پہلے دن سے، جس دن سے اسلام لائے تھے، اس دن سے ہی، ان کے ذہنوں میں، سلطنت تھی۔ آپ کو یاد ہے نا! کہ ابوسفیان نے حضرت عباس ابن عبدالمطلبؓ سے کہا تھا کہ "دیکھو تمہارے بھتیجے کی سلطنت کتنی بڑی ہو گئی ہے" کیونکہ ان کے ہاتھ سے حجاز کا اقتدار گیا تھا، اس لئے اقتدار ان کے ذہنوں پر چھایا ہوا تھا، دماغوں میں اقتدار گھوم رہا تھا، لہٰذا جیسے ہی موقع ملا، یہ ساری آل امیہ ایک جگہ آ کے جمع ہو گئی۔ سب کے سب اقتدار پر اپنا حق جتانے لگے۔ گورنریاں اور ولایتیں بٹنا شروع ہو گئیں بیت المال کا بے جا استعمال شروع ہو گیا۔ زکوٰۃ و خمس کی بندر بانٹ شروع ہو گئی۔

تو یہ وہ تاریخی غلطیاں ہیں، کہ جو میں آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں، میں اپنی تاریخ نہیں پڑھ رہا بلکہ ان کتابوں کے حوالے سے بیان کر رہا ہوں۔ جن کو گھنٹوں مطالعہ کر کے آتا ہوں، حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ میں سے بعض افراد کے لئے یہ ایک گھنٹہ کتنا بھاری ہوتا ہے کیوں کہ میرے انداز بیان میں وہ چاشنی نہیں ہے، جس کے بعض حضرات عادی ہیں۔

لیکن میرا دل جانتا ہے کہ میرے کتنے گھنٹے ان مطالب کو جمع کرنے میں خرچ ہوتے ہیں، جب کہیں جا کے میں ایک مجلس کا مواد اکٹھا کر پاتا ہوں تا کہ میں آپ کو سنا سکوں۔ آپ خود سوچئے کہ جس مجلس کی تیاری میں مجھ جیسا جاہل آدمی بھی سات آٹھ گھنٹے لگاتا ہو، رات بھر جاگنا پڑتا ہو، اور جب وہ اس قسم کی مجلس پڑھ رہا ہو اور لوگ نیند کے مزے لے رہے ہوں تو اس بے چارے کے دل پر کیا گزرتی ہو گی، جو منبر پر بیٹھا ہوا ہے، حوصلہ چاہئے ایسی مجلس پڑھنے کے لئے، تو سرکار! صرف آپ کا حوصلہ نہیں ہے ایسی مجلس سننے کا، بلکہ میرے حوصلے کی بھی کبھی کبھی داد دے دیا کیجئے، کہ میں کس دل گردے کے ساتھ اس طرح کی تقریر کرتا ہوں۔

اب دیکھئے دو شرطیں تو تھیں، تیسری شرط اگرچہ کہ اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں تھی

لیکن بظاہر تو قبول کیا تھا نا! یعنی سیرت شیخین کو، مگر اس کے بھی بر خلاف کام شروع ہو گئے اسی لئے مصیبت برپا ہوگئی معاشرے میں، وہ لوگ جنہوں نے خلیفہ بنایا تھا، وہ بھی مخالف ہو گئے حکم ابن عاص ابن امیہ، جو چچا ہے خلیفہ کا، یہ میں تاریخ پڑھ رہا ہوں، تاریخ طبری، ابن خلدون، ابو الفداء، اعثم کوفی، طبقات ابن سعد، تاریخ احمدی، خلافت و ملوکیت اور ایک اپنی کتاب سیرت امیر المومنینؑ سے بھی کہیں کہیں میں نے استفادہ کیا ہے اور یہ سب کتابیں میرے سامنے ہیں، جن سے مطالب نکال کر آپ کے سامنے یہ واقعات پیش کر رہا ہوں۔

تو عزیزان محترم! حکم ابن عاص وہ شخص ہے جسے رسول اکرمؐ نے جلاوطن کر دیا تھا، اور کیونکہ رسولؐ نے جلاوطن کر دیا تھا، تو کسی کی بھی جرات نہیں تھی کہ اسے واپس مدینے بلائے، نہ پہلے دور میں، نہ دوسرے دور میں وہ واپس آسکا تھا، تو سیرت شیخین تو یہی تھی۔ اگر سیرت شیخین پر بھی عمل کیا جاتا، تو کچھ جواز تھا۔ مگر یہاں تو جو پہلا حکم دیا گیا، وہی سیرت شیخین کے خلاف تھا۔

یعنی پہلا حکم یہ جاری کیا کہ حکم ابن عاص کی جلاوطنی کو ختم کر دیا گیا۔ اور کہا گیا کہ میرا چچا ہے، ضرور واپس آئے گا، اور وہ واپس آ گیا۔ تو اس پر لوگوں نے اعتراض کیا کہ بھئی یہ تو حکم خدا نہیں ہے، یہ تو سنت رسول بھی نہیں، یہ تو سیرت شیخین بھی نہیں ہے، وہ سیرت شیخین کہ جس کی وجہ سے یہ حکومت ملی تھی، اس کے بھی تو خلاف کام شروع کر دیا۔ جب لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو کہا گیا کہ یہ ذاتی اجتہاد ہے۔ اس طرح یہ حکم ابن عاص صاحب بھی چچا ہونے کے ناطے مدینے بلا لئے گئے۔ جب حکم صاحب آئے، تو ان کی اولاد بھی آ گئی، اور یہی وہ دور ہے جب مروان ابن حکم اسلام میں داخل ہوا۔ یعنی اسلامی حکومت میں داخل ہوا، جب یہ چچازاد بھائی جس کا انتظار تھا، اپنی تمام مکاریوں کے ساتھ اقتدار کے ایوانوں میں آیا تو اس نے اپنے لئے انتہائی اہم مقام کا انتخاب کیا یعنی یہ منشی بنا، کاتب بنا، مہر خلافت اس کے ہاتھ میں آ گئی تھی۔ تاریخ میں یہی ہے، کہ جب خط لکھے جاتے تو ان پر مہر، مروان لگاتا تھا، اب جب یہ آ گیا تو ظاہر ہے کہ آپ جانتے ہی ہیں کہ تاریخ میں اس جیسے لوگوں کا کیا کردار رہا ہے۔ لہٰذا صلۂ رحمی کا دور شروع ہوا۔

کیونکہ ملوکیت میں اقتدار اس وقت ہی مضبوط ہوسکتا ہے ،اوراس وقت ہی طول پکڑ سکتا ہے، جب اپنے بھانجے ،بھتیجے، بھائی ، داماد، اورقریبی رشتہ دار،کلیدی عہدوں پر فائز ہوجائیں۔جب یہ شاہی خاندان عہدوں پرآجائے تو پھرآرام سے گھر میں بیٹھ کے فیصلے کیا کریں گے اوراپنی مرضیاں مسلمانوں پر مسلط کردیا کریں گے۔قوم پر من مانے فیصلے مسلط کردیا کردیں گے ،اوران کے ساتھ ساتھ شاہی خاندان کے کچھ نمک خوار بھی ہوتے ہیں، جو دراصل قوم وملت کے نمک حرام ہوتے ہیں، جوخوشامد اور چاپلوسی کے ذریعے درباروں میں اپنی جگہ بناتے ہیں۔تو اسی دور میں یہ افراد بھی خلافت کے دربار میں جمع ہوگئے ،منصبوں کی بندر بانٹ شروع ہوئی۔

شام کا تو مسئلہ ہی نہیں تھا، یہ تو پہلے ہی سے اپنے پاس تھی۔گزشتہ مجلس میں، میں نے بتایا تھا ،کہ پہلے شام ، چار حصوں میں تھا ،پھر یہ سب حصے ایک حکم کے ذریعے معاویہ ابن ابوسفیان کے سپرد کردیئے گئے کہ یہ سب تمہارا ہے، اب تم دمشق، اردن، فلسطین اور حمص کے بلاشرکت غیرے والی و وارث ہو۔

معاویہ کو پورے شام کا حاکم بنادیا گیا، یوں رشتہ داریاں نبھائی جارہی تھیں۔معاویہ ابن ابی سفیان ابن حرب ابن امیہ، یہاں بھی تو یہی شجرہ چل رہا تھا، عفان ابن عاص ابن امیہ، حکم ابن عاص ابن امیہ، مروان ابن حکم ابن عاص ابن امیہ، یہ سب بنوامیہ کا شجرہ اس لئے دہراتا چلا جاتا ہوں کہ آپ کے ذہن میں رہے کہ ایک ہی خاندان تھا، جو برسراقتدار تھا، ایک اور حکم مغیرہ ابن شعبہ کی معزولی کا، حالانکہ وہ بھی اہل بیؑت کا دوست نہیں تھا، بلکہ وہ بھی دشمن تھا آلِ رسول کا۔

مغیرہ ابن شعبہ کون؟ کہ تاریخ جس کی بدکاری کو چھپا نہ سکی، اور جس کو بڑے ہی ٹیکنیکل طریقے سے بچایا گیا تھا بدکاری کی سزا سے، میں صرف اشارہ کررہا ہوں، اس واقعے کی طرف تفصیل بیان نہیں کرتا،تاکہ آپ کو تشنہ چھوڑدوں مطالعے کے لئے ،جو اہل مطالعہ ہیں،وہ سمجھ رہے ہیں کہ میں تاریخ کے کس واقعے کی طرف۔اشارہ کررہا ہوں، اور جو جوان ہیں، جنہوں نے نہیں پڑھا ،گھر جاکے کم سے کم کوئی ایک کتاب تاریخ کی دیکھ لیں گے ،کوئی

بھی تاریخ کی کتاب ،تو دوسرے دور میں پیش آنے والے، مغیرہ ابن شعبہ کی بدکاری کے واقعے سے آگاہ ہوجائیں گے، وہ مکمل واقعہ منبر سے پڑھنے کا نہیں ہے۔

تو اس کی بدکاری کو اتنے ٹیکنیکل طریقے سے ہینڈل کیا گیا کہ تاریخ بھی شرما گئی، اور جو بے چارے سچے گواہ تھے، ان کو ہی کوڑے پڑ گئے اور جھوٹا گواہ زیاد بچ گیا۔ وہ زیاد کہ جس کی ولادت کے بارے میں بھی تاریخوں نے لکھا ہے کہ جب یہ پیدا ہوا تھا تو اس کا باپ ہونے کے کئی دعویدار تھے ،اور پھر اس کی ماں نے کیونکہ ابوسفیان کا نام لیا تھا، اس لئے یہ ابوسفیان کی ناجائز اولاد قرار پایا ،اور بعد میں معاویہ نے اسے اپنا بھائی قرار دے کر منصب اور دولت سے نوازا تھا۔ اسی زیاد نے مغیرہ کو بچانے کے لئے گواہی میں تھوڑا سا خم دے دیا، تو یہ ہوا کہ چاروں کی گواہی ایک جیسی نہ ہوئی، جس کے نتیجے میں باقی تینوں گواہوں کو کوڑے مارے گئے اور مغیرہ کو چھوڑ دیا گیا، بعد میں فیصلہ کرنے والے نے فخر سے کہا کہ آج زیاد کی گواہی نے مغیرہ کو مرنے سے بچالیا ،اور زیاد کی گواہی سے پہلے ہی جج صاحب نے کہہ دیا تھا کہ ایک آدمی زیاد سے امید ہے کہ وہ مغیرہ کو بچاسکتا ہے ،اگر گواہی میں تھوڑا سا ردوبدل کردے۔

تو یہ مغیرہ ابن شعبہ کوفے کا گورنر ہے، والی ہے ،اس کو بھی معطل کردیا گیا، اس کو معطل کرکے اپنے خالہ زاد بھائی ولید ابن عقبہ کو کہ جس کی شراب نوشی کی داستانیں تاریخ میں بھری پڑی ہیں، کوفہ کا گورنر بنادیا گیا۔ مصر کا گورنر کس کو بنایا گیا؟ جس کے خون کو مباح قرار دیا تھا رسولؐ نے فتح مکہ کے دن، یعنی عبداللہ ابن ابی سرح کو۔ یہ نہیں بتایا جاتا تاریخوں میں، دیکھئے میں اتنا بڑا رسک لے رہا ہوں حالانکہ میں تاریخ پڑھ رہا ہوں، عجیب بات ہے کہ وہی بات جو آپ کا مؤرخ لکھ دے تو آپ کو کوئی اعتراض نہیں لیکن اگر وہی بات میں منبر سے بیان کردوں ،تو مجھ پر طرح طرح کے الزامات عائد کردیئے جاتے ہیں، اس لئے مجھے بڑی احتیاط سے کام لینا پڑ رہا ہے کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو۔

میں یہ حساس موضوع اس لئے پڑھ رہا ہوں تاکہ ہمارے جوانوں کی تاریخی معلومات میں اضافہ ہوجائے ، ہمارے پاس میڈیا نہیں ہے ، ریڈیو نہیں ہے ،ٹی وی نہیں ہے،

اخبارات ہماری تحریریں نہیں چھاپ سکتے پھر ہماری نئی نسل کو یہ تاریخی معلومات کیسے حاصل ہوں، جتنے بھی ذرائع ابلاغ ہیں وہ صرف تصویر کا ایک رخ دکھاتے ہیں، اور اکثر و بیشتر ایسی تحریریں اور مضامین سامنے آتے ہیں جن میں تاریخی حقائق کو مسخ کرکے پیش کیا جاتا ہے۔ اور ذہنوں کو پراگندہ کیا جاتا ہے، آخر کس طرح اس نفسیاتی جنگ کا مقابلہ کیا جاسکے، حالت یہ ہے کہ اگر کسی زہریلے مضمون کا جواب بھی بھیجا جائے، تو کوئی اخبار یا رسالہ چھاپنے پر تیار نہیں ہوتا ہمارے خلاف ہر قسم کی بکواس کی جاتی ہے مگر میڈیا سے کوئی جواب نہیں دیا جاتا۔ اور جو جواب دیئے بھی جاتے ہیں اتنے بھونڈے انداز میں دیئے جاتے ہیں کہ ان کا اثر الٹا ہوتا ہے۔

بجائے اس کے کہ دلیل قائم کی جائے، بجائے اس کے کہ حجت قائم کی جائے، بجائے اس کے کہ تاریخ کے چہرے سے نقاب اٹھائی جائے، تاریخ کے اوراق کو کھنگالا جائے، لوگوں کے سامنے عجیب انداز میں مسائل کو پیش کیا جاتا ہے، مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ مجمع خوش ہوجائے، اور وہ خوش بھی ہوجاتا ہے، پڑھنے والے، سننے والے سب خوش ہوگئے اور بہت معذرت کے ساتھ اس گفتگو میں، اس تحریر میں، کوئی تاریخی اور علمی دلائل نہیں ہوتے ہیں، میں مجبور ہوں یہ بات کہنے پر، جو دیکھتا ہوں، وہی کہہ رہا ہوں میں آپ ہی میں پروان چڑھا ہوں، جو دیکھتا ہوں، کہہ رہا ہوں، میں آپ کے سامنے مشاہدات پیش کررہا ہوں۔

تو ضروری ہے کہ پتہ تو چلے نا! کہ آخر ہوا کیا تھا تاریخ میں؟ کہاں سے یہ ساری خرابیاں پیدا ہوئیں؟ عبداللہ ابن ابی سرح کہ جس کے خون کو رسولؐ نے فتح مکہ کے دن مباح قرار دیا تھا، اور حکم دیا تھا کہ اس کو قتل کردیا جائے، وہ رضاعی بھائی ہے خلیفہ وقت کا اس وجہ سے اسے مصر کا والی بنادیا گیا تھا۔ حالانکہ پہلے بھی وہاں کوئی شریف آدمی نہیں بیٹھا تھا، عمرو بن العاص تھا مصر کا گورنر، مگر اس کو معزول کردیا گیا اور اپنے اس رضاعی بھائی کو وہاں بھیج دیا۔ یہ وہی ہے جس کی جان فتح مکہ کے دن رسولؐ کے سامنے ہاتھ پیر جوڑ کر بخشوائی تھی کہ اس کو میری خاطر چھوڑ دیا جائے۔ چلو چھوڑ دیا اور آج اسی کو مسلمانوں پر مسلط کردیا گیا

تھا،لہٰذا مسلمان چیخ پڑے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ عبداللہ ابن عامر، ماموں زاد بھائی اس کو بصرے کا والی بنادیا گیا، بصرے میں ابوموسیٰ اشعری گورنر تھا جس کا صفین میں حکمیت کے معاملے میں بھیانک کردار سامنے آنے والا ہے، یہ ایک مقدس نما ہے۔

آپ جانتے ہیں ! یہ مقدس نما اپنے آپ کو بچا کے رکھتے ہیں اور موقع کی تاک میں رہتے ہیں کہ کب اپنی مقدس نمائی اور بزرگی کی آڑ میں انقلابی قوتوں پر ضرب لگائی جائے۔ اپنے تقدس کی آڑ میں یہ لوگوں کو انقلابی راہوں سے ہٹانے کی ذمہ داری انجام دیتے ہیں کیونکہ یہ معاشرے میں بڑے باتقویٰ مشہور ہیں، عبا پھٹی ہوئی ہے، ان کے ایک پیر میں دوسری جوتی اور دوسرے میں کسی اور طرح کی جوتی ہے، لہٰذا لوگ ان کو بڑا مقدس سمجھتے ہیں۔

تو یہ ابوموسیٰ اشعری کا کردار تاریخ میں ان مقدس نماؤں کی نمائندگی کرتا ہے، اور اس وقت جب کہ اسلام کو مدد کی ضرورت ہوتی ہے، مجاہدین اسلام کو مدد کی ضرورت ہوتی ہے، یہ مقدس نما اسلام پر ضرب لگاتے ہیں اگر موقع ملا اور وقت نے اجازت دی تو کسی مجلس میں صفین کے واقعے میں ابوموسیٰ اشعری کے کردار کی توضیح اور تشریح کردوں گا، کہ کس طرح ان مقدس نماؤں نے لشکر اسلام پر ضرب لگائی تھی اور عالم اسلام کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا تھا۔

یہ ابوموسیٰ اشعری والی تھا بصرے کا، اس کو بھی ہٹادیا گیا، اور اس کی جگہ عبداللہ ابن عامر اپنے ماموں زاد بھائی کو وہاں کی مسند پر بٹھادیا۔ اس طرح سے کوفہ، شام، بصرہ، مصر وغیرہ میں اپنے رشتہ دار گورنر بنادیئے گئے اور مدینے میں مروان ابن حکم سارے امور کو انجام دے رہا تھا۔

اب دیکھئے تاریخ کی ستم ظریفی، ہم نہیں پڑتے ان بحثوں میں، یہ سب بحث آپ سنتے رہتے ہیں، مثلاً فدک کے غصب کی، کہ کس طرح فدک ہڑپ کرلیا گیا تھا، ایک جعلی حدیث کو بنیاد بنا کر، جس کا راوی روئے زمین پر صرف ایک شخص ہے، آج تک صرف ایک ہی آدمی ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ ''ہم گروہ انبیاء کوئی ورثہ نہیں چھوڑتے بلکہ جو بھی چھوڑ کے جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے'' چلئے ٹھیک ہے کچھ دیر کے لئے فرض کرلیتے ہیں کہ ایسی

کوئی روایت رہی ہوگی، جو کسی دوسرے نے نہیں سنی، تو اب آپ اسی روایت پر قائم رہئے، اس سے تو نہ ہٹئے، میں اس لئے یہ حوالے آپ کے سپرد کر رہا ہوں تاکہ اپنے جوانوں کو دوسروں کے سوالات کا جواب دینے میں آسانی ہوجائے۔

بڑے مشکل مرحلے ہیں میرے لئے، لیکن میں اپنی ذمہ داری سمجھ کر ان مرحلوں سے گزر رہا ہوں، اچھا تو اب اسی حدیث کو لیتے ہیں کہ نبی جو کچھ چھوڑ کر جاتا ہے وہ صدقہ ہوتا ہے، یعنی مسلمانوں کا مال ہوتا ہے، ٹھیک ہے، وقتی طور پر ایک کلیہ طے ہوگیا، پھر کس حدیث کے تحت مروان کو یہ فدک سونپ دیا گیا تھا، کہ یہ فدک تمہارا ہے۔ جناب تاریخیں اٹھا کے پڑھ لیجئے کہ تیسرے دور میں فدک مروان کے حوالے کردیا گیا اور تقریباً ۸۰ سال تک آل مروان اس فدک سے مزے اڑاتی رہی، آلِ مروان اس کو کھاتی رہی یہاں تک کہ عمر ابن عبدالعزیز اموی کا دور آیا اور اس نے فدک کو آل مروان سے واپس لے کر اولاد فاطمہؑ کے حوالے کردیا، تو عزیزو! اگر صدقے کا مال تھا، بیت المال کا حصہ تھا، تو کس قانون کے تحت مروان کے حوالے کردیا تھا کہ یہ تمہارا ہے، مزے اڑاؤ۔

اب یہاں پر تاریخیں خاموش ہوگئیں، یہاں پر کسی نے کھڑے ہوکر اس حدیث کا حوالہ نہیں دیا کہ نبی کوئی ورثہ نہیں چھوڑتا، یہاں کسی نے اعتراض نہیں کیا کہ جناب آپ سیرت شیخین سے ہٹ کر کیوں چل رہے ہیں؟ کیوں کہ جواب دے دیا جاتا کہ جی یہ اجتہاد تھا۔ ارے مال ہڑپ کرنے کے لئے سارے مجتہد تھے، آل رسولؐ کا حق غصب کرنے میں سارے مجتہد تھے، کہیں تو کوئی ہاشمی والی بنا ہوتا، کہیں تو کوئی رسولؐ کے گھر کا فرد کسی منصب پر فائز ہوتا، کیا پورے خاندان رسالت میں کوئی بھی اہل حل وعقد نہیں تھا، چلئے ۱۰ ہجری میں علیؑ جوان تھے، اب تو پختہ کار ہوگئے تھے، اتنے زخم کھانے کے بعد، اتنے ستم اٹھانے کے بعد، کیا اب بھی علیؑ اس قابل نہیں تھے کہ انہیں کوئی اہم ذمہ داری دی جاتی، یا چلئے حضرت عباس ابن عبدالمطلب یا ان کا کوئی بیٹا اس قابل نہیں تھا، کہ اسے کوئی منصب دیا جاتا۔

کتنا تضاد ہے قول وفعل کا کہ اگر ان سے پردہ اٹھایا جائے تو برا لگتا ہے، دل آزاری ہوتی ہے، کہ یہ سب کیوں بیان کیا جاتا ہے۔ اچھا حضور آپ جو چاہیں کہیں، آپ جو چاہیں

لکھتے رہیں، آپ جو چاہیں معاشرے میں زہر پھیلاتے رہیں، اور ہمیں آپ ہی کی بیان کردہ اور تحریر کردہ حقیقتیں بیان کرنے کی بھی اجازت نہ ہو، یہ کیسے ہوسکتا ہے۔

تو عزیزان محترم! فدک تو دے دیا گیا اور یہ بہانہ بنا کر دے دیا گیا کہ یہ ہمارا اجتہاد ہے، لے جاؤ۔ یہ کتنی بڑی اراضی تھی؟ میں اشارہ کئے دیتا ہوں اس کے بارے میں کہ بعض دفعہ پورے لشکر اسلام کا خرچ صرف فدک کی آمدنی سے پورا کرلیا جاتا تھا۔ آپ اگر فدک کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنا چاہتے ہیں تو شہید رابع، آیۃ اللہ باقر الصدر کی کتاب ''فدک'' کا مطالعہ کریں، تو آپ کو بھی تفصیل معلوم ہوجائے گی کہ فدک کیا تھا، کتنی بڑی ملکیت تھی اور اس باغ کی سالانہ آمدنی کتنی تھی۔

تو عزیزان محترم! ان خرابیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے کہ جو باعث بنی تھیں ملت اسلامیہ میں انتشار اور اختلاف کا، عبداللہ ابن سباء کا فسانہ گڑھا گیا، حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لئے ایک افسانہ گڑھا گیا، اور وہ تاریخی حقیقت کیا ہے؟ جس پر پردہ ڈالنے کے لئے عبداللہ ابن سبا کا کردار چند قلم فروش مورخین نے جنم دیا اور ایک فرضی سبائی فرقہ کو وجود عطا کیا گیا تا کہ ان خامیوں اور عیبوں پر پردہ ڈالا جاسکے جن کی وجہ سے بغاوتیں شروع ہوئیں، فرقے وجود میں آئے اور ملت اسلامیہ تقسیم ہوتی چلی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں یہودی اور عیسائی دربار خلافت میں نفوذ پیدا کر چکے تھے، درباروں میں چھا چکے تھے، مرکز خلافت میں اپنا سازشی جال پھیلا چکے تھے، حکمرانوں کی کمزوریوں کو بھانپ چکے تھے۔

انہی میں سے ایک حقیقی کردار ہے کعب الاحبار جو دربار میں اپنا نفوذ پیدا کر چکا ہے۔ جو جعلی حدیثیں پڑھ کر سنایا کرتا ہے اور دوسری آسمانی کتابوں کی باتیں سنایا کرتا ہے۔ جب حاکم خود بھول جاتے ہیں تو اس سے پوچھتے ہیں کہ کتابوں میں فلاں مسئلے کے بارے میں کیا لکھا ہے اور وہ حاکم کے مفاد کے پیش نظر بتاتا ہے کہ کتابوں میں کیا لکھا ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ دربار خلافت میں گورنروں کی شکایت کررہے ہیں اور بتارہے ہیں کہ تیرے والی مسلمانوں کا مال ہڑپ کررہے ہیں، لاکھوں درہم کھا چکے ہیں، سونا، چاندی جمع کررہے ہیں۔ ابوذر دربار میں اس آیت کی تلاوت کررہے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ

وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (سورۂ توبہ ۳۴ ویں آیت)
اور وہ جنہوں نے سونے اور چاندی کو جمع کیا اور خدا کی راہ میں اسے خرچ نہ کیا انہیں دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے۔

ابوذرؓ پوچھ رہے ہیں حاکم سے اور حاکم پوچھ رہے ہیں کعب الاحبار سے کہ تو اس بارے میں کیا جانتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ جس نے اپنے حق دے دیئے، زکوٰۃ وغیرہ ادا کردی ہے، تو پھر جیسے چاہے اپنا مال خرچ کرے۔ یہ سن کر ابوذرؓ نے اسی وقت اس حالت کے باوجود کہ زخمی ہیں، رانوں کا گوشت اڑ چکا ہے، (کیونکہ انہیں شام سے بے پالان کے اونٹ پر سوار کر کے بھیجا گیا تھا)، اپنا عصا کعب الاحبار کے سر پر جو مارا تو اس کا سر پھٹ گیا۔ اور ابوذرؓ کہتے ہیں او یہودی کی اولاد! تو ہمیں ہمارا دین بتائے گا؟ تو ہمیں بتائے گا کہ حلال و حرام کیا ہے؟

یہ ابوذرؓ ہیں جو ہر قدم پر تحریفات کی مزاحمت کر رہے ہیں، یہاں مدینے میں کعب الاحبار، اور ادھر کوفے میں ولید کے پاس ابوزبید تاریخ کا ایک حقیقی کردار جس کے بارے میں ابن خلدون اور طبری نے بھی لکھا ہے، جبکہ ابن سبا ایک گڑھا ہوا کردار۔ ایجاد کیا ہوا کردار، تاکہ ان اصلی کرداروں پر پردہ ڈال دیا جائے جو بنوامیہ کے دور میں اسلام کے مراکز میں داخل ہوئے دین میں تحریفات کا باعث ہوئے اور اسلامی دنیا کو بدترین ملوکیت کے راستے پر ڈال دیا۔

تاریخ کے ان اصلی کرداروں کو چھپانے کے لئے ابن سبا کا افسانہ لکھا گیا تاکہ کہا جاسکے کہ شیعہ عبداللہ ابن سبا کا بنایا ہوا فرقہ ہے۔ ابوزبید وہ شرابی اور بدکردار انسان کہ ابن خلدون جیسا شیعہ دشمنی میں طاق مؤرخ بھی ابوزبید کے بارے میں لکھنے پر مجبور ہوگیا کہ یہ آخر تک عیسائی تھا۔ آخری وقت میں جب عالم اسلام میں اس کے کرتوتوں کی وجہ سے شورشیں کھڑی ہونا شروع ہوئیں، تو ولید کی درخواست پر ظاہری اسلام قبول کیا۔ لیکن پھر بھی شراب خوری کی عادت نہیں گئی تھی، مورخ یہ سب کچھ لکھ رہا ہے یہ سب باتیں مان رہا ہے کہ ابوزبید شرابی تھا، بدکردار تھا، اسلام لانے کے بعد بھی ولید بن عقبہ والی کوفہ کے ساتھ لہو و

لعب کی محفلیں سجاتا تھا کھیل تماشے، رقص و سرور کی محفلیں جماتا تھا۔ حتی اپنے ساتھ ایک جادوگر لایا تھا۔ دن رات رنگینیوں میں مشغول رہتا تھا اور ولید بھی انہی چیزوں میں مگن رہتا ہے، اور کوئی حد جاری نہیں ہوتی اس کے اوپر۔ یہی حال دیگر عمال کا ہے اور ان کی کوئی سرزنش نہیں کی جاتی۔

ان سب باتوں نے عالم اسلام میں بغاوت کے آثار پیدا کردیئے۔ دربار سے وابستہ لوگوں نے علی الاعلان فسق و فجور شروع کردیا۔ عام مسلمانوں کی شکایات پر کوئی ایکشن نہیں لیا جاتا تھا۔ غریب شور کرتے ہیں کہ ہم لٹ رہے ہیں، ہم پر ظلم ہورہا ہے، ہم پر بے جا لگان لگ رہا ہے۔ پہلے کے زمانوں میں کچھ نہ کچھ تو بانٹا جاتا تھا، اور یہ جو اَب آئے ہیں یہ سارا کا سارا ہڑپ کئے جارہے ہیں، جتنا مال مسلمانوں کے نام پر آرہا ہے، جتنا مال مومنین کے نام پر جمع ہورہا ہے، جتنا مال غنیمت خمس، زکوٰۃ، سب قریبی رشتہ دار ہڑپ کرجاتے ہیں، اور اس پر بھی یہ دیدہ دلیری کہ ان سب لغزشوں اور بدعنوانیوں سے صرف نظر کرکے سارا کا سارا الزام ایک فرضی کردار عبداللہ ابن سبا کے سر ڈال دیا جاتا ہے۔

مروان ابن حکم کو افریقا کا سارا خمس جو پانچ لاکھ دینار سے زیادہ بنتا تھا دے دیا جاتا ہے۔ یہ سارا مال صرف اس لئے مروان کے حوالے کردیا جاتا ہے کہ وہ داماد بھی ہے اور چچا زاد بھی ہے۔ یہ کون سی دینداری ہے؟ یہ کون سی سودے بازی ہورہی ہے؟ تاریخیں لکھ بھی رہی ہیں کہ بغاوت کے یہ سارے اسباب فراہم ہوئے، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مروان سب سے بڑا ذمہ دار تھا، پھر بھی بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کہہ دیا جاتا ہے کہ عبداللہ ابن سبا لوگوں کو بہکاتا تھا، یہیں سے ساری خرابیاں پیدا ہوئیں، ان یہودی اور عیسائی ایجنٹوں کو دربار میں جگہ دی گئی کہ جنہوں نے اسلام میں رخنہ ڈالا، اسی دور میں سارے فساد شروع ہوئے، اسی دور میں گروہ بندی شروع ہوئی، اسی دور میں علی الاعلان شورشیں اور بغاوتیں برپا ہوئیں، جن لوگوں نے مدینے میں دارالامارۃ کا گھیراؤ کیا تھا ان میں علیؑ کی ولایت کا اعلان کرنے والوں کا شمار انگلیوں پر بھی نہیں کیا جاسکتا۔

جس لشکر نے دارالامارۃ کا گھیراؤ کیا تھا وہ تین حصوں میں تقسیم تھے۔ ایک کہتا تھا کہ

ہم حضرت زبیر کو خلیفہ بنائیں گے۔ دوسرا کہتا تھا کہ ہم حضرت طلحہ ابن عبیدہ کو خلیفہ بنائیں گے۔ تیسرا کہتا تھا کہ جب ''ان'' سے جان چھڑالیں گے پھر فیصلہ کریں گے کہ کیا کرنا ہے۔

اس زمانے میں مدینے میں صرف چند افراد تھے، جو پہلے دن ہی سے ولایت علیؑ کا اقرار کرتے تھے، جیسے کہ عمار یاسرؓ، مالک اشترؓ یا حضرت محمد ابن ابی بکرؓ جیسے لوگ کہ یہ لوگ تو شروع سے ہی علی کی ولایت کا اعلان ہر جگہ کیا کرتے تھے۔ ایک اور مضحکہ خیز پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ ابوذرؓ کو عبداللہ ابن سبا نے بہکایا تھا۔ یہ کیسا بھونڈا مذاق ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو علی کے براہ راست شاگرد ہیں۔ عبداللہ ابن سبا کا افسانہ محض اس لئے گھڑا گیا تھا تاکہ کچھ لوگوں کے عیبوں پر اور ان کارناموں پر پردہ ڈالا جا سکے، جن کی وجہ سے اسلامی دنیا میں تباہی پھیلی۔ اسلام نہیں بلکہ اسلامی دنیا گروہوں میں تقسیم ہوگئی، فرقوں میں تقسیم ہوگئی۔

یہ وہ دور تھا کہ جس میں کھل کر ملوکیت سامنے آ گئی تھی، یعنی ملوکیت نے عروج جو حاصل کیا وہ یہی دور تھا۔ یہی بات تمام تاریخوں نے کہیں صراحتاً اور کہیں کنایتاً بیان کی۔ حالانکہ ان مؤرخین کو بھی بعد کے آنے والوں نے اس بات پر برا بھلا کہا کہ تم نے سارا الزام اس دور پر ہی کیوں ڈال دیا۔

اس دور پر اس لئے ڈالا گیا کہ یہ دور کھل کر سامنے آ گیا، یہاں اپنوں کو اس طرح سے اسلام کی جاگیریں بانٹی گئیں، اس طرح مومنین کا مال اقربا میں بانٹا گیا، اس بے دردی سے مسلمانوں کا استحصال کیا گیا کہ جس کی مثال اس سے پہلے کے زمانوں میں نہیں ملتی۔

عزیزانِ محترم! ایک بار پھر آپ سے گزارش کروں گا، کہ میری مجبوری ہے کہ میں آپ کے سامنے تاریخ پیش کروں۔ تاکہ یہ جو میرے سامنے جوان بیٹھے ہیں، انہیں فرقہ بندی کے حقیقی پس منظر سے آشنائی ہوجائے یہکہ عبداللہ ابن سبا ایک فرضی کردار ہے اور حقیقت میں کسی سبائی فرقہ کا وجود نہیں ہے، بلکہ کعب الاحبار اور ابو زبید حقیقی کردار ہیں جن کے بارے میں تمام تاریخوں نے لکھا ہے اور ان کے کرداروں کی تفصیل بھی بیان کی ہے۔ یہ وہ لوگ تھے، جنہوں نے قصر خلافت میں نفوذ کیا اور وہاں کے نظام کو اپنے ہاتھ میں لے کر اسلام سے کوسوں دور کر دیا۔

نظام کو اتنا بگاڑا، اتنا بگاڑا کہ ہر علاقے میں شورشیں برپا ہوگئیں۔ مسلمان چلا اٹھے، بلبلا اٹھے، اطراف کے علاقوں سے مدینے پہنچنا شروع ہوگئے، گروہ کے گروہ بصرے سے، مصر سے، کوفے سے۔ صرف ایک شام ہے جس کو امیر شام نے مضبوط کیا ہوا ہے۔ اور اب آپ یہ دیکھئے کہ تیسرے دور کے بعد سارا الزام کہاں آیا؟ مولائے کائناتؑ پر۔ یہی نعرہ تو لگا کر اٹھے تھے نا! سب کے سب فرزند ابوطالب کے خلاف کہ ہم خون کا بدلہ چاہتے ہیں۔ یہی ہوا تھا نا!۔

لیکن اب آپ دیکھئے کہ تاریخ کیا کہتی ہے؟ تاریخ یہ کہتی ہے کہ جو سب سے پہلے علیؑ کے خلاف جنگ کے لئے کھڑی ہوئی تھیں، وہ بھی محاصرے کے زمانے میں مدینہ چھوڑ کر حج کے ارادے سے چلی گئیں تھیں۔ ان کی روانگی کے وقت مروان نے کہا تھا کہ آپ ایسا کیوں کرتی ہیں، اگر آپ رہیں گی تو جان بچ جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، میں اس فتنے میں نہیں پڑنا چاہتی۔ اب میں وہ الفاظ نہیں استعمال کرنا چاہتا جو انہوں نے استعمال کئے۔ تو جب جانے لگیں تو مروان نے کہا تھا کہ ساری آگ لگا کے جب آگ خوب بھڑک اٹھی تو اپنا دامن بچا کے تم چل دیں، ساری آگ تمہاری لگائی ہوئی ہے۔ یہ الفاظ تاریخوں میں رقم ہیں، یہ ان کا کریکٹر تھا کہ جو کہتیں تھیں ماردو اس بوڑھے کو، قتل کردو اس بوڑھے کو۔ اور امیر شام جس کو سب کچھ دیا، مصور ابن مخزومی کو آخری وقت میں جب کہ محاصرہ ہے، خط دے کر بھیجا تھا، بصرے کی طرف بھی بھیجا تھا، مصر بھی قاصد بھیجا تھا، شام بھی قاصد بھیجا تھا، اور یہ پیغام دیا تھا کہ میرے لئے مدد لے کر آؤ میں محاصرے میں ہوں، لوگوں نے میرا محاصرہ کرلیا ہے، فوری طور پر لشکر لے کر پہنچو۔

اب سنئے امیر شام کا جواب! کہتا ہے کہ بہت دیر ہوگئی، اب جب تک ہم جائیں گے قتل کردیا جائے گا بوڑھا، اور پھر دیکھو نا! کہ شروع میں تو وہ صحیح چلا تھا، بعد میں اس نے سارے کام بھی تو غلط کردیئے، مسلمانوں کو ناراض بھی تو کردیا، یہاں امیر شام پر کوئی الزام نہیں ہے۔ ان سب کے دامن پاک ہیں۔ وہ لوگ جو قتلِ خلیفہ میں براہ راست شریک تھے۔ جو کہتے تھے کہ خلیفہ نے کام بھی تو سارے غلط کردیئے، شروع میں صحیح رہے، بعد میں

سارے کام غلط کردیئے، بگاڑ دیئے سارے کام، کوئی بچانہیں سکتا، ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے، وہاں جائیں تو مایوسی ہوگی۔

مصور ابن مخزومی مایوس ہوکر واپس آ گیا۔ بصرے سے یہی جواب، مصر سے یہی جواب، ہاں بصرے میں صرف کوشش کی تھی عبداللہ ابن عامری نے کھڑا ہوکر مسجد میں، اور اعلان کیا کہ امیر کی مدد کرنی ہے، مگر کوئی نہیں گیا مدد کرنے، کہا کہ کیا مدد کرنے جائیں جو اپنی جان کا دشمن ہے، ہم اس کی کیا مدد کرنے جائیں گے، اس نے کیا کیا ہے عالم اسلام کے ساتھ؟ اس سے زیادہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ لوگ عادی نہیں ہیں سننے کے لیکن بات یہ ہے کہ حقائق ہیں ان سے منہ نہیں چرایا جاسکتا، ہاں پردہ ضرور ڈالا جاسکتا ہے۔ ذمہ داریاں دوسروں پر ڈال دی جاتی ہیں کہ فلاں کی وجہ سے ہوا، فلاں کی وجہ سے ہوا، ہم کہتے ہیں کہ کسی کی وجہ سے بھی ہوا، یہ تسلیم کرو کہ اُس دور میں ہوا، کوئی اور اس کا ذمہ دار نہ تھا، اس دور میں جب یہ سب کچھ ہوا تھا۔

اب یہ کہ جن کو دولتیں بانٹیں گئیں، جن کو جاگیریں بانٹی گئیں، جن کو حکومتیں دی گئیں، یہ ان کا کردار ہے، یہ ان کا کیریکٹر ہے اس لئے کہ مزاج تو اقتدار کا ہے کہ اقتدار خطرے میں نہ پڑ جائے، اس کو ذہن میں رکھئے آپ۔ یہ ملوکیت کا مزاج ہے کہ اگر تخت کے سامنے بیٹا بھی آجائے تو اس کی گردن اڑادو۔ تاریخ ہے نا! باپ نے بیٹے کو قتل کرادیا۔ بیٹے نے باپ کی آنکھوں میں سلائیاں پھروادیں اور وہ فقیہ دوراں ہے، وہ فقیہ تاریخ ہے، یہ اورنگ زیب عالمگیر ہے، فقہ عالمگیری اور فتاوائے عالمگیری کا خالق شہنشاہ جس نے بھائیوں کو قتل کردیا، اجتہاد ہے صاحب، ان کی فقہیں مشہور ہیں، کہ فتاویٰ عالمگیری آج تک مشہور ہیں، کن لوگوں نے بھائیوں کو قتل کرادیا۔ کیوں؟ مزاج ملوکیت یہ ہے کہ تخت کی راہ میں بھائی آجائے، باپ آجائے، بیٹا آجائے، کچھ مت دیکھو، تخت دیکھو، بھائی کو مروادیں گے، بیٹے کو قتل کروادیں گے، باپ کی آنکھوں میں سلائیاں پھرواکے قید خانے میں ڈال دیں گے۔ آگرے کا قلعہ اس بات کی آج بھی گواہی دیتا ہے۔ اس نے دوسروں پر ظلم کیا تھا، اس کے بیٹے نے اسی کو اندھا کرواکے آگرے کے قلعے میں قید کروادیا تھا۔ یہ ہے مزاج

ملوکیت۔ برا وقت آتا ہے تو پہلے اپنے چھوڑ کے بھاگ جاتے ہیں، تو پہلے اپنے اپنی جان بچاتے ہیں، اپنا دامن بچاتے ہیں، لہٰذا مزاج ملوکیت نے اجازت نہیں دی کہ ان کی مدد کی جائے، کیونکہ سب کو اپنی گورنری، سب کو اپنا راج عزیز تھا۔

مزاج امامت اس کے مقابلے میں کیا تھا؟ جن کا پہلے روز سے حق غصب کیا جارہا ہے، جن کے حقوق پر ڈاکہ ڈالا جارہا ہے، جب مصیبتوں میں پھنسے، مشورہ ہوا، کہا علی ابن ابی طالبؑ کو بلاؤ، کہا کہ وہ مان لیں گے؟ کہا کیسے نہیں مانیں گے وہ؟ مدد کریں گے، ایسے وقت میں اور جب علیؑ کو بلایا گیا مدد کے لئے، علیؑ گئے، سمجھایا، مشورے دیئے، یہاں تک کہا کہ اگر نجات چاہتے ہو تو جو میں کہتا ہوں اس پر عمل کرو، تمہاری جان بھی بچ جائے گی، تمہارا مقام بھی محفوظ ہو جائے گا۔ یہ علیؑ کا کردار ہے کہ مشورہ مانگا ہے تو صحیح مشورہ دیا ہے کہ دیکھو اپنے گمراہ، بدکار اور بے ایمان عمال کو پہلے برطرف کردو، کیونکہ لوگ بھی تو یہی چاہتے ہیں کہ تم اپنے پاس سے ان بے ایمانوں کو ہٹاؤ، چوروں کو ہٹاؤ چلو تم صحیح ہو گے، یہ تمہارے جو اطرافیاں ہیں جنہوں نے تمہارا گھیراؤ کر رکھا ہے، ان کو ہٹادو، یہ چور ہیں، یہ بے ایمان ہیں، یہ غاصب ہیں، انہوں نے مسلمانوں کا مال کھایا ہے، انہوں نے مسلمانوں کا مال ہڑپ کیا ہے، تمہارے نام پر بے ایمانیاں کی ہیں، تمہارے نام کو استعمال کیا، چلو تم صحیح ہو، مگر جو اطرافیاں ہیں یہ تمہارے نام کو اپنے لئے استعمال کرتے ہیں، اپنی مقصد براری کے لئے استعمال کرتے ہیں، ان کو ہٹاؤ۔

مولائے کائنات کی بات کو تسلیم کرلیا گیا کہ علیؑ جو آپ کہتے ہیں وہی ٹھیک ہے، میں اسی پر عمل کروں گا، مگر ان بلوائیوں سے تو میری جان چھڑوا دیجئے، ان بلوائیوں سے تو مجھے نجات دلوا دیجئے۔

صرف علیؑ کی بات پر اعتبار کیا جارہا ہے۔ یہ فسادی مجمع جو علی کی بیعت میں نہیں ہے، مصر سے آیا ہوا، عراق سے آیا ہوا، اب بھی کردار کا یہ عالم ہے کہ جب مغیرہ کو بھیجا تھا تو لوگوں نے اس کو کانا کہہ کے پتھروں سے مار کے بھگا دیا تھا، کہ تو آیا ہے ہمیں نصیحت کرنے، اور اس کی طرف سے وکیل بن کے۔ یہ تاریخ کا جملہ ہے، اس لئے میں نے کہہ دیا،

کانا کہہ کے اس کو مار بھگایا، ایک آنکھ اس کی خراب تھی اس لئے۔

تو بہر حال یہ جملہ تھا اس لئے میں نے کہہ دیا، عیب پر تو ہم نہیں جا رہے کسی کے۔ دوسری بار ابن وقاص کو بھیجا، اسے بھی لوگوں نے چلتا کردیا، جاؤ تم بھی اسی کے ساتھی ہو، یہ لوگ کسی کی نہیں سنتے۔ اب جب علیؑ تشریف لائے۔ تو اب سارا مجمع خاموش ہوگیا مولاؑ نے سمجھایا کہ دیکھو مدینے میں فساد درست نہیں ہے۔ اور یہ راضی ہیں کہ جو تم لوگ کہتے ہو اس پر عمل کیا جائے گا۔ اور عمال کو بدل دیا جائے گا۔ کتنی مہلت دیتے ہیں۔ تین دن کی مہلت۔ ٹھیک ہے۔ اب تم لوگ مدینے سے باہر نکل جاؤ۔ علیؑ کی بات کا اتنا اعتبار ہے کہا کہ یا علیؑ آپ کہہ رہے ہیں لہٰذا ہم آپ کی بات کا اعتبار کرتے ہیں۔ مولاؑ نے ان کو خوشخبری سنادی کہ تین دن کی میں نے تم کو مہلت دلوادی۔ اب تین دن میں تم اپنا نظام درست کرلو اور یہاں تین دن میں نظام درست ہونے کے بجائے کیا ہو رہا ہے؟ مروان کے مشورے پر فوج اکٹھا کرنے کے سامان کئے جا رہے ہیں۔ کہتا ہے مہلت مل گئی اب جلدی جلدی لشکر کشی کرلو۔

تین دن گزر گئے آخر لوگ پہنچے مولا کی خدمت میں اور سوال کیا۔ مولا آپ نے تین دن کا کہا تھا۔ مولاؑ دارالامارہ پہنچے اور کہا کہ تین دن گزر گئے تم نے میرے مشورے کے مطابق عمل کیا کہ نہیں کیا؟ وہاں جو بنوامیہ اکٹھا تھے بجائے اس کے کہ وہ احسان مند ہوتے۔ مولاؑ سے کہتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں فرزند ابوطالبؑ لوگوں کو آپؑ نے ہمارے خلاف بھڑکایا ہے۔

بس اب مولا کو غصہ آگیا، جلال آگیا، کہا کہ اے ہمارے آزاد کردہ غلاموں کی اولادو! علیؑ سے اس لہجہ میں بات کرتے ہو۔ میں تو یہ چاہتا تھا کہ تمہیں نجات مل جائے۔ آخری وقت تک تمہیں صحیح راستہ دکھانے کی کوشش کرتا رہا۔ تمہیں نیک مشورے دیتا رہا تمہیں صلح کی طرف راغب کرتا رہا لیکن تم نے خود اپنا انجام اپنے ہاتھوں لکھ لیا تو اب علیؑ کیا کرے گا۔ میں تو اب بھی یہی چاہتا تھا کہ تمہاری نجات کی کوئی راہ نکال دوں لیکن تم نے تو خود اپنے آپ کو گرفتار کرادیا۔ اس کے بعد مولائے کائنات وہاں سے غصہ کی حالت میں اٹھ

کر آ گئے ۔ یہ جو مولاؑ نے آزاد کردہ غلاموں کہہ کر خطاب کیا تھا فتح مکہ کا واقعہ یاد دلایا تھا۔ کہ جب بنوامیہ کی گردنیں زیر شمشیر تھیں مگر پیغمبر نے انہیں آزاد کر دیا تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اب محاصرہ تنگ ہوتا چلا گیا ، دانا پانی بند ہوگیا، محاصرہ اتنا سخت ہوگیا کہ اب پھر مولائے کائناتؑ سے مدد طلب کی جا رہی ہے ۔ لیکن اب امیرالمومنین نے انکار کر دیا۔ اب میں تمہارے کسی کام میں مداخلت نہیں کروں گا۔ بہت منتیں سماجتیں کی گئیں پھر مولاؑ نے کہا کہ اب کیا چاہتے ہو، کہا کہ یا علیؑ آپ جو کہیں گے میں مانوں گا، آپ جیسی ضمانت انہیں دیں گے میں اس کا ضامن ہوں، یعنی میں عہد کرتا ہوں کہ آپؑ میرے ضامن بن جائیے ۔ ایک دفعہ پھر مولاؑ کا کہنا ماننے کی قسم کھائی۔ پھر مولاؑ چلے گئے۔

یہ تھا امام کا کردار ۔ علیؑ ابن ابیطالب پر کتنے ظلم ہوئے، امام پر اس ۲۵ سال میں رسول کے بعد کتنے ظلم و ستم رواں رکھے گئے ۔ لیکن پھر بھی جب خلیفہ وقت نے قسم کھائی تو مولاؑ نے کہا کہ بس ایک بار پھر کوشش کرتا ہوں، آپؑ پھر پہنچے لوگوں کے پاس۔ کہ دیکھو اب میں ضامن ہوں، اب ایک بار اور میری بات رکھ لو، میں ضامن ہوں، تمہارے تمام مطالبات مان لئے جائیں گے، تمام والیوں کو تبدیل کر دیا جائے گا۔ میں ضامن بن کے آیا ہوں ابھی ابھی تبدیل ہو جائیں گے۔ اب کوئی مہلت نہیں دی جائے گی۔

مطالبات ظاہری طور پر منظور ہو گئے۔ اب محمد ابن ابی بکر کو مصر کا والی بنا کے بھیج دیا گیا۔ تقرری نامہ لکھ کے دے دیا، مہر لگا کے دے دیا گیا۔ محمد ابن ابی بکر چند لوگوں کے ساتھ جا رہے ہیں مصر کی طرف ، دیکھا کہ ایک اور عام راستے پر الگ راستے پر ایک غلام چلا جا رہا ہے پہچان لیا اس اونٹنی کو بھی اس غلام کو بھی، اور پکڑ لیا اس کو کہ کہاں جا رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ امیر کا پیغام لے کے جا رہا ہوں والی مصر کے لئے۔ کیا پیغام لے کے جا رہے ہو؟ کہا کہ امانت ہے تمہیں نہیں دکھا سکتا۔ محمد ابن ابی بکر اور ان کے ساتھیوں کو شک ہوگیا۔ ان لوگوں نے بھی اسے پکڑ لیا اور مار پٹائی ہوئی۔ اب جو تلاشی لی گئی تو اس کے پاس سے خط نکلا۔

اس خط میں کیا ہے؟ وہ خط ہے عبداللہ ابن عامری کے نام جو پہلے سے بیٹھا ہوا ہے

مصر میں۔ اس خط میں ہے کہ دیکھ یہ جو خط لے کے آ رہے ہیں اس خط پر اعتبار نہیں کرنا۔تو ہی میری طرف سے مصر کا والی ہے۔ اور یہ جو آ رہے ہیں ان سب کو قتل کر دینا، ہاتھ پیر کاٹ دینا، اور موقع ملتے ہی محمد ابن ابی بکر کا بھی خاتمہ کر دینا۔

جیسے ہی یہ خط پکڑا گیا یہ لوگ بپھرے ہوئے واپس مدینے پہنچے مولائے کائناتؑ کی خدمت میں کہ یہ دیکھئے یا علیؑ آپ نے کیا کہا تھا اور انہی نے کیا کیا۔ یہ کہہ کر خط مولائے کائناتؑ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ مولاؑ نے خط دیکھ کر کہا کہ میرے ساتھ بھی اتنا بڑا دھوکہ۔ پہنچے دارالامارہ میں اور کہا کہ تم نے مجھ سے قسم کھائی تھی اور پھر یہ حرکت انجام دی۔ وہ کہتے ہیں کہ بخدا میرے علم میں نہیں ہے۔ مولاؑ نے فرمایا کہ یہ اونٹنی تمہاری ہے، یہ غلام تمہارا ہے، اور یہ مہر بھی تمہاری ہے اور یہ کاتب بھی تمہارا ہے۔ کہا کہ ہاں یہ سب کچھ درست ہے مگر میں نے یہ خط نہیں لکھا اور میں اس کے بارے میں بالکل لاعلم ہوں۔ تو پھر کس نے یہ خط بھیجا تھا، کہا کہ میری مہر مروان کے پاس ہے اور وہی میرا کاتب بھی ہے۔ یہ وہ چچا زاد ہے جو سارے خلافت کے کام انجام دیتا ہے وہاں بیٹھ کر، ان کو پتہ ہی نہیں کہ چچازاد سارے کام کر رہے ہیں۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کو جب اقتدار ملتا ہے تو ان کے چچا زادوں، ماموں زادوں، بھانجوں، بھتیجوں اور دامادوں کے عیش ہو جاتے ہیں۔ اور وہ سارے امور پر قابض ہو جاتے ہیں۔ اور جب ان کا محسن مشکلات میں پھنستا ہے تو سب اسے چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ تو یہاں بھی یہ مروان وہی کردار ادا کر رہا ہے۔ اب لوگوں نے مطالبہ شروع کر دیا کہ مروان کو ہمارے حوالے کر دو۔ یہ قصوروار ہے اسے ہمیں دے دو۔ جواب ملا کہ کیسے تمہارے حوالے کر دوں یہ میرا چچازاد ہے۔ تو اسے حملہ آوروں کے حوالے نہیں کیا جاتا۔ اب وہ مرحلہ آن پہنچا کہ جناب لوگوں نے پانی جب بند کیا تو ایک قطرہ پانی کا نہیں ہے جو پانی لے کے آتا ہے اس کی پٹائی کی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ ام المومنین ام حبیبہ نے بھی کوشش کی تاریخ کہتی ہے کہ انہوں نے پانی لے کے جانے کی کوشش کی مگر لوگوں نے روک لیا یہاں تک کہ زخمی ہو گئیں ام حبیبہ۔مگر پانی نہیں لے جانے دیا گیا۔ حالانکہ رسولؐ کی زوجہ

ہیں وہ لوگوں کو برا بھلا کہتی ہوئی واپس چلی گئیں۔

اب پھر پیغام بھیجا مولائے کائناتؑ کے پاس کہ میں اور میرے گھر والے پیاسے ہیں۔ اب یہ ساقی کوثر کا کردار ہے، کیونکہ امام ہے، اس آخری وقت میں بھی پانی کے مشکیزے بھرے اور بیٹوں کو ساتھ لیا اور جب یہ گھر سے نکلے تو مولاؑ کو دیکھ کر مجمع پیچھے ہٹ گیا اور التجا کرنے لگا کہ یا علیؑ یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم نے سب کو روکا ہے اب آپ بھی پانی لے کر نہ جایئے۔ مولائے کائنات نے کہا کہ خبردار! کیا تم شعائرِ اسلام کو بھلا بیٹھے ہو۔ یہ تو کفار بھی نہیں کرتے۔ میں دیکھتا ہوں کون مجھے روکتا ہے۔

کسی کی جرأت نہیں ہوئی، ظاہر ہے کہ علیؑ کو آگے بڑھنے سے کب کون روک سکتا تھا۔ اور علیؑ کے ساتھ اب تو دو جوان بیٹے بھی ہیں، حسنؑ بھی ساتھ، محمد حنفیہ بھی ساتھ، پانی پہنچایا، کئی دن کا ذخیرہ، کہا کہ لو پانی پیئو، کہا کہ کچھ کریں، علیؑ کہتے ہیں کہ اب میں کچھ نہیں کر سکتا، مغیرہ نے مولائے کائناتؑ کو یہاں تک مشورہ دیا، کہ آپ اب باہر نکل جایئے مدینے سے، ورنہ میں یہ آثار دیکھ رہا ہوں کہ کچھ وقت کے بعد یہ بنو امیہ آپ ہی کے اوپر سارا الزام ڈال دیں گے۔ لیکن مولائے کائناتؑ کہتے ہیں کہ نہ مجھے پہلے فکر تھی نہ مجھے اب کوئی فکر ہے۔ پانی پہنچایا پھر واپس آگئے۔

اور یہ بھی درست ہے یاد رکھئے گا کہ دروازے پر زبیر نے بھی اپنے بیٹے عبداللہ ابنِ زبیر کو بھیجا تھا اور مولاؑ نے بھی اپنے بیٹوں کو بھیجا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ ہزاروں کا مجمع ہے۔ کوئی دیوار سے کودا، کوئی چھت سے، کوئی کہیں اور سے کودا۔ جب بھی کوئی بلوا ہوتا ہے تب کوئی پتہ تھوڑی چلتا ہے کہ کون کہاں سے حملہ آور ہوگا۔ یہ تاریخ ہے اس سے منہ نہیں چرایا جا سکتا یہ تو افتخار کی بات ہے یہ اعزاز کی بات ہے کہ دیکھو یہ اسی علیؑ کی اولاد ہے جس پر اتنے ظلم ہوئے ہیں، جس کی ہمیشہ حق تلفی کی گئی ہے۔ لیکن یہ ان کا فریضہ منصبی ہے۔ علیؑ امام ہے۔ تخت پر ہو یا نہ ہو، کیونکہ علیؑ کے سامنے یہ ہو رہا تھا۔ لہٰذا مولا حجت تمام کر رہے تھے کہ دیکھو یہ مت کہنا کہ علیؑ نے ایسے وقت میں اپنا انتقام لیا حالانکہ یہ انتقام لینے کا بہترین موقع تھا۔

تو عزیزو! کیونکہ یہ مزاج امامت نہیں ہے کہ جو حق غصب کرنے والے ہیں، وہ مجبور ہوجائیں، جب وہ لاچار ہوجائیں تب ان کے دشمنوں کی علی الاعلان مدد کی جائے۔ نہیں بلکہ اپنے آپ کو علیحدہ رکھا اور جو مدد ہوسکتی تھی وہ بھی کی۔ یہ نہیں کیا کہ جس طرح اور سارے شریک ہوگئے تھے اس قتل میں آپؑ بھی شریک ہوجاتے۔

یہ علیؑ کا کردار تھا یہ اولادِ علیؑ کا کردار تھا۔ عزیزانِ محترم یہاں تک آپ نے میرا بڑے صبر و حوصلے سے ساتھ دیا ہے۔ اتنا خشک مضمون اور آپ نے جس انہماک کا مظاہرہ کیا ہے وہ میرے لئے حوصلہ افزائی کا باعث بنا ہے۔ کل سے شاید جمل وصفین کی بات آجائے گی۔ تو آپ کے منہ کا ذائقہ تھوڑا سا تبدیل ہوجائے گا۔ لیکن اس کا بھی میں کوئی وعدہ نہیں کرتا میرا انداز ہی ایسا ہے کہیں چل گیا تو چل گیا نہیں چلا تو نہیں چلا۔ ایسے ہی گاڑی چلتی رہے گی کیونکہ آپ نے دیکھا کہ میں سبق کی طرح پڑھ رہا ہوں، پڑھتا چلا جارہا ہوں آپ کے سامنے تاکہ ایک تسلسل آپ کے ذہنوں میں قائم ہوتا چلا جائے تاریخ کا۔

کہ کہاں بنیادیں پڑیں تھیں؟ وہ کون سے دور تھے؟ جب ظالم کو مظلوم اور مظلوم کو ظالم بنانے کی سازش کا آغاز ہوا تھا۔ جو واقعی باغی اور منحرف گروہ تھا انہیں تو پارسا بنا کے پیش کیا گیا اور جو دین کی خاطر قربانیاں دیتے رہے، اور جو دین کی خاطر گھر لٹاتے رہے اور جنہوں نے دشمنوں کی مدد کرنے سے بھی کبھی دریغ نہیں کیا۔ انھیں موردالزام ٹھہرا دیا گیا۔ وہ جن کا اصول ہی یہ تھا کہ دشمن بھی مشکل میں پڑجائے تو اس کی مدد کرو یہ علیؑ کا دین ہے، اور یہی ہمارا دین ہے اور اسی سبق کو ہمیشہ یاد رکھنا کہ کسی بھی دور میں، دشمن مجبور ہو کے تمہارے سامنے آجائے تو اس کو چھوڑ دینا، اس کو معاف کردینا۔ یہ ہمارا کردار ہے یہ علیؑ والوں کا کردار ہے۔ ہم میدان کے شیر ہیں، ہم سوتے ہوئے لوگوں پر حملہ نہیں کرتے ہم عورتوں اور بچوں پر حملہ کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔ ابھی کچھ ہی عرصہ پہلے آپ نے یہ کردار دیکھا اسلام کے نام پر کیا گیا لمبی لمبی ڈاڑھیاں، اونچے اونچے پائنچے اور جب افغانستان میں، مزار شریف اور بامیان میں گھسے ہیں تو ہزاروں اسیروں کو قتل کیا ہے، ان کی عورتوں بچوں کا کیا حال کیا، وہ تو آپ سن بھی نہیں سکتے۔

عزیزو! لیکن یاد رکھنا ہم نے یہ ظلم سہے ہیں، یہ ستم سہے ہیں، کیوں کہ یہ ہماری سنت ہے۔ لیکن ہم ظلم کا جواب ظلم کے ذریعے سے نہیں دے سکتے۔

انہوں نے اپنے ہر عمل سے بتادیا کہ ماضی کی طرح آج بھی یہ اپنے آباؤ اجدادا کی سنت پر چلنے والے لوگ ہیں، ورنہ عورتوں اور بچوں پر حملہ کرنا اور سوتے ہوئے لوگوں کو نشانہ بنانا یہ کوئی بہادری نہیں ہے، یہ کوئی شجاعت نہیں ہے کہ سوتے ہوئے آدمیوں کو ماردیا، یا نہتے لوگوں کو بے خبری میں قتل کردیا، یہ کوئی بہادری نہیں ہے۔ بہادری علیؑ نے ہمیں سکھائی ہے، ہم علیؑ کے ماننے والے لوگ ہیں کہ جب دشمن پر قابو پالو تو اس کو چھوڑ دو۔ جب وہ دشمن تمہارے قابو میں آجائے اور وہ تم سے معافی کا طلب گار ہو، تو عفوو درگزر سے کام لو۔

یہی ہمارا کردار تھا ماضی میں بھی اور آج بھی ہے۔ اور قیامت تک یہی کردار رہے گا۔ ظلم کی کوئی داستان شیعیانِ اہلبیت کے ساتھ منسوب نہیں ہوئی آج تک۔ اس لئے کہ ہمارے ائمہؑ نے ہمیں انسانیت کا درس دیا ہے، اماموں سے ہمیں رواداری کا ہی درس ملا ہے اور یہ ائمہؑ ہی کی تعلیمات ہیں کہ دشمنوں کی اس وقت بھی مدد کی جب چاہتے تو پورا انتقام لیا جاسکتا تھا۔ علی جانتے ہیں کہ یہی بنوامیہ اور ان کی اولادیں ہمارے بچوں کے ساتھ کیا کرنے والی ہیں کربلا میں۔ لیکن علیؑ مشکیزے بھر بھر کے لے جارہے ہیں اور یہاں کربلا میں پانی اولادِ رسولؐ کے سامنے بہہ رہا ہے۔ مگر سیراب ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

فرات بہہ رہی ہے فرات کا پانی ساحل سے سر ٹکرا رہا ہے۔ مگر حسینؑ کی گود میں چند ماہ کا بچہ علی اصغر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر اپنی پیاس کا اظہار کر رہا ہے۔ حسینؑ سے بیعت کا سوال کرنے والوں نے اتنا بھی نہ سوچا کہ کل تاریخ کیا کہے گی۔ جب مورخ یہ لکھے گا کہ بیعت کا سوال تو حسینؑ ابنِ علیؑ سے کیا گیا تھا۔ معصوم علی اصغر کو کس جرم کی سزا دی گئی۔ اس بچے کی پیاس اس طرح سے بجھائی گئی کہ زہر میں بجھا ہوا تیر سہ شعبہ علی اصغر کے گردن کے پار کردیا گیا۔ اور معصوم بچہ باپ کے ہاتھوں پر منقلب ہوگیا۔

الا لعنت اللّٰہ علی القوم الظالمین

مجلس چہارم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشۡرَفِ الۡاَنۡبِیَآءِ وَالۡمُرۡسَلِیۡنَ سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا اَبِی الۡقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّآلِہِ الطَّیِّبِیۡنَ الطَّاہِرِیۡنَ الۡمَعۡصُوۡمِیۡنَ وَلَعۡنَتُ اللّٰہِ عَلٰی اَعۡدَائِھِمۡ اَجۡمَعِیۡنَ مِنَ الۡاٰنِ اِلٰی قِیَامِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ اَمَّا بَعۡدُ فَقَدۡ قَالَ اللّٰہُ تَعٰلٰی فِیۡ کِتَابِہِ الۡمُبِیۡنِ وَھُوَ اَصۡدَقُ الۡقَائِلِیۡنَ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ وَجَعَلۡنٰھُمۡ اَئِمَّۃً یَّھۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا وَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡھِمۡ فِعۡلَ الۡخَیۡرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَاِیۡتَآءِ الزَّکٰوۃِ وَکَانُوۡا لَنَا عَابِدِیۡنَ ٥

(سورۂ انبیاء آیت ۷۳)

عزیزانِ محترم! کل ایک دَور کی طرف بہت کوشش کرکے، بہت احتیاط سے بھی کام لیا، اور بہت سارے پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے آپ کے سامنے گفتگو کی تھی کہ اصل دور کونسا ہے کہ جہاں سے یہ ساری خرابیاں اسلام میں آئی ہیں، اور جس دور سے تفرقے بازی نے عروج حاصل کیا۔

لیکن ان سب خرابیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے جو افسانے گڑھے گئے تھے جیسے کہ عبداللہ ابن سبا کا افسانہ گڑھا گیا اس کا وجود ہی نہیں ہے۔ حقیقت میں اس نام کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ سب سے پہلے اس کردار کا خالق طبری اور پھر اس کی تقلید میں دوسرے

متعصب مورخ اس کردار کو بڑھاوا دیتے چلے گئے۔ جیسے کہ میں نے اشارہ کیا تھا کہ کعب الاحبار اور عبداللہ ابن سلام یا سلام ابن عبداللہ اور ابوزبید جیسے کرداروں کی پردہ پوشی کرنے کیلئے فرضی کرداروں کو وجود بخشا گیا۔

یہ وہ کردار تھے کہ جنہوں نے اسلام میں اسرائیلیات کو داخل کیا تھا۔

دیکھئے آپ ستم ظریفی تاریخ کی، یہ کتنی عجیب بات ہے کہ حدیث بیان کرنے پر تو کوڑوں کی سزائیں، حدیث بیان کرنے پر تو گردن ماردی جائے، حدیث بیان کرنے پر تو جلاوطن کردیا جائے اور یہ یہودی اور عیسائی ایجنٹ آسمانی کتابوں کی خبریں دے اور سب کو یقین آجائے۔ کعب الاحبار کہے کہ میں نے آسمانی کتابوں میں پڑھا ہے اور خلیفہ یقین کرلے۔ کیوں کیا کعب الاحبار کا قول رسولؐ کی حدیث سے زیادہ معتبر ہے؟

کعب الاحبار عبرانی زبان میں لکھی ہوئی کتابوں کے حوالے دیتا ہے اور انہیں تسلیم کرلیا جاتا ہے۔ آسمانی کتابوں کا علم رکھتا ہے اور ان کو ظاہر ہے کہ عبرانی زبان نہیں آتی، وہ جو چاہے ان کو پڑھ کے سنا رہا ہے کہ یہ لکھا ہے، وہ لکھا ہے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جو ابھی کل ہی اسلام لایا ہے اس کی تو ہر بات قابلِ قبول ہے کیونکہ وہ ان کے مفادات کی بات کررہا ہے۔لیکن ابوذر غفاریؓ جس کے لئے خدا کا رسولؐ یہ کہے کہ ابوذرؓ سے زیادہ سچے شخص پر آسمان نے سایہ کیا، اس کے بات نہ صرف یہ کہ رد کردی جائے بلکہ اسے جلاوطن بھی کردیا جائے اور کسمپرسی کے عالم میں اس کی موت واقع ہوجائے۔ بس یہاں ایک سوال کرکے اس بات کو مکمل کرتا ہوں کہ کیا ابوذر غفاریؓ صحابیٔ رسول نہ تھا؟ اور اگر تھا تو اس پر ظلم کرنے والوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

یہ ظلم جو تاریخ میں ہوئے، جنہیں بیان کرنے کے لئے میں اتنی اپنے تیئں مشقت کررہا ہوں، محنت کررہا ہوں، وہ اس لئے کہ کالجوں، اسکولوں، یونیورسٹیوں اور دفتروں میں جیسا کہ آج کا ماحول ہوچکا ہے کہ سوالات کی بوچھاڑ کردی جاتی ہے بالخصوص محرم کے مہینے میں تو یہ صورتحال اور دگرگوں ہوجاتی ہے۔تو بجائے اس کے کہ ہمارے بچے اور بڑے کارزہوں، تاریخ کا ہتھیار اپنے ہاتھ میں رکھیئے اور دوسروں کو کارزہونے پر مجبور کردیجئے۔

صورتحال یہ ہے کہ کل ہمیں اس بات پر ناز تھا کہ ہمارے بچوں کو بھی اتنا علم ہوتا ہے کہ ان سے کوئی بھی مذہب کے معاملات میں بحث کرتے ہوئے ہچکچاتا ہے لیکن اب اکثر جگہوں پر ایسا نظر آتا ہے کہ دوسرے جب سوالات کرتے ہیں تو بحث سے جان چھڑائی جاتی ہے، یہ کہہ کر کہ چھوڑیئے مذہبی بحث نہ کیجئے، ایسا کیوں؟

یہ ٹھیک ہے کہ خوامخواہ کا بحث و مباحثہ اچھا نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی آپ کو چھیڑ ہی دے تو آپ کے پاس اتنا تاریخی مواد ہونا چاہیے کہ آپ اپنے مذہبِ حقہ کا بحسن وخوبی دفاع کرسکیں۔ ایسا کیوں ہوا، یہ چند سالوں میں، چند عشروں میں، گزشتہ تیس چالیس سالوں میں کیوں یہ کایا پلٹ گئی کہ ہمارے بچوں سے گھبرانے والے لوگ اب ہمارے بڑوں کے بھی منہ کو آتے ہیں۔ عزیزو! اسی لئے آپ کے سامنے تاریخ پڑھ رہا ہوں، تاکہ ایک بار پھر وہ ہی دور واپس آجائے کہ اہلِ بیتؑ کے ماننے والوں کے بچوں سے بھی لوگ مذہبی بحث کرتے ہوئے کترائیں۔ بجائے اس کے کہ گالی کا جواب گالی سے دیا جائے، علمی دلائل، تاریخی دلائل پیش کئے جائیں۔

آیئے صاحب ہم بتائیں کہ کون مجرم ہے صحابہ کا، ہم بتائیں کہ کون قاتل ہے صحابہ کا، ہم بتائیں کہ کس نے صحابہ کی توہین کی ہے، ہم بتائیں کہ کن لوگوں نے مکے اور مدینے کی حرمت کو پامال کیا، ہم بتائیں کہ کن لوگوں نے مکے اور مدینے کی گلیوں میں صحابہ کا نہ صرف قتل عام کیا بلکہ صحابہ کی حرمتوں کو بھی پامال کیا، ہم سے پوچھو! ہم بتائیں کہ کون ہے مجرم، لیکن تاریخ کی ستم ظریفی کہ جس نے اپنے اثرات دکھائے اور کوئی بھی دور ایسا نہیں گزرا جب مورخین کے قلم نہ بکے ہوں اور بادشاہان وقت نے اپنی مرضی کی تاریخ نہ لکھوائی ہو۔ لیکن اس سب کے باوجود بعض تاریخی حقیقتیں وہ بھی نہ چھپا سکے۔

میں انہی تاریخی حقیقتوں کو آپ کے سامنے بیان کرنے کا رسک لے رہا ہوں۔ یہ جو میں سبق کی طرح مجلس پڑھ رہا ہوں اسے میں جہاد کا درجہ دیتا ہوں۔ جی ہاں یہ جہاد ہے جو میں مقبول و معروف انداز سے ہٹ کر مجلس پڑھ رہا ہوں اور میں ایسا کیوں کر رہا ہوں۔ ایسا اس لئے کر رہا ہوں کہ شاید لوگوں کا مزاج بدل جائے اور لوگ واپس انہی مجالس کا تقاضا

کرنے لگیں جو آج سے چند عشرے پہلے تک پڑھی اور سنی جاتی تھیں۔

میں آپ کو ایک واقعہ سنا رہا ہوں کہ جس واقعہ نے مجھے مجبور کیا کہ میں تقریر کے انداز کو بدلوں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے ہاں مجلس کا ایک گھنٹے کا مزاج ہے، پانچ دس منٹ اوپر نیچے ہوجاتے ہیں تو کوئی مسئلہ نہیں۔ لیکن اندرون سندھ یا پنجاب آپ جائیے وہاں مجلسوں کا یہ انداز نہیں ہے آپ ڈھائی گھنٹے پڑھیے تین گھنٹے پڑھیے وہاں تو ایک ایک مجلس تین تین دن تک چلتی ہے۔ ایک خطیب پڑھ کر گیا، دوسرا پڑھ کے گیا، تیسرا پڑھ کے گیا، اور ایک دن کی مجلس تو کوئی بات ہی نہیں ہے، وہاں تو کئی کئی دن اور رات تک مجالس جاری رہتی ہیں۔ ایک ایسی ہی مجلس میں میرا بھی جانے کا اتفاق ہوا وہاں میرے سامنے جو واقعہ پیش آیا اس کے بعد میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں دھاڑیں مار مار کے روؤں۔ وہ مہمان خانہ کہ جہاں بہت سارے، خطباء اور ذاکرین بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ مجلس پڑھ کے آچکے تھے کچھ کی باری آنے والی تھی۔

ایک صاحب جو کسی اور شہر سے آئے تھے، اور انہیں کچھ دیر کے بعد مجلس پڑھنا تھی تو انہی نے دوسروں سے پوچھنا شروع کیا کہ آپ نے کیا پڑھا، آپ نے کیا پڑھا، تو جواب میں کسی نے کہا میں نے خیبر پڑھ دی، کسی نے کہا میں نے خندق پڑھ دی، کسی نے کہا کہ میں نے مباہلہ پڑھ دی، کسی نے کہا کہ میں نے غدیر پڑھ دی، وہ صاحب کہتے ہیں سب تو تم لوگوں نے پڑھ دیا میں کیا پڑھوں گا۔ اب آپ مجھے بتائیے کہ یا تو یہ شخص جاہل ہے یا منبر سے بیٹھ کے جھوٹ بولتا ہے، دو میں سے ایک چیز ہے جب منبر سے بیٹھ کے یہ کہتا ہے کہ فضائلِ اہلبیت فضائل کا ایک ایسا بے کراں سمندر ہیں کہ اگر سارے درخت قلم اور سارے سمندر روشنائی بن جائیں تو بھی فضائل اہلبیت ختم ہونے والے نہیں ہیں۔

اب یا تو جھوٹ بول رہا ہے، یا فضائل اہلبیت سے جاہل ہے، جانتا ہی نہیں ہے فضائل اہلبیت کو، انہی دو باتوں میں سے ایک بات ہے، تیسری بات تو کوئی نہیں ہے یا تو اس کو پتہ نہیں، یا پھر جھوٹ بول رہا ہے۔ تو عزیزو! اب بتایئے اگر تاریخ کا تفصیل سے مطالعہ جاری رہتا تو حقیقت یہی ہے کہ فضائلِ اہلبیت کے بے کراں سمندر کو پالیتا اور نوبت

یہاں تک نہ آتی ۔ مجھے معلوم ہے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں بہت سارے لوگ میری اس گفتگو سے ناراض ہوجائیں گے۔ مگر مجھے کسی کی ناراضگی کی پرواہ نہیں ہے اگر آج میں بھی لوگوں کے مزاج کے مطابق گفتگو کرتا رہا تو نہ تو دین مجھے معاف کرے گا اور نہ ہی آنے والی نسلیں۔

یہ موقع میرے لئے بڑا خطرناک ہوتا ہے، اس منزل سے گزرنا بڑا خطرناک ہوتا ہے۔آپ کو نہیں بتا سکتا کہ کس طرح سے میں قابو پاتا ہوں ۔ بس کتابوں سے جب دوستی چھوڑ دیتا ہے انسان تو پھر وہ چند واقعات ہیں، جن کو مختلف انداز سے گھماتا پھراتا ہے اور انہی کو مکمل فضائل سمجھتا ہے۔ جب کہ ایسا نہیں ہے بلکہ فضائل اہلبیت کا فیض تا قیامِ قیامت جاری و ساری ہے۔ دنیا نے مختلف زبانوں میں اپنی پوری قوت کے ساتھ چاہا کہ فضائلِ اہلبیت کا ذکر روک دیا جائے ۔ اس کام کے لئے علومِ اہلبیت سکھانے پر پابندیاں عائد کی گئیں،کتابخانے جلائے گئے، ہمارے علمی خزانوں کو لوٹا گیا ، برباد کیا گیا ، آٹھ آٹھ لاکھ کتابوں کے ذخیرے جلادیئے گئے، نہروں میں بہادیئے گئے، کہ نہ ان کے پاس یہ تحریریں ہونگیں، نہ ان کے پاس یہ علم کے خزانے ہوں گے اور نہ ہی ان کا مکتب آگے بڑھے گا۔

لیکن یہ فیض کیسا تھا علوم اہلبیت کا، کہ پوری دنیا نے ہر پہلو سے حملہ کیا، ہر طرف سے یورش کی۔میڈیا کسی بھی دور میں، کسی بھی طرح کا ہمارے ہاتھ میں نہیں آیا۔آج تک یہی صورتحال ہے۔ ہمارے ہاتھ میں کبھی اقتدار نہیں رہا، جو ہم آزادی سے اپنے موقف کو دنیا کے سامنے پیش کر سکتے۔ جب کہ دوسری طرف کھلی چھوٹ تھی۔تاریخیں بنائیں گئیں، حدیثیں گھڑی گئیں ، کردار وضع کئے گئے اور ہمارے لئے حکم تھا کہ خبردار زبان مت کھولنا، کفر کے فتوے لگائے گئے ۔ ایسے حالات میں کتنے مذہب تھے جو مٹ گئے، اور کتنے مذہب،کتنی تحریکیں، تاریخ کا بس ایک صفحہ بن کے رہ گئیں۔بس یہ فضیلت ہے مکتب اہلبیت کی کہ ہر طرح سے مٹانا چاہا،مگر مکتب اہلبیت نہ مٹ سکا۔

آپ جانتے ہیں کہ ان علوم کا عشرِ عشیر بھی ہمارے پاس نہیں ہے، یہ سب اس عشرِ عشیر کا معجزہ ہے جو آج تک مذہب حقہ اور اس کے ماننے والے سرخرو اور سربلند ہیں۔ امتداد زمانہ اور تاریخ کے ظلم وستم، تاریخ کے جبر کے باوجود جو ذرا سا بچا ہے، وہ اتنا بڑا

خزینہ ہے کہ اگر لوگوں کے ذہنوں میں تھوڑا سا بھی منتقل ہو جائے تو پوری دنیا میں کوئی آپ کے سامنے بات کرنے کے قابل نہ رہے۔ تھوڑی سی دلیل تو قائم کرو، حجت تو قائم کرو۔ تو عزیزو! اب بھی اتنا بڑا خزانہ چھپا ہوا ہے کہ اگر ہم انہی کو نکال نکال کے استعمال کرتے جائیں تو آپ یہ یقین کریں کہ دوسرے اپنے ہی سارے مورخین اور ائمہ اور محدثین کو کافر قرار دے دیں گے۔

بات یہ ہے کہ اگر تھوڑی سی محنت کی جائے تو لوگ خود ہی سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنے لگیں گے اور ہمارے بعض پڑھنے والوں کو منبر پر بیٹھنے سے پہلے دوسروں سے یہ نہیں پوچھنا پڑے گا کہ آپ نے کیا پڑھا، اور آپ نے کیا پڑھا؟ یہ دل کے پھپھولے آپ کے سامنے نہ پھوڑوں تو کہاں پھوڑوں۔ لوگ کہتے ہیں کہ ان باتوں کیلئے ہمارا اپنا میڈیا ہونا چاہیے، اپنا اخبار ہونا چاہیے، اچھا چلیں آیئے اخبار نکالتے ہیں۔ اب جونہی ہم اخبار نکالنے پر راضی ہوئے دوسرے دن سے وہی لوگ غائب جو بڑھ بڑھ کر میڈیا چلانے اور اخبار نکالنے کی باتیں کر رہے تھے۔ تو بتایئے کہ کون نکالے گا اخبار، کون چلائے گا میڈیا، کیا فرشتے آکر یہ کام کریں گے؟ کسی نے کہا کہ صاحب اس موضوع پر کتابیں ہونا چاہئے؟ کون لکھے گا کتابیں اور اگر لکھ بھی دی گئیں تو پڑھے گا کون؟ کیا فرشتے آ کے پڑھیں گے ان کتابوں کو؟

تو جناب باتیں کرنا اور باتیں بنانا بہت آسان ہے اور عملی میدان میں ان پر عمل کرنا بہت مشکل ہے۔ جب تک ہم خوابوں اور خیالوں کی دنیا سے نکل کر حقیقی دنیا میں نہیں آئیں گے اور عملی میدان میں قدم نہیں رکھیں گے۔ علمی میدان میں پیش رفت اور ترقی ناممکن ہے۔ آپ خود ہی اس بات کے شاہد ہیں کہ آپ کے خلاف کتنا کام ہو رہا ہے اور کتنے محاذ کھلے ہوئے ہیں، یہاں تک کہ ایک مٹھی بھر جاہلوں کا ٹولہ صبح و شام الٹی سیدھی بکواس کر رہا ہے، اور لچر لٹریچر چھاپ رہا ہے۔ گاؤں گاؤں، قریہ قریہ، اور شہر شہر آپ کے خلاف مذموم اور ناپاک مہم چلائی جا رہی ہے، صحابہ کے نام کو آڑ بنا کر آپ پر رکیک حملے کئے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کے معاشرے میں آپ کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے، ناپختہ ذہنوں میں یہ بات بٹھائی جا رہی ہے کہ جیسے شیعہ اصحابِ رسولؐ کے دشمن ہیں، ان پر ظلم کرتے

ہیں۔ یہ سب کچھ ایک منظم سازش اور مکمل منصوبہ بندی کے تحت ہو رہا ہے، چند جاہلوں کو آپ کے سامنے کردیا گیا ہے اور پیچھے دماغ کام کررہے ہیں، پیچھے پوری دنیا کا میڈیا کام کررہا ہے آپ کے خلاف۔

اس کے جواب میں ہماری حالت یہ ہے کہ ''مگن ہیں عہدِ رفتگاں کی عظمتوں کے درمیاں۔'' میں اسی میں مگن ہوں کہ ہمارے بزرگ ایسے تھے، ہمارے بزرگ ویسے تھے۔ ہمیں اپنے ماضی پر بڑا فخر ہے اور وہ یقیناً قابلِ فخر ہے مگر ہم خود کیا ہیں؟ اس طرف ہم نے غور نہیں کیا۔ عصرِ حاضر ہم سے کیا تقاضا کرتا ہے یہ ہم نہیں سوچتے۔ ماضی کی داستانوں میں گم مت ہو جایئے۔ بلکہ یہ دیکھیئے کہ عصر حاضر آپ سے کیا تقاضہ کررہا ہے۔

آج بھی ہمارا ہر بچہ حسینؑ کا سپاہی بن سکتا ہے، چاہے وہ اسکول میں ہو، چاہے مدرسے میں ہو، چاہے دفتر میں ہو، لیکن اس کے لئے تھوڑا سا نفس کو مارنا پڑے گا۔ اسی لئے میں نے ان موضوعات کا انتخاب کیا ہے۔

ہمارا مذہب کوئی نیا مذہب نہیں، ہمارا عقیدہ کوئی بعد میں وجود میں آنے والا عقیدہ نہیں بلکہ ہمارا تو نام بھی رسولِ خداؐ کا رکھا ہوا نام ہے۔ نیا مذہب، نیا عقیدہ اور بعد میں وجود میں آنے والے نام دوسروں کے ہیں اس کے ثبوت کے لیے چاہے وہ صواعق محرقہ دیکھ لی جائے جس کے مصنف علامہ ابنِ حجر مکی جیسے شیعہ دشمن ہیں چاہے جلال الدین سیوطی کی تفسیر درِ منثور اٹھا کر دیکھ لی جائے تو وہاں بھی مل جائے گا یہ قولِ رسولؐ کہ ''علیؑ اور اس کے شیعہ خیرالبریہ ہیں''۔

جناب نئے تو وہ نام ہیں جو سو سال کے بعد وجود میں آئے، ڈیڑھ سو سال کے بعد وجود میں آئے، نہ ہمارا نام نیا ہے، نہ ہمارا وجود نیا ہے، نہ ہمارا گروہ نیا ہے، نہ ہماری جماعت نئی ہے، ہم نے رسولؐ کی زندگی میں ہی رسولؐ کے وعدے پر عمل کیا تھا کہ یہ علیؑ ناجی یعنی نجات دلانے والے ہیں۔ ہم جب سے ہی علیؑ کے ساتھ ہیں۔ ہم چودہ سو سال سے وہی ہیں۔ ہم نئے نہیں ہیں جو ذہنوں میں ڈالا جاتا ہے کہ یہ ایک نیا گروہ وجود میں آیا ہے۔ بلکہ ہمارے سوا سب نئے ہیں، ہماری جڑیں عہد رسولؐ میں ہیں، ہمارا وجود دورِ رسولؐ

میں ملے گا۔ ہم نے دور رسولؐ میں اپنے راستے کو پہچانا ہے، اور ایک لمحے کے لئے بھی مولائے کائناتؑ کے بتائے ہوئے راستے سے انحراف نہیں کیا ہے۔

ہم نے اس قولِ رسولؐ کو پہلے دن سے ہی اپنے دلوں میں جگہ دے دی تھی کہ علیؑ کی ذات مومن اور منافق کی پہچان کا معیار ہے۔ مومن اور منافق کی پہچان علیؑ ہے، یہ علیؑ ہے جو فرقان ہے۔ یعنی حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی ذات علیؑ کی ہے۔ ہم ایک لمحے کے لئے بھی اس فرقان سے جدا نہیں ہوئے ہیں۔ ہم نے اس معیار کو کبھی الگ نہیں کیا۔ ہم نئے نہیں ہیں۔ لیکن یہ بات ثابت کرنے کے لئے ہمیں تاریخ کے اوراق کو پلٹنا پڑے گا، سمجھنا پڑے گا، کہ ہم کیوں نئے نہیں ہیں۔ کارنر ہمارے بچوں کو نہیں ہونا ہے، ان کو کارنر کردو جو تم پر حملہ کرتے ہیں، تم سے سوال کرتے ہیں، انہیں چیلنج کرو کہ آؤ علمی میدان میں بات کرو ہم سے۔ آؤ ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ کون نیا ہے اور کون پرانا ہے۔

عزیزو! مسئلہ یہ ہے کہ یہ سب موجود ہے تاریخوں میں۔ اور تاریخ لکھنے والوں نے جو ظلم کیا سو کیا ترجمہ کرنے والے ان سے بھی آگے بڑھ گئے۔ ہماری حقانیت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ہمارے دشمنوں کی لکھی ہوئی تاریخوں کے جب اصل متن کافی ثابت نہ ہو سکے تو ترجمہ کرنے والوں نے ترجمہ کرتے وقت ہمارے خلاف اپنے دل کی بھڑاس خوب خوب نکالی اور اپنے دلوں کے کینے ترجموں میں تحریف کی صورت میں ظاہر کئے۔

تاریخ طبری کا مصنف جو جابر حکمرانوں کا وکیلِ صفائی بنا ہوا ہے۔ اور دشمنانِ اہلِ اہلبیت کو جہاں تک اس سے ممکن ہوسکا بچانے کی کوشش کرتا رہا، اس سے بھی ممکن نہ ہوسکا کہ بعض جگہوں پر وہ بنوامیہ اور بنوعباسؓ کی بداعمالیوں اور بدکرداریوں پر پردہ ڈال سکتا۔ وہ بھی مجبور ہو گیا کہ بعض واقعات کو ان کی حقیقت کے ساتھ بیان کرے۔ اسی طرح سیوطی بھی تاریخ الخلفاء میں بعض چیزوں کو سچ سچ لکھ دے۔ تو جواب میں یہ بھی گوارہ نہ ہوا اور ان مورخین پر بھی شیعہ ہونے کا الزام لگا دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ مورخ شیعہ تھے۔ لیکن تقیہ میں تھے۔ یہ کتنا مضحکہ خیز الزام ہے۔ کیا ان مورخین کے زمانے میں شیعوں کی حکومت تھی؟ کیا یہ مورخین اس زمانے کے حکمرانوں کے وظیفہ خوار نہ تھے۔ سوائے ابن خلدون کے جتنے بھی

مورخ تھے جنہوں نے تھوڑی سی بھی کوئی بات شیعوں کے موقف کے مطابق لکھ دی اس پر شیعہ ہونے کا الزام لگا دیا گیا۔

جتنے بھی مورخ تھے سب نے وقت کے حکمرانوں کی مرضی کو دیکھتے ہوئے اپنے مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے پہلو بچا بچا کر تاریخ لکھی۔ جس تاریخ کو تاریخ اسلام کا نام دیا جاتا ہے وہ یا تو بنوامیہ کے دور میں لکھی گئی یا بنوعباس کے دور میں لکھی گئی۔ اور یہ دونوں خاندان اپنی حکمرانی کے دور میں اہلبیت اور ان کے ماننے والوں کے خون کے پیاسے تھے۔

ان مورخین کا عجیب انداز تھا خود ہی سارے حکمرانوں کے عیب بھی گنواتے ہیں ان کے ظلم وستم کے واقعات بھی درج کرتے ہیں ان کی بدکاریوں کے قصے بھی تحریر کرتے ہیں، اور آخر میں ایک باب بعنوانِ سیرتِ خلیفہ تحریر کرتے ہیں جس میں اس کے تقویٰ اور پرہیزگاری کی داستان ہوتی ہے۔ خود ہی خلیفہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس نے مکہ اور مدینہ کو تاراج کیا اور خود ہی اس کے تہجد گزار ہونے کی بات بھی کرتے ہیں، خود ہی لکھتے ہیں کہ ہزاروں کا قاتل تھا، خود ہی لکھتے ہیں کہ غریبوں کا بڑا ہمدرد تھا اور ان کی احوال پرسی کے لئے وہ راتوں کو لوگوں کے گھروں میں کود جاتا تھا۔

تو یہ سیرت لکھ دی کیوں اس لئے کہ حکم ہے بچاؤ ان کو، ان کے جرائم پر پردہ ڈالو، گناہوں پر پردہ ڈالو۔ یہ صورتحال تھی تاریخ کی۔ عزیزو! ہم نے ان ہی سے لیا جو کچھ بھی لیا۔ یہی بات جب ہم کہتے ہیں تو برا لگتا ہے۔

اگر طبری لکھے کہ لاشہ تین دن بے گور و کفن پڑا رہا اور یہودیوں کے قبرستان میں دفن کیا گیا تو کوئی برائی نہیں ہے اگر ابنِ خلدون یہی بات لکھے تو امام کہلائے۔ اور یہی بات ہم آپ سے بیان کریں تو ہم مجرم قرار پائیں، ہم کافر قرار پائیں، جن باتوں کو بہانہ بنا کر، اور جن واقعات کی آڑ لے کر ہم پر الزامات کی بوچھاڑ لگائی جاتی ہے تو میرے بھائی سب سے پہلے تو انہیں کافر قرار دیجئے کہ جن مورخین اور جن محدثین نے ان واقعات اور ان حدیثوں کو تحریر کیا ہے اور نقل کیا ہے۔

ہم تو آپ کو تاریخ بتا رہے ہیں۔ ہمیں بتایئے کہ کس مورخ نے کہا تھا کہ حش کو کب

(یعنی جنت البقیع کے باہر کا وہ حصہ جہاں یہودی اپنے مرُدوں کو دفن کیا کرتے تھے۔) میں خلیفہ کو دفن کیا گیا تھا۔ کیونکہ مسلمان اڑ گئے تھے کہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہی نہیں ہونے دیں گے یہ طبری نے بھی لکھا ہے ابن خلدون نے بھی لکھا ہے آپ جا کے دیکھ لیجئے اور پکڑ یئے ان افراد کو۔

میں نے عرض کیا کہ خدا نہ کرے کہ میں کسی کی دل آزاری کروں، میں تو اپنے جوانوں کو بتا رہا ہوں، انہیں تاریخ کا ہتھیار ہاتھ میں دے رہا ہوں، آپ کے اپنے مورخین نے یہ سب کچھ لکھا ہے۔ بھائی ہم سے لڑنے سے پہلے اپنی ہی کتابیں اٹھا کے پڑھ لیجئے اور بعض میں تو اس سے بھی بڑھ کر لکھا ہے، وہ آپ جانتے ہیں۔ اس سے آگے میں بتانا نہیں چاہتا کہ کیا کچھ ہوا تھا قتل کے بعد۔ پھر بنوامیہ کے دور میں حش کوکب اور بقیع کے درمیان حائل دیوار گرائی گئی اور اس کو شامل کیا گیا جنت البقیع میں۔ لیکن آج تک وہ حصہ مشہور ہے بنوامیہ کا قبرستان۔ ہم نے کہا خدا کا شکر ہے کہ جہاں یہودیوں کے مردے دفن ہوئے تو وہیں کا نام ہے بنوامیہ کا قبرستان۔

میرا دل جلتا ہے کہ جب معمولی معمولی سی باتیں ہمارے بچوں سے پوچھی جاتی ہیں اور وہ گھر آ کر اپنے ماں باپ سے پوچھتے ہیں اور ماں باپ کہتے ہیں کہ بھئی تم بحث ہی کیوں کرتے ہو۔ بحث کی بات نہیں ہے بلکہ یہ سوال جواب ہونا چاہیے تاکہ بچوں کی معلومات میں اضافہ ہوتا رہے۔ بس طریقہ یہ ہے کہ بچوں کو ایسی تاریخی معلومات سے مسلح کر دیا جائے کہ وہ سوال کے جواب میں سوال پیش کر دیں اور سوال کرنے والا خود اپنے بڑوں سے جا کر سوال کا جواب پوچھتا پھرے۔ کہ بتاؤ تاریخ میں کیا ہوا تھا؟

آپ ان سے پوچھئے کہ بزرگ صحابی رسولؐ عبداللہ ابن مسعودؓ کی پسلیاں کس نے توڑی تھیں؟ کیوں توڑی تھیں؟ کیا وہ صحابیؓ نہیں تھے؟ بلکہ بڑے مشہور صحابیؓ تھے۔ عبداللہ ابنِ مسعودؓ، عمار یاسرؓ اتنا مشہور صحابیؓ اور ابوذرؓ اتنا سچا صحابیؓ، ان سب اصحاب باوفا کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟ یہ آپ پوچھئے اپنے بڑوں سے جا کر اور اگر وہ جواب نہ دے سکیں تو پھر ہمارے پاس آیئے ہم آپ ہی کی کتابوں سے بتا دیں گے کہ ان کے ساتھ کیا کیا گیا تھا۔

اور پھر توہین صحابہ کی جو بھی آپ سزا رکھیں گے تو ایک قدم آگے ہیں ہم اس میں۔ آپ کہتے ہیں دس سال کی سزا دو۔ ہم کہتے ہیں کہ گردن اڑا دو۔ کہو کہ جس نے صحابی رسول کی توہین کی مرتد ہے، کہو جس نے صحابی رسول کو جلاوطن کیا، جس نے صحابی رسول کی پسلیاں توڑیں، جس نے اصحاب رسول کو قتل کرایا، ان سب کی کیا سزا ہے؟

تو عزیزو! یہ وہ تاریخی حقائق ہیں جن کی کوئی تردید نہیں کرسکتا، نہ تمہارا نہ ہمارا، یہ واقعات موجود ہیں تاریخ میں۔ آپ تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد پھر آجائیں گے اسی بات پر کہ صفات دیکھی جائیں گی۔ صفات اگر موجود ہیں تو توصیف کے قابل ہوگا اگر صفات موجود نہیں ہیں تو تعریف و توصیف کے قابل نہیں ہوگا۔

سورۂ منافقون روز صبح و شام قرآن میں گواہی دے رہی ہے کہ ایسے بھی تھے اور ویسے بھی تھے۔ میدانِ جنگ میں جم جانے والے بھی تھے اور بھاگ جانے والے بھی تھے، احکام کی پابندی کرنے والے بھی تھے، جانثار بھی تھے۔ اور احکام کو پامال کرنے والے بھی تھے، نافرمانی کرنے والے بھی تھے۔

معیار یہ ہے کہ صفات کو دیکھا جائے، اسی لئے میں نے آپ کے سامنے ایسے موضوع کا انتخاب کیا ہے۔ میں ان چند مجالس میں پوری تاریخ تو نہیں پڑھ سکتا لیکن تاریخ کے چند اہم اوراق تو پلٹ سکتا ہوں کہ جن کو پلٹنے سے کسی حد تک بات سمجھ میں آجائے گی۔

اور اطمینان رکھئے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کا ذمہ دار ہوں۔ اور کتنی ہی چیزوں پر تو میں نے خود ہی پردہ ڈال دیا ہے، بعض واقعات کی میں وضاحت کرنا ہی نہیں چاہتا۔ پھر بھی کچھ لوگوں کو اگر یہ باتیں بری لگ رہی ہیں تو جاکے پہلے اپنے کتاب خانوں میں سے ان سب کتابوں کو نکال دیں تاکہ جو جڑ ہیں اختلافات کی ان کو ختم کردیا جائے اور اعلان برائت کردیا جائے کہ نہ یہ ہماری کتابیں ہیں اور نہ یہ ہماری تاریخ ہے نہ یہ ہماری حدیث کی کتابیں ہیں، آج سے ہم بھی نہیں کہیں گے۔

عزیزانِ محترم! اب بیعت کا مسئلہ درپیش آیا۔ تاریخ طبری اور تاریخِ ابن خلدون میں مولائے متقیان علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی بیعت کے حوالے سے ”خلافت یا بیعت

علیؑ ابن ابی طالب'' خلفائے راشدین کے باب میں عنوان قائم کیا گیا ہے۔ دونوں لکھتے ہیں کہ حضرات طلحہ و زبیر، مدینے کے نامور اصحاب اور ایک بہت بڑا ہجوم علیؑ کے دروازے پر پہنچ گیا اور کہا کہ اے علیؑ ابن ابی طالبؑ آپ کے سوا اور کوئی ایسا فرد نہیں ہے جو مسلمانوں کی امارت کو سنبھالے، خلافت کو سنبھالے، حکومت کو سنبھالے اور ان کا امیر بنے۔ آپ آگے بڑھیے ہم سب آپ کی بیعت کرتے ہیں۔ طبری نے جو جملہ لکھا ہے وہ یہ ہے، اصلی جملہ ہم بعد میں بتا دیں گے۔

طبری لکھتا ہے کہ علیؑ ابن علی طالبؑ نے کہا کہ نہیں مجھے تمہاری خلافت سے کوئی سروکار نہیں، تم جس کو چاہو اپنا خلیفہ بنالو میں اس پہ راضی ہوں۔ یہ ''میں اس پہ راضی ہوں'' اضافی جملہ ہے۔ راضی واضی کا لفظ نہیں کہا ہے۔ ہاں مولائے کائناتؑ نے یہ کہا کہ مجھے تمہاری خلافت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ میں گھر میں بیٹھا ہوں تم جس کو چاہو اس سواری کی مہار تھما دو۔ جس کو چاہو اس کی سواری کراؤ، لے جاؤ اس ناقہ خلافت کو، مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ لیکن وہاں ایک جملہ آگے بڑھا دیا کہ پہلے والوں کا بھی معاملہ درست کرنا ہے۔ لائین بنانی ہے، یہ مورخین کی ٹیکنیک ہوتی ہے کہ ذہن میں کیا چیز کس طرح بٹھانی ہے۔ کہا جس کو تم بنا دو گے جیسے پہلے بنایا تھا میں راضی تھا، میں پھر راضی ہوں۔ یہ ایک جملہ کہ جس کو بنالو گے میں راضی ہوں، یہ اضافی ہے۔ کچھ تو انہوں نے کیا اور کچھ مترجمین نے کر دیا۔

جمل میں جنگ جب ختم ہوئی، پیر کٹ گئے اونٹنی کے اور وہ بیٹھ گئی تو اس شکست کے بعد تاریخوں میں ایک جملہ ہے کہ کاش میں اس واقعے سے بیس سال قبل ہلاک ہو چکی ہوتی۔ طبری نے لکھا ہے یہ جملہ۔ تاریخوں کا جملہ ہے یہ۔ ''ہلاک ہو چکی ہوتی۔'' جملہ یہیں تک تھا۔ اب اس کو بیلنس کیسے کیا جائے؟ تو کہا کہ علیؑ نے بھی یہی جواب دیا کہ کاش میں بھی بیس سال پہلے ہلاک ہو چکا ہوتا۔ یعنی انہیں بھی افسوس تھا کہ میں ان سے کیوں لڑی اور انہیں بھی افسوس تھا کہ میں ان سے کیوں لڑا؟ بیلنس کرنا ہے، دونوں کو برابر کر کے دکھانا ہے۔ لہٰذا یہ جملہ ضروری ہے۔ مترجموں کا اپنا کمال کہ انہوں نے بھی یہ کہا کہ تم نے جو کام کیا، تم نے جو گناہ کیا تو خدا تمہیں معاف کرے، خدا تمہارے اس کام کی مغفرت کرے۔ اسی کو بیلنس کرنا

کہتے ہیں کہ انہوں نے بھی پلٹ کر کہہ دیا۔ یہ ہے مورخین و مترجمین کا کمال، کیونکہ میڈیا ہاتھ میں ہے اور جہاں کہیں آپ کے حق میں کوئی بات کی تو کہہ دیا، شیعہ راوی ہے یا اس پر شیعیت کا غلبہ ہے۔

آپ ماضی کی باتوں کو چھوڑیے آج تو پڑھے لکھوں کا دور ہے۔ ٹی وی اسٹیشن میں ایک عالم دین کی ریکارڈنگ ہورہی تھی۔ سوال جواب کا سیشن ہورہا تھا۔ ہمارے دوست نے خود ہمیں سنایا۔ سب سوال کررہے تھے، اس نے بھی سوال کردیا۔ اچھا یہ بھی بتادوں کہ دس پندرہ منٹ کا پروگرام ہو تب بھی ریکارڈنگ ایک گھنٹے کی ہوتی ہے تاکہ جو مرضی کی باتیں نہ ہوں وہ سب اڑا دی جائیں اور اپنے مطلب کی باتیں رکھ کر باقی چیزیں کاٹ دی جائیں۔ کاٹ پیٹ کر نشر کردیا جاتا ہے۔ کٹنے والے سوالوں میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ سرکار یہ بتائیے کہ حضور اکرمؐ کا عقد کس نے پڑھایا تھا؟ انہوں نے سوال کرنے والے کی طرف غور سے دیکھا اور پوچھا، کیا نام ہے تمہارا؟ انہوں نے کہا میرا نام یہ ہے۔ پوچھا شیعہ ہو؟ یہ جواب ہے سوال کا۔ ختم۔ ارے بھائی میں ہندو ہوں، میں عیسائی ہوں، میں کوئی بھی ہوں، میں آپ سے سوال کررہا ہوں، آپ میرے سوال کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ یہ جواب دیا اس کے علاوہ کوئی جواب ہی نہیں دیا۔

یہ جواب ہے؟ تو جب آج کے دور میں یہ حال ہے کہ سوال کرلیجیے تو پوچھا جاتا ہے کیا شیعہ ہو؟ بابا آپ سوال کا جواب دیں، لیکن ان کے پاس اس کے سوا کوئی جواب ہی نہیں ہے۔ جو بات مناسب نہ لگے تو کہہ دیں گے شیعہ ہے، یہ جواب ہے ہر سوال کا۔

بھئی سوال کا جواب دو۔ ہم تو نہیں گھبراتے۔ کیوں اس لیے کہ ہمارے پاس معیار حق و باطل ہے۔ ہمیں تو یقین ہے کہ ہم حق کے راستے پر ہیں۔ ہمیں تو یقین ہے اور ہر دور میں ہمارے ساتھ یہی ہوا۔ اس کے باوجود ہم یقین کے ساتھ دین کے راستے پر گامزن رہے اور ہمیں آج بھی یقین ہے کہ ہم ڈگمگا نہیں سکتے۔ جہاں مشکل درپیش آئے گی ہمارا ولی، ہمارا سرپرست موجود ہے وہ ہمارا ہاتھ تھام لیتا ہے کہ مت گھبراؤ، دو جواب۔

ہمیں کوئی گھبراہٹ نہیں ہے کیونکہ ہمارے سامنے ہمارے مراجع کی تاریخ ہے کہ جب

کسی مرجع نے گھبراہٹ کا اظہار کیا کہ فتویٰ نہیں دے سکتا۔ امامؑ آ گیا کہ کیوں نہیں دیتے جلی فتویٰ دو۔ کہا مولاؑ ڈر لگتا ہے کہ وہ ایک مسئلہ غلط ہوگیا تھا۔ کہا ہم جو بیٹھے ہیں ہم نے اس وقت بھی تمہاری ہدایت کی تھی۔ دو مومنین کے لیے فتویٰ۔ وہ مسائل میں گرفتار ہیں، جہاں تم خطرے میں گرفتار رہو گے، وہاں ہم جو ہیں تمہاری ہدایت کے لیے۔ تو ہمیں کاہے کا خطرہ۔ بھئی ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ہم سوال کرنے والے سے یہ نہیں پوچھتے کہ تیرا دین کیا ہے؟

عزیزو! گھبراہٹ وہاں ہوتی ہے جہاں تحریفات ہوں، جہاں دل میں چور ہو۔ آپ کیسے جواب دیں لہٰذا اصل متن میں بھی تحریف جہاں اصل متن بچ گیا وہاں ترجمے میں تحریف۔ کون عربی کی اصل عبارتیں پڑھے گا؟ اگر اصل متن اور ترجمہ دونوں تحریف سے بچ گئے تو پھر حاشیہ لگا دو، ذہنوں کو بھٹکانے، منتشر رکھنے کے لیے، دل میں شیطانی وسوسے ایجاد کرنے کے لیے۔ جہاں مورخ نے ذرا بھی خلاف مرضی بات لکھی تو اب اس کو شیعہ کہہ دو۔ یہ کہنے کے بعد کچھ اور کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔

اتنی تنگ نظری اور ایسا تعصب کہ سوال سننا تک گوارا نہیں، جواب دینا تک گوارا نہیں؟ سیدھی سی بات ہے کہ اچھا یہ سوال ہے تو اس کا یہ جواب ہے، یہ میری بات کا کب جواب ہوا کہ میں تو آپ سے سوال کروں کہ رسولِ خداؐ کا نکاح کس نے پڑھایا تھا اور آپ مجھ سے پوچھیں کہ آپ کا نام کیا ہے اور کیا آپ شیعہ ہیں؟

اچھا آپ نہیں بتا سکتے تو ہم بتا دیتے ہیں آپ کو مگر آپ تو ہم سے بھی سننے کو تیار نہیں ہیں کہ تم لوگ تو اسی طرح پروپیگنڈا کیا کرتے ہو۔ اچھا تو آپ بتا دیں کہ کس نے حضور اکرمؐ کا نکاح پڑھایا تھا۔

یہ ہے ہمارے ساتھ ستم ظریفی مگر میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں، لوگ تو مجھے منع کرتے ہیں اب بھی کریں گے۔ آپ کیوں ایسی بات کرتے ہیں؟ اس طرح کی مجالس کیوں پڑھتے ہیں؟ وہی مخصوص لگے بندھے انداز کی مجالس پڑھیں۔ مگر نہیں عزیزو! ہم دین کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں۔ ہم اور آپ کیا ہیں؟ دین کے ادنیٰ سپاہی تو ہیں۔ خدا کی قسم ہم خدمتِ دین کے سوا کوئی جذبہ نہیں رکھتے۔ انسان کو بس یہ نیت رکھنی چاہیے کہ مجھے دین کی صدق دل

سے خدمت کرنا ہے۔ گناہ گار تو آپ بھی ہیں، گناہ گار تو میں بھی ہوں، ہم سب ایک ہی جیسے لوگ تو ہیں۔ اس کے باوجود ہم سب امام زمانہؑ کے سپاہی ہیں، ہمیں اپنی ذمہ داری کا احساس رہنا چاہیے، آپ اپنی ذمہ داری پوری کریں میں اپنی ذمہ داری پوری کروں۔ بس جو میری ذمہ داری ہے میں اس سے وفا کروں اور جو آپ کی ذمہ داری ہے آپ اس سے وفا کریں۔ وہ عہد جو ہم نے دین سے کر رکھا ہے، وہ عہد جو ہم نے حسینؑ سے کر رکھا ہے، علیؑ سے کر رکھا ہے۔

کیا خطرہ ہوسکتا ہے ہمیں اس راستے میں، کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا، کچھ وقتی اتار چڑھاؤ آسکتے ہیں اس راستے میں۔ اس لیے تاکہ ہم راہ راست پر رہیں، بھٹکنے نہ پائیں۔ تھوڑا سا بھی بہکنے لگیں تو جھٹکا لگ جاتا ہے تاکہ ہلکے ہلکے واپس آجائیں۔ تمہارے سنبھلنے کے لیے یہ اتار چڑھاؤ آتے ہیں تاکہ دین کے راستے پر تم مستحکم رہو۔

اس طویل جملہ معترضہ سے پھر اپنے اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔ سب نے لکھا ہے، تمام تاریخوں نے یہی جملہ لکھا ہے کہ لوگ جوق در جوق مولاؑ کی طرف بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے۔ سب مولاؑ سے بیعت قبول کرنے کی التجائیں کر رہے ہیں، تاریخ طبری کے الفاظ میں گڑگڑا رہے ہیں کہ علیؑ دیکھیے اگر آپ نے ہماری امارت نہ سنبھالی تو عالم اسلام میں فساد پھیل جائے گا۔ مولاؑ فرماتے ہیں اچھا کل آؤ، کل دیکھیں گے، کل بتائیں گے۔ اگلے دن اس سے بڑا ہجوم مسجد نبویؐ میں جمع ہوا۔ جس فرد نے سب سے پہلے بیعت کی وہ حضرت طلحہ ابن عبیداللہ ہیں۔ انہوں نے کہا علیؑ اپنا ہاتھ بڑھائیے اور علیؑ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ رکھا اور کہا کہ میں آپ کی بیعت کرتا ہوں، آپ میرے امیر ہیں۔ دوسرے فرد حضرت زبیر ابن عوام ہیں جنہوں نے بیعت کی، پورا مدینہ جو عرف عام میں نصب خلافت کے لیے ''اہل حل وعقد'' کہلاتا ہے وہ علیؑ کی بیعت میں داخل ہوگیا۔ عالم اسلام میں پہلا فرد جس کی برسرِ عام بیعت کی گئی۔ خلفاء میں پہلا خلیفہ جس کی بیعت عوامی انداز میں ہوئی ہے۔ ووٹنگ کا زمانہ نہیں ہے کہ عالم اسلام میں ووٹنگ کرائی جاسکے، عالم اسلام کی نظریں مدینے پر ہیں، پورے عالم اسلام کی نگاہیں مدینے پر مرکوز ہیں جو فیصلہ مدینے والے کریں گے، مہاجر و

انصار کا گروہ کرے گا وہ سارے عالم کے لیے قابل قبول ہوتا ہے۔

وہاں کوئی ووٹنگ نہیں ہوتی، نہ اس زمانے میں ووٹنگ کا طریقہ رائج ہے۔ ہماری نظر میں یہ غلط ہے، ہم تو ''منصوص من اللہ'' کے قائل ہیں۔ لیکن رائج کردہ طریقہ میں چوتھے نمبر پر مدینے والوں نے علیؑ کی بیعت کرلی ہے۔

ہر چند کہ کچھ افراد نے بیعت نہیں کی لیکن ایسا پہلے بھی ہو چکا ہے۔ حضرت علیؑ نے بھی بیعت نہیں کی تھی، سعد بن عبادہ نے بھی بیعت نہیں کی تھی، زبیر بن عوام نے بھی بیعت نہیں کی تھی۔ مگر اس وقت جبر و تشدد کا راستہ صرف علیؑ کے ہی لیے کیوں اختیار کیا گیا؟ باقی کسی کے لیے بھی جبر و تشدد کا راستہ اختیار نہیں کیا گیا۔ سعد بن عبادہ نے بھی آخر وقت تک بیعت نہیں کی تھی۔ یہاں تک کہ انہیں ''جنوں'' نے تیر مار کر ہلاک کردیا۔ ہم بھی تیر مارنے والوں کو ''جن'' ہی کہتے ہیں مگر ہم سوچتے ضرور ہیں کہ جنوں کو سعد سے کیا دشمنی تھی؟ ''جن'' لوگوں کی ان سے دشمنی تھی، انہی کے جنات تھے جنھوں نے تیر مار کے سعد بن عبادہ کو شہید کردیا لیکن ان سے بھی کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ زور زبردستی نہیں کی گئی کہ آؤ۔ زبردستی گھر سے نہیں کھینچا گیا، گھر کے دروازے کو آگ نہیں لگائی گئی۔

کچھ نہ کچھ لوگ ہمیشہ ایسے رہے ہیں جو بیعت نہیں کرتے تھے۔ علیؑ کی خلافت کے موقع پر بھی ایسا ہوا کہ کچھ افراد نے بیعت نہیں کی۔ علیؑ نے کہا ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر یہ فتنہ برپا نہ کریں تو ان سے باز پرس نہ کی جائے۔ بس اتنا کرو کہ مدینے سے باہر میری اجازت کے بغیر نہ جائیں۔ لیکن بعد میں ان میں سے کئی افراد بغیر اجازت کے چلے بھی گئے۔ بنو امیہ کی جتنی باقیات مدینے میں تھی وہ خصوصاً یہ سمجھ رہی تھی کہ ہمارے ساتھ بدلے چکائے جائیں گے۔ مگر علیؑ نے کیا کیا؟ کہا ان کو مکمل تحفظ دو۔ ان کو اناج دو۔ ان کو وظیفہ دو۔ بیعت کی ہے، نہیں کی ہے، اس سے کوئی سروکار نہ رکھو۔ بہر حال اکثریت نے علیؑ کی بلا جبر و اکراہ بیعت کرلی۔

وہ جو حج کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے تھے اور یہ کہہ کر گئے تھے، اس نعثل کو اس بوڑھے کو مار دو، قتل کردو، تاریخ کی بڑی بڑی نامور ہستیوں نے یہی کہا تھا کہ اس بوڑھے کو

مارو، اس کی لاش کو بوری میں بند کرواور تم نہیں پھینک سکتے تو یہ کام ہمارے ذمہ لگادو، ہم خود اسے سمندر میں پھینک آئیں گے۔ صرف اشاروں پر اکتفا کر رہا ہوں، تفصیلات کے لیے تاریخ سے رجوع کریں۔ وہ جو مدینے والوں کو قتل پر اکسا کر مکہ پہنچے تھے جنہوں نے صرف اور صرف قتل پر اکسایا تھا کہ مارو۔ حج مکمل کر کے واپس پلٹ رہے ہیں۔ مدینہ میں ۱۳ ذی الحجہ کو یہ واقعہ ہوا اور ۱۸ ذی الحجہ کو مولاؑ نے ظاہری طور پر خلافت سنبھالی ہے۔ ادھر حجاج واپس اپنے ٹھکانوں کی طرف پلٹ رہے ہیں۔

واپسی کے سفر کے دوران بیبیوں کی عبید ابن سلمہ سے ملاقات ہوگئی، پوچھا مدینہ کی سناؤ۔ بتایا کہ ''ان'' کا کام تمام ہوگیا ہے۔ پوچھا مدینے کے مسلمانوں نے کس کو اپنا امیر بنایا ہے؟ ابن سلمہ نے کہا علیؑ ابن ابی طالبؑ کو۔ بس یہ سننا تھا کہا کہ کاش یہ خبر سننے سے پہلے زمین پھٹ جاتی اور میں اس میں سما جاتی۔ عبید کہتا ہے کہ کیا کہہ رہی ہیں اماں۔ ابھی کچھ دن پہلے تک تو آپ کا یہ فرمانا تھا کہ روئے زمین پر علیؑ سے زیادہ بافضیلت کوئی شخص نہیں ہے، علیؑ سے قابل کوئی نہیں ہے، علیؑ سے زیادہ خدا اور رسولؐ کا دوست کوئی نہیں ہے اور آج ان کے لیے کہہ رہی ہیں کہ زمین پھٹ جاتی اور میں اس میں سما جاتی مگر علیؑ کو امارت پر نہ دیکھتی۔ اور جن کے لیے آپ کا فرمانا تھا کہ مارو اس بوڑھے کو اب اس کی مظلومیت کا رونا رو رہی ہیں۔ تو کہا نہیں بس میں غلطی پر تھی۔ مجھے پتہ چل گیا تھا کہ انہوں نے توبہ کر لی ہے، جب توبہ کر لی تو اللہ نے معاف کر دیا۔ اب میں بدلہ لوں گی مظلوم خلیفہ کے خون کا۔

کس سے لیں گی آپ بدلہ، ابن سلمہ نے پوچھا، بولیں اسی سے لوں گی جو اب خلیفہ بن کے بیٹھا ہے، عبید ابن سلمہ نے کہا کہ وہ تو قتل میں شریک نہیں تھا۔ کہا کہ نہیں یہ ذمہ دار ہے قصاص لینے کا، ابن سلمہ نے کہا کہ کچھ وقت ملے تو قصاص لے گا۔ وہ بھی تو یہی کہہ رہا ہے کہ امن وامان تو قائم ہونے دو، انتظام تو پورے طور سنبھالنے دو۔ مگر کیا کیا گیا کہ ایک دم خون بھرا کرتا عالم اسلام میں تشہیر اور انتقام کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ بدلہ لینا ہے، بدلہ لینا ہے کی صدائیں گونجنے لگیں۔

ادھر جنہیں مصر اور بصرے کی گورنری ملنے کی توقع تھی، تاریخ نے لکھا ہے کہ جب ان

کی یہ توقع پوری نہ ہوئی تو انہوں نے بھی کہا کہ اب مدینے سے نکلنا چاہیے یہاں کچھ نہیں ملے گا۔ سو انہوں نے چار مہینے کے بعد بیعت توڑ دی اور اس طرح ناکثین کا گروہ سب سے پہلے میدان میں آ گیا۔ یہ لوگ مکہ پہنچے۔ بصرے سے عبداللہ ابن عامر بھی بھاگ کر ان سے آ ملا۔ اب دیکھیے بصرے کا والی امامؑ نے کس کو بنایا؟ عثمان بن حنیف کو جو ایک نہایت غریب اور متقی انسان تھا۔ اس عابد شب زندہ دار اور غریب انسان کو بصرے کی گورنری کے اہم منصب پر فائز کر دیا۔

امامؑ کی نظر میں منصب کے لیے اہلیت کا معیار ہے بصیرت و لیاقت اور تقویٰ۔ عثمان بن حنیف کی بصیرت، لیاقت اور صلاحیت کی گواہی امامؑ نے اسے منصب سونپ کر دی کہ اللہ کا یہ صالح بندہ غربت کے باوجود اعلیٰ منصب کی اہلیت رکھتا ہے۔ عثمان بن حنیف کو کس حالت میں گورنری کا پروانہ ملا تھا کہ پنڈلیاں گارے میں، ہاتھ کیچڑ سے لت پت، کدال سے مزدوری جاری ہے کہ بیٹا دوڑا دوڑا پہنچا، ابا چلو تم بصرے کے گورنر بن گئے ہو۔ ڈانٹا بیٹے کو کہ بڑھاپے میں باپ سے مذاق کرتا ہے، بیٹا کہتا ہے مجھ سے کیوں ناراض ہو رہے ہو، علیؑ نے تمہیں بصرے کا گورنر بنا دیا ہے۔ تمہیں والی بنا دیا ہے۔

عثمان بن حنیف پہنچے علیؑ کی خدمت میں، پوچھا کیا ماجرا ہے۔ مولاؑ نے فرمایا گورنری کے لیے جس لیاقت، بصیرت، تقویٰ اور امانت داری کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں وہ تمام چیزیں تم میں پاتا ہوں لہٰذا میں نے تمہیں بصرے کے انتظام پر مامور کر دیا ہے۔ اب جاؤ اور اپنی ذمہ داریاں انجام دو۔ تم سے بہتر بصرے کا انتظام کوئی نہیں چلا سکتا۔

یہاں تو پہلے پارٹی کو دس لاکھ روپے دو الیکشن کے لیے، پھر ایک کروڑ خود خرچ کرو الیکشن پر تو جب سوا کروڑ اپنا خرچ ہو گیا تو اب قوم کی خدمت کیسے ہو گی؟ یہی صورت ہے ناں آج پورے پاکستان میں؟ تو ایسی ہی خدمت ہو گی۔ جیسی نظر آ رہی ہے۔ شکایت کرنا کہ ٹوٹی پڑی ہیں سڑکیں، تباہ ہو گیا شہر، کھا لیا، لوٹ لیا، بھیا ایسے ہی ہو گا۔ جب دس لاکھ پارٹی فنڈ پہلے دو۔ تو اب کوئی غریب الیکشن اور سیاست کا تصور کر سکتا ہے؟ تو بھائی یہ تو بنا ہی تھا ان سرمایہ داروں، جاگیرداروں کے لیے۔ سرمایہ داری سے بھی زیادہ گہری جڑیں یہاں فیوڈل

ازم(Feudalism) کی ہیں۔

یہ جو بڑے بڑے فیوڈلسٹ(Feudalist) بیٹھے ہیں، یہ جاگیردار یہ وڈیرے، پاکستان کو اپنے باپ کی میراث سمجھ کے، پاکستان کی تباہی کے سب سے بڑے ذمہ دار یہی وڈیرے ہیں۔ یہ جاگیردار جو آج بھی غلام بنائے ہوئے ہیں لوگوں کو، جن کی آج کے ترقی یافتہ زمانے میں بھی نجی جیلیں ہیں۔تو عزیزو! مسئلہ یہ ہے کہ جب سوا کروڑ وہ خرچ کردیں گے تو اب مسئلہ یہ ہوگا کہ سیٹ ہمیں دو، حکومت اس علاقے پر ہماری ہونی چاہیے، یہ مظلوم انسان ہمارے چنگل سے نکلنے نہ پائیں۔ یہ غریب کسان، یہ غریب مزدور، یہ ہمارے چنگل سے نکلنے نہ پائیں۔تو یہ معیار ہے کیوں؟ غریب آدمی تو الیکشن لڑنے سے رہا، پھر اتنا خرچ کرو، وہ سب وصول بھی تو کرنا ہے، وہ کس سے وصول کیا جائے گا؟ آپ ہی سے وصول کیا جائے گا سرکار۔تیس ارب ڈالر ہڑپ کر گئے یہ حرام خور، یہ مفت خور، اور چھری چل رہی ہے آپ کی گردنوں کے اوپر، آپ ہر ستم خاموشی سے سہہ رہے ہیں۔ پریس کانفرنسوں میں بتاتے ہیں۔ بھئی ہم کیا کریں پوری دنیا میں پیٹرول مہنگا ہورہا ہے، پوری دنیا میں شکر مہنگی ہورہی ہے ۔ فلاں ملک میں اتنی مہنگائی ہے، فلاں ملک میں اتنی مہنگائی ہے۔ بدبختو! تمہارے لیے کتنا مہنگا ہے یہ تو بتاؤ؟ تمہارے گھروں کے لیے کتنا مہنگا ہے۔ یہ تو بتاؤ؟

غریب بے چارہ بجلی کا ایک بلب چوری کر کے جلا رہا ہے اور تم جو پچاس سال سے پورے ملک کی بجلی چرا رہے ہو، جس کی قیمت آج ہمیں چکانی پڑ رہی ہے۔ یہ حقائق ہیں کیونکہ ہم لوگ بھی تو کبھی کبھی ان جرائم میں شریک ہوجاتے ہیں، اس لیے سننا چاہیے۔ہمیں بتایا جاتا ہے کہ صومالیہ میں اتنے روپے لیٹر ہے پیٹرول، افریقہ کے فلاں ملک سینگال میں اتنے روپے کا لیٹر ہے، وہاں ان کے پاس ہنڈا موٹر سائیکل بھی نہیں ہے کہ اس میں پیٹرول ڈالیں۔ وہاں سو ڈالر کا لیٹر ہوجائے تو ان غریبوں پر کیا اثر پڑے گا؟

تو تم کیا چاہتے ہو کہ یہاں بھی یہی حال ہوجائے؟ یہ بتاؤ کہ تمہارے خزانوں میں کتنا جمع ہوگیا؟ یہ ایک دوسرے کو چور کہنے والے لوگ، یہ سب چوروں کے خاندان کہ جو کھا گئے اس ملک کو، اور جو یہ بات کرے وہ ان کی نظروں میں ملک دشمن ہے، جو محبِّ وطن

ہیں، جو اس زمین سے محبت کرتے ہیں، جو اس ملک سے محبت کو دین کا جزو سمجھتے ہیں۔ یہ ہمارے دین کا حصہ ہے۔ یہ ہمارے رسولؐ کا قول ہے کہ جس کو اپنے وطن سے محبت نہیں ہے اس کا کوئی دین ہی نہیں ہے اور جب کوئی محبّ وطن آ کر یہ بات کرے تو یہی غدار ہے وطن کا۔ اسی کی زبان بندی کرو، اسی کی زبان کاٹو۔ (صلواۃ)

ایک بار پھر دردِ دل کے بیان میں آپ حضرات کو ایک طویل جملہ معترضہ کی سماعت سے گزرنا پڑا۔ تو عزیزانِ محترم ! عثمان بن حنیف کو والی بنادیا، گورنر بنا دیا مولاؑ نے کہ جاؤ میں تم میں لیاقت و بصیرت پاتا ہوں۔ تم جاؤ اور منصب سنبھالو تم گورنر ہو۔ تو اب جو پیسے لے کے بیٹھے تھے، خزانے لے کے بیٹھے تھے کہ ہم نے حمایت کی ہے، ہم نے رائے عامہ کو ہموار کیا ہے علیؑ کے لیے تو گورنری کا منصب تو ہمیں ملنا چاہیے، ولایت کا منصب تو ہمیں ملنا چاہیے۔ ان کے تو ارمانوں کا خون ہوگیا، آرزوؤں پر پانی پھر گیا۔ لہٰذا انہوں نے تیس ہزار کا لشکر تیار کیا اور بصرے کو تاراج کر ڈالا۔ عثمان بن حنیف کی داڑھی کا ایک ایک بال نوچ ڈالا۔ اس پر بدترین تشدد کیا اور اسے بصرے سے جلاوطن کیا، باہر نکال دیا علیؑ کے جاں نثار کو۔ ویسے تو تاریخ کے واقعات کی اپنی جگہ اہمیت ہوتی ہے مگر میں اختصار سے کام لینے پر مجبور ہوں اور بہرحال مجھے ایک نتیجے تک پہنچنا ہے۔

مولاؑ نے بھی بیس ہزار کا لشکر تیار کیا اور بصرہ پہنچ گئے۔ راستے میں عثمان بن حنیف سے ملاقات ہوئی۔ دیکھا تو حیران رہ گئے۔ یہ کیا ہوا بھئی؟ داڑھی کے ساتھ بھیجا تھا، بغیر داڑھی کے واپس آ گئے؟ عثمان بن حنیف خوش مزاج بھی تھے۔ کہا مولاؑ میری داڑھی اونٹنی چگ گئی۔

تو عزیزانِ محترم ! مولاؑ کا لشکر بصرہ کے پاس پہنچا۔ بہت دن تک مذاکرات ہوتے رہے۔ علیؑ نہیں چاہتے کہ جنگ ہو، اسی لیے بار بار حجت تمام کی جارہی ہے۔ طلحہ اور زبیر سے کہا کہ کیا تم نے میری بیعت نہیں کی تھی؟ کہا کی تھی مگر جبراً بیعت لی گئی تھی۔ مولاؑ نے پوچھا کیا میں تلوار لے کر تمہارے گھر گیا تھا یا تم میرے پاس گھر آئے تھے کہ آپؑ ہمارے امیر بن جائیں؟ کس کی تلواریں تھیں تمہارے سروں پر، کس کا خوف تھا، میں تو اپنے گھر بیٹھا ہوا تھا۔ تم ہی نے تو اصرار کیا تھا کہ آپ ہمارے امیر بنیں، آج تمہیں یہ کیا ہوگیا ہے کہ تم

بیعت کو توڑ کر مقابلے کے لیے آ گئے ہو؟

عزیزانِ محترم! سب ازواجِ رسولؐ جو مکہ سے واپس چلی تھیں، مدینہ روانہ ہو گئیں کسی نے مولاؑ کے خلاف حضرت عائشہؓ کا ساتھ نہیں دیا۔ کیونکہ رسولؐ کا قول سنا ہوا تھا۔ ایک نے جو ہمیشہ ساتھ دیتی تھیں۔ دوسری کا ساتھ دینے کے لیے رکنا بھی چاہا تو بھائی عبداللہ آڑے آ گیا کہ خبردار! اس جنگ میں حصہ نہ لینا۔ کیونکہ وہ ہر جگہ ساتھ دیتی تھیں انہوں نے کہا یہاں بھی ساتھ دوں گی۔ حالانکہ بھائی عبداللہ ابن عمرؓ نے بھی بیعت نہیں کی تھی اس کے باوجود اس نے کہا کہ رسولؐ کا قول سن رکھا ہے لہٰذا آپ ساتھ نہیں دیں گی۔

یہ سب جمع ہوئے۔ اور مولاؑ حجت پر حجت تمام کر رہے تھے۔ تو احنف بن قیس آیا اور کہنے لگا کہ مولاؑ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ جب ہم غلبہ پالیں گے تو تمام مردوں کو قتل کر دیں گے۔ ان کی بیویوں اور ان کے بچوں کو اسیر بنالیں گے، قیدی بنالیں گے۔ آپؑ کیا کریں گے؟ علیؑ کہتے ہیں بخدا علیؑ سے یہ کام نہیں ہوگا۔ اگر میں نے غلبہ پالیا تو نہ میں ان کا تعاقب کروں گا، نہ ان کا مال لوٹوں گا، نہ ان کو اسیر بناؤں گا، نہ ان کو قتل کروں گا اور نہ ان کے بال بچوں کو قیدی بناؤں گا۔ علیؑ سے یہ کام ہونے والا نہیں ہے۔ کہا مگر احنف تیرا بھید نہیں کھلتا کہ تو کس کے ساتھ ہے تو اُدھر ہے کہ اِدھر ہے؟ کہا کہ مولاؑ جو آپ حکم کریں۔ آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کے لشکر میں رہ کر لڑوں تو میں دو سو سپاہی آپؑ کو فراہم کر سکتا ہوں جو میرے قبضہ و اختیار میں ہیں۔ یا پھر ان میں رہ کر دو ہزار سپاہیوں کو آپ کے خلاف لڑنے سے روک دوں۔ مولاؑ نے دوسری رائے کو پسند کیا۔

مذاکرات میں کافی وقت گزر گیا کہ ایک موقع پر مولاؑ اپنے لشکر سے نکلے اور میدان میں آ کر پکارا کہ میں زبیر سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ زبیر اپنے لشکر سے نکل کر علی کی طرف روانہ ہوئے تو اماں نے فریاد کرنی شروع کر دی کہ ہائے میری بہن اسماء اب بیوہ ہو جائے گی۔ کہا کیوں بیوہ ہو جائے گی۔ کہا کہ علیؑ کے مقابلے پر جا رہا ہے زبیر۔ زبیر کی زوجہ کا نام اسماء ہے۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ علیؑ کے مقابلے پر جو آیا اس کی بیوی تو ہو گئی بیوہ۔ پہلے ہی سے یقین ہے، ابھی تو لڑائی شروع بھی نہیں ہوئی۔ (صلواۃ)

تو لوگوں نے کہا کہ نہیں نہیں یہ تلوار لے کے نہیں آئے ہیں، ابھی غیر مسلح ہیں، کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔ اب اطمینان ہوگیا ابھی بیوہ ہونے سے بچ گئیں تو خیر وہ پہنچے اور علیؑ نے کہا زبیر میں تمہیں ایک واقعہ یاد دلانا چاہتا ہوں۔ پہلے قسم کھاؤ کہ اگر تمہیں یاد آ جائے گا تو تم اس کی تائید کروگے۔ کہا کہ ہاں علیؑ اگر یاد آ گیا تو میں کیوں اس کی تائید نہیں کروں گا؟ کہا کہ تمہیں یاد ہے ایک دن رسول خداؐ تمہارا ہاتھ تھامے ہوئے ساتھ ساتھ چل رہے تھے، کسی واقعہ کا ذکر کیا کہ میں سامنے نہیں تھا کسی مہم کے لیے گیا ہوا تھا، یہودیوں کی طرف، دیر ہوگئی تو تم پریشان ہوگئے تھے اور تم نے رسولؐ سے کہا تھا کہ خدا کے رسول مجھے اجازت دیجیے کہ میں علیؑ کی خبر لے کر آؤں۔ رسولؐ نے کہا تھا کہ کیوں زبیر کیا تم علیؑ سے بہت محبت کرتے ہو۔ تو تم نے کہا تھا ہاں خدا کے رسولؐ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے کہ ہم سب علیؑ سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ کیا تمہیں یاد ہے؟ زبیر نے سر جھکا لیا کہ ہاں علیؑ مجھے یاد ہے۔ کہا زبیر قسم کھا کر بتاؤ کہ یہ بھی یاد ہے تمہیں کہ رسولؐ نے کہا تھا زبیر آج ایسی محبت کا اعلان کر رہے ہو، ایک دن تم علیؑ کے مقابلے پر آ جاؤ گے اور اس وقت تم علیؑ کے مقابلے میں ظلم کروگے، علیؑ کے حق میں ظلم کروگے، علی حق پر ہوگا۔ زبیر کہتا ہے کہ ہاں علیؑ مجھے یاد ہے۔ کہا اب کیا ارادہ ہے؟ زبیر نے گھوڑے کا رخ موڑا اور زبیر کے یہ الفاظ تاریخ میں ہیں کہ کاش مجھے رسولؐ کا قول یہاں آنے سے پہلے یاد آ جاتا تو میں کبھی اس جنگ میں شرکت نہ کرتا۔

عزیزو! ایک بات بتادوں آپ کو، کبھی عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ مولائے کائناتؑ کا ہی قول ہے کہ جب مشتبہ چیز تمہارے سامنے آ جائے تو توقف کرلو، خود کو روک لو۔ حضرت زبیر کا جو کردار ہے ناں وہ ہے مشتبہ۔ اب رک جائیے۔ جس نے ایک بار جنگ کرلی وہ تو شامل ہوگیا دشمنانِ علیؑ میں۔ وہ پھر کوئی بھی ہو، اس سے ہمیں کوئی غرض نہیں ہے، کوئی بھی ہو۔ کیونکہ حق اور باطل کا معیار علیؑ ہے، ایمان اور نفاق کا معیار علیؑ ہے۔

لیکن جس نے جنگ نہیں کی، زبیر انسان تھا، ہوائے نفسانی غالب آئی لیکن جیسے ہی علیؑ نے یاد دلایا، تمام تاریخوں میں یہی لکھا ہے کہ زبیر نے فوراً اپنا گھوڑا واپس موڑا اور واپس ہوگیا۔ کہا کہ علیؑ مجھے یاد آ گیا اور اے کاش کہ پہلے یاد آ جاتا تو میں یہاں تک نہیں

آتا۔ زبیر واپس پہنچا۔ عبداللہ ابن زبیر نے پوچھا کیا ہوا؟ کہا میں جنگ میں حصہ نہیں لوں گا، مجھے علیؑ نے قول رسولؐ یاد دلایا ہے۔ تو عبداللہ ابن زبیر اپنے باپ سے کہتا ہے کہ یہ کیوں نہیں کہتے صاف صاف کہ علیؑ کی تلوار سے ڈر گئے۔ قول رسولؐ کی بات چھوڑو، حدیث کو چھوڑو، یہ کہو کہ علیؑ کی تلوار سے ڈر گئے۔

زبیر نے اپنے بیٹے کو جواب دیا کہ تو وہ بدبخت انسان ہے کہ جس دن سے تو پیدا ہوا ہے اس دن سے میں نے سوائے بدبختی کے کچھ نہیں دیکھا ہے۔ تو پھر اس نے کہا کہ نہیں کچھ بھی کہہ لو تم نے خود جنگ بھڑکائی، لاؤ لشکر بڑھایا اور اب جنگ سے ڈر کر بھاگ رہے ہو، تم علی کی تلوار سے ڈر گئے۔ اب ظاہر ہے آپ بھی دیکھتے جانتے ہیں جب اتنا تاؤ دلایا جائے گا تو پھر کیا ہوگا؟ زبیر کو غصہ آ گیا کہا کہ تو سمجھ رہا ہے کہ میں بزدل ہوں

اور یہ بھی یاد رکھیے گا کہ احد اور حنین میں جو چند افراد رسولؐ کے پاس کھڑے رہے تھے ان میں بھی علیؑ کے ساتھ زبیر موجود تھا۔ احد میں دفاع کرتا رہا تھا، ایک قدم پیچھے نہیں ہٹایا تھا زبیر نے۔ جیسے مولائے کائنات نے چھتیس یا سینتیس زخم کھائے تھے، ویسے ہی زبیر بھی زخمی ہوا تھا۔ خیر مولائے کائناتؑ کے ساتھ اس کی مقابلے کی بات نہیں کر رہا لیکن کیونکہ مشتبہ کردار ہے اس لیے میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ اعتدال کے دامن کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ جہاں تک واقعہ ہے اس کو وہاں تک نقل کریں جیسے میں نے نقل کیا۔ مشتبہ مقام آ جائے تو رک جایئے۔ ہاں جس نے جنگ کر لی اس کا قصہ قیامت تک کے لیے صاف ہو گیا۔ ہمارے لیے بات ختم ہو گئی۔ جو معصوم سے لڑ لیا، جو امام سے لڑ لیا ختم ہو گئی بات اس کے لیے۔ ہمارے لیے صاف ہے، کسی کے لیے صاف ہو یا نہ ہو، ہمارے لیے اس کا کردار بالکل سامنے ہو گیا۔

تو اب زبیر کو جب جلال آیا تاؤ دلایا اس کے بیٹے نے تو اب اس نے تلوار نکالی اور حملہ کیا علیؑ کے لشکر پر۔ اور علیؑ حکم دیتے ہیں اپنے سپاہیوں کو خبردار زبیر جس صف سے گزرے اس کو راستہ دے دینا، کوئی اس کے سامنے تلوار لے کر مت آنا۔ یہی تاریخ ہے۔ زبیر اول لشکر سے لشکر کے آخری سرے تک گیا پھر واپس آیا اور جہاں جاتا صفیں ہٹ جاتی تھیں، کوئی مقابلے پر نہیں آتا تھا۔ تین چار بار للکارا زبیر نے۔ کوئی سامنے نہیں آیا، واپس

ہوگیا اور جانے کے بعد اپنے بیٹے عبداللہ سے کہتا ہے کہ دیکھ کسی بزدل شخص کا حملہ ایسا ہوتا ہے؟ تو اب وہ دیکھیے فتنہ گر ہے۔ جواب کیا دیتا ہے کیا خوب حملہ تھا؟ نہ ان کا کوئی سپاہی زخمی ہوا نہ تجھے کوئی زخم آیا۔

اس کے بعد اس نے بات نہیں مانی بیٹے کی اور لشکر سے جدا ہوگیا۔ ایک منزل پر کچھ لوگوں نے اس کو قتل کرڈالا کہ علیؑ خوش ہوجائیں گے جب سر لے کر جائیں گے۔ ان کا سر لے کر پہنچے علی کی خدمت میں تو سب تاریخوں میں یہ بات موجود ہے کہ علیؑ ناراض ہوئے، ناراضگی کا اظہار بھی کیا کہ جب وہ جنگ سے علیحدہ ہوگیا تھا تو اسے قتل کیوں کیا؟ جب اس نے میرے مقابلے میں تلوار نہیں چلائی، جنگ سے ہاتھ اٹھالیا پھر کیوں اسے قتل کیا اور بعض جگہوں پر یہ بھی لکھا ہے کہ میں متفقہ واقعات کونقل کرتے ہوئے جھجک محسوس نہیں کرتا۔ تاریخ پڑھ رہا ہوں، کوئی اپنے دل سے واقعات نہیں گھڑ رہا۔ بعض جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ علیؑ نے یہ بھی کہا کہ میں نے رسولِ خداؐ سے سنا ہے کہ زبیر کا قاتل جہنمی ہے۔

تو عزیزو! جو مشتبہ کردار ہوجائے وہاں توقف کرلیجیے۔ اگر تعریف نہیں کرسکتے تو برائی بھی مت کیجیے، مذمت بھی مت کیجیے۔ یہی اعتدال کا راستہ ہے۔ یہ کوئی عبادت کا مسئلہ نہیں ہے، نہ واجب اور حرام کا مسئلہ ہے۔ جو مقابلے پر آ گیا علیؑ کے اور اولادِ علیؑ کے تو اب کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہم اس کو کیا سمجھتے ہیں۔ آپ بھی جانتے ہیں کہ ہم کیا سمجھتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ ہم اسپیکر سے بتائیں اسے ہم کیا سمجھتے ہیں؟ ہم کیوں اپنا دین چھپائیں۔ لیکن ہاں ہم کسی کی دل آزاری کے قائل نہیں ہیں کہ یہ ہمارے دین میں نہیں ہے۔ دل آزاری نہیں کرنی چاہیے، ہم اپنوں کو بھی منع کرتے ہیں کہ دل آزادی نہ کرو۔ لیکن جہاں حقائق بیان کرنے کی بات آئے گی تو ہم حق رکھتے ہیں جیسے آپ پورے میڈیا کو استعمال کررہے ہیں اپنی تبلیغ کے لیے۔ تو بھائی ہمارے پاس تو بس یہ ایک ہی میڈیا ہے۔ ہمارے پاس تو یہی ایک میڈیا ہے، ہمارے پاس تو یہی ایک اسکول ہے، ہمارے پاس تو یہی ایک یونیورسٹی ہے، ہم یہاں سے بچوں کو تاریخ حقائق نہ بتائیں تو پھر آخر کہاں جائیں۔

جنگ ہوئی اور ہوکر ختم بھی ہوگئی تو اب عزیزانِ محترم! جنگ ختم ہوگئی جو بھی انجام ہوا وہ بارہا آپ سنتے رہتے ہیں۔ جنگ کا خاتمہ ہوگیا، علیؑ نے اعلان کردیا کہ خبردار! کسی

بھاگنے والے کا تعاقب نہ کرو، کسی کو اسیر نہ بناؤ، مت لُوٹو، سب کے لیے امان ہے۔ اب پتہ چل گیا کہ شکست ہوگئی تو ہودج سے آواز آئی کہ دیکھو اب تم جیت گئے ہو تو ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ علیؑ نے آواز دی محمد ابن ابی بکر کو کہ جایئے محمد آپ جایئے خبر لیجیے۔

محمد گئے، ہودج میں ہاتھ ڈالا، یہ کون نامحرم آ گیا جس نے میرے دامن کو ہاتھ لگایا۔ اس نے کہا کہ چپ رہو کوئی نامحرم نہیں تمہارا بھائی ہوں۔ جتنی رسوائی کروانا تھی کرالی، اب چلو مدینے۔ نہیں میں جب تک اپنے بھانجوں کی خبر نہیں لوں گی مدینے نہیں جاؤں گی، بتاؤ میرے بھانجے کدھر گئے۔ طلحہ تو مرگئے اس جنگ میں، عبداللہ ابن زبیر کی خبر لاؤ کہ وہ کہاں ہے۔ کہا کہ علیؑ سے ان کے لیے امان لے لو محمد ابن ابی بکر پہنچے امان طلب کر رہی ہیں اپنے بھانجوں کے لیے۔ کہا کہ ان کے لیے نہیں علیؑ کی طرف سے پوری دنیا کے لیے امان ہے۔ علیؑ نے سب کو امان دے دی

تو عزیزو! یہ علیؑ کا کردار ہے۔ تو بتایا تھا علیؑ نے کہ جب ہم تم پر غلبہ پاتے تھے تو تمہارے قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے تھے۔ ہم نے جب تم کو زیر کیا، تم پر قابو پایا، کتنا احسان کیا تم پر اور جب اسی علیؑ کی بیٹیاں ان کی اولادوں کے ہاتھوں قیدی بنائی گئیں۔ ذرا انصاف کرو مسلمانوں اتنا تو حق رکھتے ہیں ہم یہ سوال کرنے کا کہ علیؑ نے کیا سلوک کیا تھا۔ علیؑ نے تو سب کو معاف کر دیا تھا۔ علیؑ نے کسی کو اسیر نہیں بنایا۔ علیؑ نے کسی کو نہیں لوٹا۔ علیؑ نے کتنا احترام کیا۔ جتنی بھی خواتین وہاں موجود تھیں۔ سپاہیوں کے اس زمانے میں عیال ساتھ چلا کرتے تھے۔

کتنا احترام کیا تھا سب کا؟ مگر کس طرح اس احسان کا بدلہ چکایا تھا مسلمانوں نے؟ کس طرح سے یہ احسان اتارا تھا علیؑ کا؟ کہ علیؑ کی بیٹیاں اسی کوفے میں، جو پایہ تخت تھا علیؑ کا، قیدی بنا کر لائی گئی ہیں۔ سروں پر چادریں نہیں ہیں اور منادی ندا دے رہا ہے کہ آؤ شہر کے لوگو! جسے رسول زادیوں کا تماشا دیکھنا ہو وہ آجائے۔ جسے آل رسولؐ کا تماشا دیکھنا ہے، جسے اولادِ علیؑ کا تماشا دیکھنا ہے، وہ بازار میں آجائے۔ چھتوں پر چلی گئیں عورتیں کہ آج کوفے کی شہزادی آرہی ہے۔ علیؑ کی بیٹی زینبؑ آرہی ہے آج بازار میں۔ آؤ اس کا تماشا دیکھیں۔

الا لعنت اللہ علی قوم الظالمین

مجلس پنجم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ اَشۡرَفِ الۡاَنۡبِیَآءِ وَالۡمُرۡسَلِیۡنَ سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا اَبِی الۡقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ الطَّیِّبِیۡنَ اَلطَّاہِرِیۡنَ الۡمَعۡصُوۡمِیۡنَ وَلَعۡنَتُ اللّٰہِ عَلیٰ اَعۡدَائِھِمۡ اَجۡمَعِیۡنَ مِنَ الۡاٰنِ اِلیٰ قِیَامِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ اَمَّا بَعۡدُ فَقَدۡ قَالَ اللّٰہُ تَعٰلیٰ فِیۡ کِتَابِہِ الۡمُبِیۡنِ وَھُوَ اَصۡدَقُ الۡقَائِلِیۡنَ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ وَجَعَلۡنٰھُمۡ اَئِمَّۃً یَّھۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا وَاَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡھِمۡ فِعۡلَ الۡخَیۡرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلوٰۃِ وَاِیۡتَآءِ الزَّکوٰۃِ وَکَانُوۡا لَنَا عَابِدِیۡنَ ٥

(سورۂ انبیاء آیت ۷۳)

ایک سوال مجھے دیا گیا ہے اگرچہ اس کا تعلق میرے موضوع سے نہیں ہے لیکن پھر بھی ذکر کئے دیتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ ستارے تو بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں، بلکہ اکثر تو زمین سے بھی بڑے ہوتے ہیں۔ تو پھر رسولؐ نے ستارا کیسے اتار لیا تھا؟ ہمارا موضوع ہے تاریخ اور سوال تعلق رکھتا ہے معجزہ سے۔ جب ہم معجزہ کی بات کرتے ہیں تو معجزہ اسی کو کہا جاتا ہے کہ جس کے کرنے یا سمجھنے سے انسان عاجز ہو جائے۔ جادو اور معجزہ میں یہی فرق ہوتا ہے کہ جادو ایک صلاحیت کا نام ہے کہ جو کوئی بھی آدمی مخصوص عمل اور مخصوص مرحلوں کو طے کر کے حاصل کر سکتا ہے۔ اگرچہ کہ جادو باطل ہے لیکن بہرحال اس کا ذکر موجود ہے اور اس کا علم بھی موجود ہے۔

لیکن معجزہ وہ قوت ہے کہ جس سے جادوگر بھی عاجز ہوتے ہیں جیسے کہ جناب موسیٰؑ کے مقابلے میں اس زمانے کے بڑے بڑے جادوگر عاجز ہوگئے اور سجدے میں گر گئے اور بے ساختہ یہ کہہ اٹھے کہ یہ جادو نہیں ہے۔ جو ہم نے کیا تھا وہ جادو تھا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے عمل کا تعلق جادو کے علم سے ہے اور جناب موسیٰؑ نے جو جواب دیا تھا اس کا تعلق انسانی علم کی حدوں سے ماوراء تھا۔

تو جہاں معجزہ کی بات آتی ہے وہاں یہ سوال کرنا کہ ستارا کیسے اتار لیا اور کیوں اتار لیا بیکار ہے۔ کیونکہ ایمان اسی پر رکھنا ہے کہ رسولؐ اعجاز دکھانے کی قوت رکھتا ہے۔ اسی طرح امامؑ بھی معجز نما ہوتا ہے ورنہ تصویر میں جان کیسے پڑسکتی ہے۔ یہ بحث تو کی جاسکتی ہے کہ تاریخی اعتبار سے یہ روایت مستند ہے یا ضعیف، لیکن یہ کہنا کہ ستارا کیسے اتار لیا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ جو رسولؐ چاند کے دو ٹکڑے کرسکتا ہے، جس امامؑ کے حکم پر سورج واپس پلٹ سکتا ہے ان کیلئے ستارے کو گھر میں اتارنا کوئی بڑی بات نہیں کیونکہ پروردگارِ عالم نے انہیں ولایتِ تکوینی عطاء کی ہے، اس کائنات پر انہیں حق تصرف عطاء کیا ہے۔

معجزہ کو اسی لئے معجزہ کہا جاتا ہے کہ عقلِ انسانی اسے سمجھنے سے عاجز ہوتی ہے اور صلاحیت انسانی اسے انجام دینے سے قاصر۔

ویسے آج کل ہمارے یہاں معجزے انجام دینا کوئی عجیب بات نہیں رہی، یہ کام اب انسان خود بھی انجام دینے لگا ہے۔ کیونکہ لوگوں نے معجزے کی حقیقت کو اتنا گرا دیا کہ کوئی بھی زیرک اور چالاک انسان لوگوں کی ضعیف الاعتقادی سے فائدہ اٹھا کر، شعبدے بازی دکھا کر انہیں معجزے کے جال میں پھنسا لیتا ہے۔ خیر میں اس باب میں زیادہ آگے نہیں جانا چاہتا کہیں کچھ لوگوں کو میری باتیں بری نہ لگ جائیں اور وہ مجھ پر کمزور عقیدہ رکھنے کا الزام نہ لگا دیں۔

دوسری بات یہ کہ ستارے جب ٹوٹتے ہیں تو ظاہر ہے کہ یہ پورے کے پورے زمین پر نہیں آگرتے آپ نے سنا ہوگا شہاب ثاقب یعنی ٹوٹا ہوا ستارا، مطلب یہ ہے کہ جب ستارا ٹوٹتا ہے تو وہ فضاؤں میں بکھر جاتا ہے اور اس کے چھوٹے چھوٹے سے ٹکڑے زمین

سے ٹکراتے ہیں۔

تیسری بات یہ کہ ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ تمام ستارے بڑے ہی ہوتے ہیں ، اس کائنات کی وسعتوں میں ایک ذرّہ کی برابری سے لے کر سورج سے بڑے بڑے ستارے موجود ہیں ، ہم نے کائنات کی وسعتوں کا مکمل مشاہدہ تو نہیں کیا جو ہم یہ کہہ سکیں کہ ستارا چھوٹا نہیں ہوتا۔

اب ہم اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں گذشتہ مجلس میں میں نے آپ کے سامنے جنگِ جمل کا تذکرہ کیا تھا اور مجھے احساس ہے کہ اس میں حاشیے کی باتیں زیادہ ہوگئیں تھیں۔ آج کوشش کروں گا کہ حاشیے کی باتیں کم ہوں، اصل واقعات کی طرف ہم زیادہ توجہ رکھیں گے۔

جنگِ جمل پہلے ہوئی تھی اور جنگِ صفین بعد میں ، لیکن خیال رہے کہ جنگِ جمل کے فتنے میں بھی امیرِ شام پیچھے نہ تھا بلکہ مولاؑ نے اصل فتنہ اور اصل دشمن اسی کو بتایا ہے۔ کچھ لوگوں نے اشارتاً یہ بات کہی ہے کہ میں آہستہ آہستہ مناظرے کی طرف جارہا ہوں ، جب کہ میں مناظرہ نہیں تاریخ پڑھ رہا ہوں ۔اور وہ بھی اس لئے کہ اگر اس منبر سے نئی نسل کو تاریخ نہ بتائی گئی تو یہ ان کے ساتھ خیانت ہوگی اور پھر میں ہر مزاج کے انسان کے لئے تو مجلس نہیں پڑھ سکتا لیکن خیر آج سے یہی کوشش ہوگی کہ مناظرہ بالکل بھی نہ آنے پائے۔

کیوں کہ اب براہ راست ان لوگوں کا تذکرہ شروع ہونے جارہا ہے جنہیں صرف ہم ہی نہیں بلکہ مورّخین کی اکثریت اور انکے ساتھ ساتھ دیگر مکاتب سے تعلق رکھنے والے اہلِ علم بھی قابلِ مذمت سمجھتے ہیں۔ اس سے پہلے مشکل یہ تھی کہ ہم جتنا بھی دامن بچاتے کہیں نہ کہیں ایسی ہستیوں کا ذکر آ ہی جاتا تھا کہ جس سے دوسروں کی دل آزاری کا پہلو نکل آتا تھا لیکن آخر ہم کہاں تک دامن بچاتے بہرحال اب امید ہے کہ ہم اس مشکل مرحلے سے باہر نکل آئے ہیں۔

جمل کا نتیجہ کتنا خطرناک نکلا کہ وہ جو اصلی دشمن تھا جس سے جنگ کرنے کیلئے مولاؑ نکلے تھے اسے سنبھلنے اور اپنے آپ کو مضبوط کرنے کا موقع مل گیا اسے ایک سال کی مہلت مل

گئی۔ جمل ۳۶ ہجری میں لڑی گئی تھی اور صفین ماہِ صفر ہجری ۳۷ میں لڑی گئی۔ اب امیرِ شام جیسے مکار کو ایک سال کی مہلت مل جائے تو وہ کیا کچھ انتظامات نہیں کرے گا، کون سے فتنے نہیں کھڑے کرے گا۔ اس نے بھی شکر ادا کیا کہ اُمّ المومنین نے مجھے تیاری کیلئے اچھا خاصا وقت دلوادیا۔ مولاؑ کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ اموی کہ جنہیں اس شرط پر امان دی گئی تھی کہ وہ مدینے سے باہر نہیں نکلیں گے وہ تمام کے تمام شام کی طرف بھاگ نکلے۔ جن میں ولید ابن عقبہ، مروان ابن حکم، سعید ابن عاصؓ اور ان میں سب سے بڑا فتنہ نعمان ابن بشیر شامل تھے۔

یہ نعمان ابن بشیر ہی تھا جس نے کٹی ہوئی انگلیاں، خوں بھرا کرتا اور ایسی ہی کچھ چیزیں لے جا کر دمشق میں منبر پر ڈال دی تھیں۔ تاریخ کہتی ہے کہ دور دور سے لوگ آتے تھے ہزاروں کی تعداد میں اور ان چیزوں کو دیکھ کر روتے پیٹتے تھے، ایک جذباتی فضاء پیدا کردی گئی تھی جو لوگوں کے دلوں میں یہ تاثر قائم کررہی تھی کہ جیسے مولائے کائناتؑ ہی اس سارے معاملے کے ذمہ دار ہیں۔ اور آپ جانتے ہیں کہ جب ایک بار جذباتی فضاء قائم ہوجائے تو وہ لوگوں کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو سلب کرلیتی ہے۔ پورے شام میں انتقام ،انتقام کا شور مچادیا گیا۔ عجب ستم ظریفی ہے کہ اس سے بدلہ لینے کی باتیں کی جارہی ہیں جو خود مظلوم ہے اور وہ لوگ بدلہ لینے کی باتیں کررہے ہیں جو ظلم میں شریک ہیں۔

اس فضاء کا فائدہ اٹھاتے ہوئے امیرِ شام نے ایک لاکھ کا لشکر تیار کرلیا۔ میں آپ کے سامنے جذباتی نہیں بلکہ تجزیاتی گفتگو کررہا ہوں کہ اسباب کیا بنے امیرِ شام کے مضبوط ہونے کے۔ اگر یہ جمل بیچ میں نہ آتی تو مولائے کائناتؑ پہلے ہی مرحلے میں امیرِ شام کے فتنے کو دبا دیتے۔ مولاؑ جمل سے واپس ہوئے تو کوفہ میں ٹھہر گئے اور کوفہ ہی کو پائے تخت بنالیا۔ اس بارے میں میں گذشتہ سال تفصیل سے بیان کرچکا ہوں جو اب تحریری شکل میں امیرِ مختار کے نام سے شائع ہوچکا ہے۔ صرف کچھ باتیں تجزیہ کی خاطر پیش کررہا ہوں اگرچہ کوفہ کی تاریخ پڑھ چکا ہوں۔

جب سلطنت اسلامی پھیل رہی تھی تو اس زمانے میں کوفہ ایک چوراہے کا کام دیتا تھا

جہاں سے خراسان، شام، یمن اور حجاز کو کنٹرول کیا جاسکتا تھا اور شط العرب یعنی خلیج فارس کا دہانہ بھی کنٹرول ہوسکتا تھا۔ کوفہ کی اپنی کوئی قدیم آبادی نہ تھی بلکہ جیسے ہوتا ہے کہ جب نئے شہر آباد ہونے لگتے ہیں تو مختلف قبیلوں، مختلف شہروں اور مختلف نسلوں کے لوگ وہاں آباد ہونا شروع ہوجاتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ایسی جگہوں پر مسائل بھی زیادہ پیدا ہوجاتے ہیں اور بعض اوقات سامراجی طاقتیں ان مسائل سے خوب خوب فائدہ اٹھاتی ہیں کیونکہ مختلف ثقافتوں، مختلف لہجوں، مختلف زبانوں اور مختلف پس منظر رکھنے والے لوگوں کو آپس میں لڑا کر اپنا مفاد حاصل کرنا بہت آسان ہوتا ہے۔

اگرچہ کوفہ میں سب مسلمان ہیں لیکن مشکل یہی ہے کہ سب ادھر ادھر سے آ کر جمع ہوئے ہیں اور انکی عجیب فطرت بن گئی ہے۔ دین ایک ہے، مذہب ایک ہے مگر مزاج نہیں ملتے اور یہ کوفہ پر ہی منحصر نہیں، آپ آج بھی اس برصغیر کو ہی لے لیجئے ہندوستان، پاکستان کو ہی لے لیجئے۔ ہر تین سو میل کے بعد ثقافت بدل جاتی ہے، زبان بدل جاتی ہے، لہجہ بدل جاتا ہے، انداز بدل جاتے ہیں۔ کوئی حیدرآبادی ہے، کوئی لکھنوی، کوئی امروہوی، کوئی بنارسی، کوئی پنجابی، کوئی سندھی وغیرہ۔ اب کیا ہوا صدیوں سے جہاں رہ رہے تھے ایک مزاج بن گیا تھا، جب ہجرتیں ہوئیں تو مختلف ثقافتوں کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ رہنے لگے۔ مسائل تو ایجاد ہونا ہی تھے۔ یہ مثالیں اس لئے دے رہا ہوں تاکہ آپ کے ذہن میں آجائے کہ کوفہ کیا ہے۔ کیونکہ یہ مختلف علاقوں کے آئے ہوئے مختلف مزاجوں کے لوگ ہیں لہٰذا ایک دوسرے پر جلدی اعتماد بھی نہیں کرتے۔

۱۷ ہجری میں کوفہ کی بنیاد پڑی اور ہم جو ذکر کر رہے ہیں وہ ۳۷ ہجری اور ۶۱ ہجری کے واقعات کا ہے۔ بیس تیس سال میں قومیں نہیں بنا کرتیں، اعتماد کی فضاء قائم نہیں ہوتی، اسی لئے فوراً ہی بدگمان بھی ہوجاتے ہیں۔ کوفے کے نئے باشندے بیک وقت بہادر بھی ہیں اور بزدل بھی، محبت کرنے والے بھی ہیں اور دغا دینے والے بھی۔ ایسے ماحول میں انتشار پھیلانا بڑا آسان کام ہوتا ہے اور دشمن اس صورتحال سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ ایک تو یہ وجہ تھی کوفہ کو دارالحکومت بنانے کی اور دوسری وجہ بھی سال گذشتہ بیان کرچکا ہوں کہ مدینہ

مال و دولت کی کثرت کی وجہ سے ''اسلام آباد'' بن چکا تھا انکا نظریہ یہ ہو چکا تھا کہ ہم نے بڑی قربانیاں دے دیں۔اب ہمارے مزے کرنے کے دن ہیں، اب تم لوگ لڑو بھڑو۔

ہم نے اور ہمارے بزرگوں نے بَدر و اُحد میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھا دیئے اب تم لوگ جنگیں لڑو۔اسکا ثبوت یہ کہ جنگِ جمل میں مدینہ سے صرف ایک ہزار مہاجرین و انصار نے شرکت کی جب کہ کوفہ سے لشکر میں شامل ہونے والوں کی تعداد بارہ ہزار تھی ۔تو مدینہ تو بن گیا تھا اسلام آباد۔یہاں کے لوگ راحت وآرام کے عادی ہو گئے تھے۔انکی بوریوں میں پانچ پانچ لاکھ درہم پڑے سڑ رہے ہوتے تھے لہٰذا ایسی صورتحال میں انکے جہاد کا جذبہ ختم ہو چکا تھا۔اب یہ وہ مدینہ نہ تھا کہ جس کے رہنے والے پیٹ پر پتھر باندھ کر خندق کھودتے تھے اس لئے امامؑ نے فیصلہ کیا کہ مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو دارالحکومت بنایا جائے۔

یہ ہے کوفہ، یہ مختصر سی تکرار میں نے اس لئے کی کہ آپ لوگوں کے ذہنوں میں کوفہ کا ایک خاکہ آجائے کہ امامؑ نے دارالخلافہ کو مدینہ سے کیوں تبدیل کیا۔یہ کوفہ ہے کہ جسکی مذمت میں بھی خطبے ہیں اور جسکی مدح بھی کی گئی ہے۔یہ کوفہ ہے جسکے لوگوں نے دغا بازی بھی کی اور جہاں سے سب سے زیادہ جانثار بھی میدان میں آئے۔جنگِ جمل کے بعد مولاؑ نے کوفیوں کی تعریف میں خطبہ بھی دیا۔لیکن اسی کوفے سے فتنے بھی اٹھتے رہے۔

دوسری طرف شام، جہاں امیرِ شام کے پورے پنجے گڑے ہوئے ہیں،وہاں کی صورتِ حال یہ ہے کہ وہ کسی قیمت پر شام کی حکومت چھوڑنے پر تیار نہیں ہے۔شام میں حکومت کرنے کے لیے معاویہ کو ایسی رعایا ملی ہے کہ جسے اونٹ اور اونٹنی کی تمیز نہیں ہے۔وہ علیؑ اور معاویہ میں کیا تمیز کرتی ۔اگر چہ مولائے کائنات صورتحال کو بھانپ چکے تھے پھر بھی آپ نے حجت تمام کرنے کیلئے حجاج انصاری کو نمائندہ کے طور پر بھیجا تا کہ وہ امیر شام کے دل کی بات معلوم کرے کہ وہ کیا چاہتا ہے ۔کیونکہ اس سے پہلے جناب سہل ابن حنیف کو شام کا والی بنا کر بھیجا تھا تو اس کے کارندوں نے راستے ہی سے انھیں یہ کہہ کر واپس کر دیا تھا کہ شام کا حاکم صرف اور صرف معاویہ ابن ابی سفیان ہے اس کے علاوہ ہم کسی کو شام کے حاکم کے طور پر قبول نہیں کریں گے۔

حجاج انصاری کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا اور وہ یہی جواب لیکر واپس ہوا کہ امیر شام حکومت چھوڑنے پر تیار نہیں ہے۔ اسکے بعد مولائے کائنات نے جریر ابن عبداللہ کو خط دے کر بھیجا جس میں تحریر تھا کہ مہاجرین و انصار نے میری بیعت کر لی ہے اب مناسب یہی ہے کہ تم بھی میری اطاعت کرو اور پہلی فرصت میں میرے پاس مدینہ پہنچو۔ اس خط کے جواب میں امیر شام نے اپنا ایک نمائندہ بھیجا جس نے مدینہ آ کر یہ پیغام پہنچایا کہ میں دمشق میں پچاس ہزار افراد کو حضرت عثمانؓ کے کرتے سے لپٹ کر روتا چھوڑ کر آیا ہوں۔ جو صرف اور صرف خون عثمانؓ کا انتقام چاہتے ہیں۔ اور وہ قطاریں لگا لگا کر کٹی ہوئی انگلیاں دیکھ رہے ہیں۔

جب خط و کتابت کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو مولاؑ نے لشکر تیار کرنے کا حکم دیا کیونکہ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ جب یہ خبر شام پہنچی تو امیر شام گھبرا گیا، اور اپنے بھائی عتبہ بن ابی سفیان سے مشورہ کیا کہ اب میں کیا کروں۔ کیونکہ علیؑ سے جنگ کا مطلب جمل کا انجام۔ بھائی نے اس سے کہا کہ اگر حکومت کرنا چاہتا ہے اور یہ بھی نہیں چاہتا کہ جنگ کی صورت میں تیرے ساتھ بھی وہی ہو جو جمل والوں کے ساتھ ہوا تھا، تو تو عمرو بن العاص کو اپنے پاس بلا لے۔ زبیر اور طلحہ تجھ سے زیادہ بہادر اور طاقتور تھے لیکن جمل میں علیؑ نے ان کے لشکر کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا۔

معاویہ نے فوراً عمرو بن العاص کو پیغام بھیجا کہ میں مشکل میں ہوں فوراً میری مدد کو پہنچ اور اس کے عوض تو مجھ سے جو کچھ چاہے گا وہ عطا کیا جائیگا۔ عمرو جو اب بڑھاپے کی سرحدوں میں داخل ہو چکا ہے اپنے بیٹوں سے مشورہ کرتا ہے۔ ایک بیٹا عبداللہ یہ مشورہ دیتا ہے کہ تو نے ساری زندگی مکر و فریب کے ساتھ گزاری ہے اب اپنی آخرت کی فکر کر کیونکہ معاویہ کی ہمرکابی تجھے آخرت کا بھی نہ رکھے گی۔ اب بیٹھ کر اللہ اللہ کر معاویہ یقیناً تجھے علیؑ کے مقابلے میں مدد لینے کیلئے بلا رہا ہے۔ اگر تو نے علیؑ کی بیعت نہیں کی تو خیر۔ لیکن اب تو ایسا کام نہ کر کہ تجھے علیؑ کے مقابلے پر آنا پڑے۔ عمرو نے جب چھوٹے بیٹے سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ یہ بہترین موقع ہے کہ تو معاویہ سے مصر کی حکومت کا مطالبہ کر تیرا ابھی کام

چل جائیگا۔اور ہماری بھی زندگی بن جائیگی۔ دونوں کی رائے مختلف تھی ،اب عمرو نے اپنے غلام سے پوچھا تو بتا تو کیا کہتا ہے۔غلام نے جواب دیا کہ بات تو عبداللہ کی صحیح ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ تیرے دل میں تیرے چھوٹے بیٹے کی بات نے گھر کرلیا ہے۔اب چاہے کچھ بھی ہو۔تو معاویہ کی مدد ضرور کرے گا۔عمرو مسکرا کر کہتا ہے کہ تو نے میرے دل کی بات کہہ دی اب میں امیر شام کے پاس ضرور جاؤنگا۔

عمرو بن العاص شام پہنچا، معاویہ نے مولاؑ کے ساتھ مقابلے کے مسئلے کو رکھا اور کہا کہ تو جانتا ہے کہ میں علیؑ سے مقابلہ نہیں کرسکتا۔لیکن اگر تو میری مدد کرے گا تو مجھے اپنی کامیابی کا یقین ہے۔اس کے عوض میں تجھے منہ مانگی دولت دونگا۔عمرو نے کہا کہ میں تیری مدد ضرور کرونگا لیکن اس کے عوض تو مصر کی حکومت میرے حوالے کرے گا۔معاویہ یہ شرط سن کر سٹپٹا گیا اور کہنے لگا کہ تو نے بہت زیادہ دام لگائے ہیں۔عمرو نے جواب دیا میں نے کوئی زیادہ دام نہیں لگائے اس کے بدلے میں تجھے پورے عالمِ اسلام کا خلیفہ بھی تو بنوا دونگا۔بادل نخواستہ معاویہ نے اس شرط کو قبول کرلیا۔

ادھر مولائے کائناتؑ نے ۸۰ ہزار کا لشکر تیار کیا اور شام کی طرف روانہ ہوئے اُدھر معاویہ ایک لاکھ کا لشکر لے کر دمشق سے باہر آیا اور صفیّن کے مقام پر اس نے ڈیرہ ڈالا۔ صفیّن کا انتخاب جنگ کے لئے خود امیر شام نے کیا تھا۔اس کے سپاہیوں نے پہلے پہنچ کر دریا کے گھاٹ پر قبضہ کرلیا۔جب مولاؑ کا لشکر وہاں پہنچا تو گھاٹ پر شامیوں کا قبضہ پایا۔اور شامیوں نے علیؑ کے سپاہیوں پر پانی لینے کی پابندی عائد کردی۔تین دن تک یہی صورتحال رہی ، امیر المومنینؑ نے پیغام بھیجا کہ ہماری لڑائی پانی پر نہیں ہے گھاٹ پر سے سپاہیوں کو ہٹالو تاکہ تمام مخلوق خدا سیراب ہوسکے۔لیکن امیر شام نے جواب دیا کہ پانی تو آپ کے سپاہیوں کو نہیں ملے گا ہاں ہماری تلواریں آپ کے سپاہیوں کے خون سے اپنی پیاس بجھائیں گی۔اگرچہ اس موقع پر عمرو نے امیر شام کو یہ مشورہ دیا تھا کہ گھاٹ پر سے اپنا پہرہ ہٹا لے،تو علیؑ کے سپاہیوں کو پانی لینے سے نہ روک سکے گا مگر معاویہ نے یہ مشورہ نہ مانا۔

مولائے کائناتؑ نے امیر شام کے جواب میں پھر پیغام بھجوایا کہ شائد تو بھول گیا کہ کسے جنگ کی دھمکی دے رہا ہے۔ میں پانی پر لڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن اگر یہی ضد ہے تو پھر نتیجہ بھی تیرے سامنے آ جائیگا۔ اسکے بعد مالک اشتر چند دستوں کو لیکر گھاٹ پر حملہ آور ہوئے اور کچھ ہی دیر میں معاملہ الٹ ہوگیا یعنی گھاٹ پر اب مولاؑ کے سپاہیوں کا قبضہ ہوگیا۔ اس صورتحال سے امیر شام گھبرا گیا کہ اب کیا ہوگا۔ اور عمرو سے کہا کہ اب ہمارے سپاہیوں کو پانی نہیں ملے گا۔

اب دیکھئے تعریف وہ ہے جو دشمن کی زبان سے ہو اگرچہ آپ یہ جملے بارہا سنتے ہیں لیکن تاریخ کے یہ جملے ایسے ہیں کہ جنہیں جتنی بار سنا جائے ہر بار نیا مزہ آتا ہے جب امیر شام نے یہ کہا تو عمرو بن العاص نے بے ساختہ کہا کہ کیا تو نے علیؑ کو اپنے جیسا سمجھا ہے؟ یاد رکھ علیؑ سے بعید ہے کہ وہ تیرے سپاہیوں پر پانی بند کردیں۔ یعنی علیؑ کے دشمن بھی جانتے تھے کہ علیؑ کن فضیلتوں کا مالک ہے۔ اور ہوا بھی ایسا ہی، کہ علیؑ کے سپاہیوں نے جب شامیوں پر پانی کی پابندی عائد کرنا چاہی تو مولاؑ نے سختی سے انہیں روکا اور سمجھایا کہ اگر ہم نے بھی یہی حرکت کی اور پانی بند کردیا تو پھر ہم میں اور ہمارے دشمنوں میں کیا فرق رہ جائیگا۔

مولائے کائناتؑ دنیا کو یہی فرق تو بتانا چاہتے ہیں کہ میں کوئی عام مَلِک یا بادشاہ نہیں ہوں بلکہ میں امام ہوں اور رسول کا جانشین برحق ہوں۔ ہمارا کردار عام بادشاہوں کا کردار نہیں ہے۔ اس کے بعد پانی سے پہرہ ہٹوادیا اور پیغام بھجوادیا کہ سب کو پانی لینے کی آزادی ہے۔ تمہارے حیوانوں کے لئے بھی پانی کھلا ہے تمہارے سپاہی بھی پانی پی سکتے ہیں یہ کردار جو ہے ناں یہاں سے تفریق ہوئی ہے تاریخ امامت اور تاریخ ملوکیت کی۔

ہونا تو یہ چاہیئے تھا اور یہ کوئی عجیب بات بھی نہیں ہوتی کہ تاریخ لکھتی کہ جو انھوں نے کیا وہی انھوں نے کیا یعنی حساب برابر ہوگیا۔ تاریخ اس طرح کے اقدام کو غلط بھی قرار نہیں دے سکتی تھی مگر امامؑ نے اس بات کا موقع ہی نہیں دیا اور کہہ دیا کہ یہ ہمارا کام نہیں ہے۔ اسی لئے تاریخیں لکھنے پر مجبور ہوئیں کہ جب گھاٹ علیؑ کے قبضے میں آیا تو علیؑ نے پانی

پر سے پہرہ ہٹالیا اور کہہ دیا کہ تمہیں پانی سے استفادہ کرنے کی پوری آزادی ہے۔

کتنی عجیب بات ہے کہ بعض شامی آتے ہیں اور مولائے کائناتؑ کو نصیحتیں کرنے لگتے ہیں، اور بعض تلاش میں ہوتے ہیں، کہ علیؑ کہاں ہیں تا کہ انہیں نصیحت کریں۔ معاویہ ایسے ایسوں کو پکڑ کر لایا تھا جو علیؑ کی شناخت سے اس قدر محروم تھے۔ امیرِ شام ایسا مکار تھا اور اس نے اپنے چہرے پر دین داری کا ایسا نقاب چڑھایا ہوا تھا کہ بڑے بڑے مقدّس نما اسکے ساتھ آئے ہوئے تھے۔

یہ مقدّس نما امیرالمومنینؑ کو نصیحت کرتے ہیں کہ یا علیؑ آپ کی تو بڑی خدمات ہیں، آپ تو سابقین میں سے ہیں، آپ نے تو دین کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں، پھر آخر یہ اقتدار کی خاطر جنگ کیوں، آخر یہ مسلمانوں کے درمیان خونریزی کیوں۔ آجکل بھی یہی ہوتا ہے نا کہ اِدھر کوئی دیوانہ حق کی خاطر میدان میں آیا، اِدھر کوئی حق کا طلبگار باطل طاقتوں کے مقابلے میں کھڑا ہوا، ظلم سے ٹکرانے کے لیے میدان میں آیا، اُدھر یہ مقدّس نما باطل کا دفاع کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

ان مقدّس نماؤں کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ کبھی حق کی حمایت نہیں کرتے، اگر کبھی حق کی حمایت کا موقع آجائے تو یہ اپنے تقدّس کی آڑ لے کر گوشہ نشین ہو جاتے ہیں، اور اپنے غیر جانبدار ہونے اور غیر سیاسی ہونے کا اعلان کر دیتے ہیں۔ لیکن یہی ضمیر فروش اور دین فروش مُلا، جب باطل کو حمایت کی ضرورت پیش آتی ہے تو اُس کے دفاع کیلئے سینہ سپر ہو کر میدان میں نکل آتے ہیں، اور بہت ہی سستے داموں اپنا دین فروخت کر دیتے ہیں۔

ان کا طریقہ واردات بہت ہی نرالا ہوتا ہے، خصوصاً میرے جوان دوست جو انقلابی فکر کے امین ہیں، میری ان باتوں پر توجہ کریں۔ یہ اپنی کاروائی کا آغاز اس انداز میں کرتے ہیں کہ دوسرا انھیں اپنا دوست خیال کرے۔ یہ نفسیاتی حربے استعمال کرتے ہیں، کہ ارے آپ تو بہت ہی اچھے خاندان کے ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد کی تو دین کے لیے بڑی قربانیاں ہیں۔ جن کاموں میں آپ پڑے ہوئے ہیں یہ سب فضولیات ہیں، ان سے انتشار پھیلے گا۔ اس طرح سے ان جوانوں کو اور دین کا کام کرنے والوں کے مورال کو گراتے ہیں، مولائے

کائناتؑ کو بھی اسی طرح کی نصیحتیں کر رہے تھے یہ مقدس نما۔

آپؑ نے ارشاد فرمایا کہ کتنی عجیب بات کی تم لوگوں نے، تمھیں یہ بھی نہیں معلوم کہ فتنہ گر کون لوگ ہیں، کیا مدینے کے لوگوں نے اور مہاجرین و انصار نے میری بیعت نہیں کرلی، اب تم پر اور تمھارے امیر پر فرض ہے تم مسلمانوں کے درمیان خونریزی سے باز آؤ اور میری بیعت کرو۔ یہ سن کر ان دین فروش اور عاقبت نااندیش لوگوں نے پینترا بدلا اور کہنے لگے کہ آپ کے لشکر میں قاتلینِ حضرت عثمانؓ موجود ہیں آپ انہیں ہمارے حوالے کردیں۔ امیر المومنینؑ نے ارشاد فرمایا کہ سبحان اللہ! قاتلین عثمانؓ تو خود تمھارے لشکر میں موجود ہیں، اور قصاص مجھ سے طلب کرتے ہو۔

اور جہاں تک میرے لشکر کی بات ہے تو میرے لشکر میں تو عمارِ یاسر موجود ہیں، جن کے لئے رسولؐ کی حدیث موجود ہے کہ عمار یاسر کو باغی گروہ قتل کرے گا۔ اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہا، اور مولاؑ نے کوششیں جاری رکھیں کہ کسی طرح جنگ کی نوبت نہ آئے۔ یہاں تک کہ امیر المومنینؑ کے لشکریوں کو یہ گمان ہونے لگا کہ مولاؑ جنگ سے دامن بچا رہے ہیں۔ اور اسی طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ جب یہ آوازیں مولاؑ تک پہنچیں تو آپ نے اپنے سپاہیوں کو سمجھایا کہ میں آخری وقت تک یہی کوشش کروں گا کہ کسی بھی طرح خونریزی سے بچا جائے۔

میں انھیں وعظ و نصیحت بھی کرونگا۔ اور اگر پھر بھی یہ باز نہ آئے تو پھر ہمارے اور ان کے درمیان تلوار فیصلہ کریگی۔ محرّم کا مہینہ گزر گیا، اور صفر کے مہینے کا آغاز ہوا، مذاکرات کی راہیں مسدود ہوگئیں، اور بالآخر اعلانِ جنگ ہوگیا۔ یکم صفر سے دس صفر تک خونریز جنگ ہوئی ایسی جنگ کہ دونوں لشکر آدھے رہ گئے۔

خصوصاً ایک دن ایسی لڑائی ہوئی کہ رات بھی جنگ جاری رہی اور اس رات کا نام لیلتہ الحریر پڑ گیا۔ صرف اس رات میں پینتیس ہزار مقتول ہوئے، پانچ ہزار مولاؑ کے لشکر کے اور تیس ہزار معاویہ کے لشکر کے۔ یہاں تک کہ جنگ کا انجام ظاہر ہونے لگا اور معاویہ کے لشکر میں شکست کے آثار نمودار ہونے لگے۔ شامیوں میں بددلی پھیلنے لگی اور وہ آہستہ آہستہ

فرار ہونا شروع ہو گئے۔اس جنگ کے بے شمار دلچسپ واقعات ہیں جو آپ مختلف مواقع پر سنتے رہتے ہیں، میں بیان کو بہت زیادہ طولانی ہونے سے بچانے کی غرض سے ان واقعات سے گریز کر رہا ہوں۔

بالآخر وہ وقت آیا کہ شامیوں میں بھگدڑ مچ گئی، معاویہ گھبرا گیا، کیونکہ اب مالکِ اشتر کا رخ اُسی کے خیمے کی جانب تھا۔اُس نے عمرو بن العاص کو طلب کیا اور کہا کہ کچھ کر ورنہ کھیل ختم ہوا۔عمرو کہتا ہے اب تو میرا کمال دیکھ، میں کس طرح جنگ کے نقشے کو پلٹتا ہوں۔عمرو بن العاص نے جنگ شروع ہونے سے پہلے امیرالمومنینؑ کے لشکر کے ایک سالار اشعث بن قیس سے ساز باز کر لی تھی۔اور ایک لاکھ درہم میں اُسکا دین خرید لیا تھا۔اور اسے سمجھا دیا تھا کہ جیسے ہی میرا اشارہ ہو تو علیؑ کی سپاہ سے علیحدہ ہو جانا۔

اشعث ابنِ قیس، منافقین کے خاندان کا سربراہ۔ یہ پورا خاندان منافقین کا خاندان ہے۔ اسکی بیٹی جعدہ بنتِ اشعث امام حسنؑ کو زہر دینے والی، اسکا بیٹا محمد ابنِ اشعث اُن لوگوں میں شامل ہے کہ جنہوں نے امامِ حسینؑ کو خطوط بھیج کر بلوایا تھا اور پھر یہ روزِ عاشورا عمرِ سعد کے لشکر میں شامل ہوا۔یہ اشعث ابنِ قیس اپنے قبیلے سمیت بیس ہزار سپاہیوں کا سردار ہے۔اور امیرِ شام اور عمرو بن العاص سے سازش کر چکا ہے۔اور انتظار میں ہے کہ کب عمرو کا اشارہ ہو اور کب میں امیرالمومنینؑ کے لشکر میں انتشار پھیلاؤں۔

اُدھر عمرو بن العاص نے بھاگتے ہوئے سپاہیوں کو حکم دیا کہ قرآن کو اپنے اپنے نیزوں پر بلند کر لو۔یہ بالکل نئی صورتحال تھی، فرار ہوتے ہوئے شامیوں نے نیزوں پر قرآن بلند کرنے شروع کر دیئے۔اور ہر طرف امان، امان کی پکار مچ گئی۔امیرالمومنینؑ کے سپاہیوں کے سامنے یہ عجیب وغریب صورتحال سامنے آئی تو ان کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے، اُنکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔

یہی موقع ہے جب عمرو بن العاص نے اشعث بن قیس کو اشارہ دیا۔ اشارہ پاتے ہی اشعث نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ جنگ سے ہاتھ روک لیں اور شور کرنا شروع کر دیا کہ ہم قرآن کے خلاف جنگ نہیں کریں گے۔اور اب جب کہ شامی قرآن کو حکم بنا رہے

ہیں، تو ہمیں اُنکی بات مان لینا چاہیئے۔امیر المومنینؑ نے اپنے سپاہیوں کو جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا، کیونکہ آپ معاویہ کی سازش سمجھ چکے تھے۔لیکن اشعث اپنے بیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ نہ صرف یہ کہ جنگ سے علیحدہ ہوگیا بلکہ اس نے جنگ نہ روکنے کی صورت میں مولاؑ سے جنگ کرنے کی دھمکی دیدی۔اب مولاؑ کے لشکر میں دو گروہ ہوگئے، ایک کہتا تھا کہ جب شامیوں نے قرآن کو حکم بنالیا ہے تو ہمیں قرآن کے خلاف جنگ نہیں کرنا چاہیئے، جبکہ دوسرا گروہ کہتا تھا کہ علیؑ کا حکم قرآن کا حکم ہے، کیونکہ علیؑ قرآن سے ہٹ کر حکم دے ہی نہیں سکتے۔

قریب تھا کہ آپس میں خونریزی شروع ہوجائے، یہ صورتحال دیکھ کر مولاؑ نے اپنے سپاہیوں کو جنگ روکنے کا حکم دیدیا۔یہ وہ موقع ہے کہ مالکِ اشتر فتح کے نزدیک پہنچ چکے ہیں اور معاویہ کے خیمے کے نزدیک لڑائی جاری ہے۔اشعث اپنے ہزاروں سپاہیوں کے ساتھ مولاؑ کے خیمے کی طرف بڑھا کہ اگر آپ نے مالک کو واپس نہ بلایا تو ہم آپ پر حملہ کردیں گے۔ امیر المومنینؑ کے تمام بیٹوں نے مولاؑ کے خیمے کے گرد حصار بنالیا۔اب یہ ایسی صورتحال تھی کہ آپس میں جنگ کی صورت میں صرف اور صرف دشمن کو فائدہ پہنچتا۔

آپؑ نے مالکِ اشتر کو پیغام بھیجا کہ مالک جنگ روک کر واپس آجاؤ۔ مالک نے بڑی حیرانگی سے یہ پیغام سنا اور کہلوایا کہ مولاؑ بس کچھ دیر کی مہلت درکار ہے، بس جنگ ختم پر ہے۔میں معاویہ کے بالکل نزدیک پہنچ گیا ہوں۔امیر المومنینؑ نے دوبارہ مالکِ اشتر کو پیغام بھیجا کہ مالک کیا چاہتے ہو؟ کیا یہ چاہتے ہو کہ یہ لوگ میرے خیمے پر حملہ کردیں۔یہ پیغام ملتے ہی مالک نے حملہ روک دیا اور فوراً مولاؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔یہاں جو منظر دیکھا تو حیرت زدہ رہ گیا،لشکریوں سے کہتا ہے یہ تم نے کیا کیا، فتنہ ختم ہونے والا ہے، جنگ ختم پر ہے، یہ تم کس سازش کا شکار ہوگئے۔لیکن اب کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔سازشی عناصر نے جیتی ہوئی جنگ کا نقشہ پلٹ دیا تھا۔مکاری اور فریب کاری نے اپنا کام دکھا دیا تھا۔ظاہر ہے کہ امام یہ حربے استعمال نہیں کرسکتا، اسی لیے دنیا کہتی ہے کہ امیر المومنینؑ کی سیاست ناکام تھی، ہاں اگر سیاست اسی کو کہتے ہیں تو پھر علیؑ کی سیاست ناکام تھی، لیکن اگر سیاست اپنے موقف کو

کامیابی سے آگے بڑھانے کا نام ہے تو علیؑ دنیا کا میاب ترین سیاست دان ہے۔

آج بھی صورتحال اس سے کچھ مختلف تو نہیں ہے، سازشی عناصر، دین کے سوداگر، اور ملت فروش لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اُنکی سیاست کامیاب ہے، وہ حق کے مقابلے میں مکروہ پروپیگنڈہ کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے مکر و ریا کے چہرے کو چھپانے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ تاریخ کسی کو معاف نہیں کرتی، وہ ان مقدس نماؤں کے چہرے کو ضرور بے نقاب کرتی ہے۔کل امیرالمومنینؑ کے ساتھ یہ صورتحال تھی اور آج انکے سچے عاشقوں کو اسی صورتحال کا سامنا ہے۔مگر وہ کل کی طرح آج بھی اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے ہیں وہ جانتے ہیں کہ انہیں کیا کرنا ہے۔بات آج اور کل کی نہیں ہے ممکن ہے کہ آج جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ جاہ و حشم رکھتے ہیں، وہ عزت و وقار کے مالک ہیں کل تاریخ انہیں قاضی شریح کی صف میں تحریر کرے۔ممکن ہے کہ اشعث ابن قیس کے ساتھیوں میں ان کا شمار ہو۔

قیامت تک کے لئے امیرالمومنینؑ نے اپنے پیروکاروں کو راستہ دکھادیا کہ علوی سیاست کیا ہے۔حق کی راہ کو نہیں چھوڑا جاسکتا حکومت کو چھوڑا جاسکتا ہے، اقتدار کو چھوڑا جاسکتا ہے۔

جنگ رک گئی دونوں طرف سے حکمین مقرر کرنے کی بات کی گئی۔معاویہ کی طرف سے عمرو بن العاص نامزد کیا گیا، مولائے کائنات کی طرف سے عبداللہ ابن عباس کا نام پیش کیا جارہا تھا کہ کوفیوں کی اکثریت نے اشعث ابن قیس کی سربراہی میں ایک ہنگامہ کھڑا کردیا کہ ہم صرف اور صرف ابوموسیٰ اشعری کے حکم بننے پر راضی ہیں۔ابوموسیٰ اشعری کون؟ یہی وہ مقدس نماؤں کا نمائندہ کہ لوگ جس کی ظاہری چال ڈھال سے دھوکہ کھا جاتے ہیں اور اسے تقویٰ اور پرہیزگاری کی علامت سمجھتے ہیں۔مولا نے بہت سمجھایا کہ عمرو، ابوموسیٰ اشعری کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہوجائے گا یہ آدمی حکمیت کے لئے مناسب نہیں ہے۔لیکن اشعث ابن قیس اور اس کے ساتھی اصرار کرتے رہے کہ ہماری طرف سے یہی حکم ہوگا۔ زبردستی اس کو حکم بنادیا گیا۔مولا نے یہ کلمہ زبان پر جاری کیا "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ".

یہ ہیں تاریخ کے وہ کردار جو امام کے ساتھ رہتے ہوئے بھی مقام امام کو نہ پہچان سکے۔ حکمیت کا فیصلہ ہی خوارج کے پیدا ہونے کا سبب بنا۔ حیرت اس بات پر ہے کہ خوارج اس بات پر میدان میں آئے تھے کہ علیؑ نے حکمیت کے فیصلہ کو کیوں قبول کیا جبکہ یہی وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے اس بات پر تلواریں نکال لیں تھیں اور مولا کے خیمے پر حملہ آور ہونے چلے تھے کہ حکمیت کو قبول کریں یہاں میں نے خوارج کا تذکرہ اس لئے چھیڑ دیا کہ آپ کے ذہن میں یہ بات رہے کہ کون سا فتنہ کب اور کیوں ایجاد ہوا تھا۔

صفین کے بعد پھر مولائے کائناتؑ کو موقع نہ مل سکا کہ آپ شام کے فتنہ کو ختم کر پاتے۔ اتنی مشکلات مولا کے سامنے کھڑی کر دیں گئیں تھیں کہ جن کا تدارک آسان کام نہ تھا، یہی کوفے کے لوگ جو کچھ دن پہلے تک مولا کے ہم رکاب تھے، اب اپنے مرنے والوں کی تعداد دیکھ کر بگڑتے جا رہے تھے۔ دو تین قسم کے گروہ کام کر رہے تھے۔ ایک وہ لوگ تھے جو اس بات پر نالاں تھے کہ آخر ہم کب تک جنگ لڑتے رہیں، ہر تھوڑے دن کے بعد ہمیں میدان جنگ میں جھونک دیا جاتا ہے۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو کہتا تھا کہ فیصلہ کرنے کے لئے حکمین کو رمضان تک کی مہلت کیوں دی گئی تھی، اسی دن فیصلہ کیوں نہیں کیا گیا تھا۔ واضح رہے کہ جب حکمین مقرر کئے گئے تو دونوں نے پہلا فیصلہ یہ دیا کہ اس وقت یہ دونوں لشکر واپس اپنے اپنے علاقوں کی طرف چلے جائیں، رمضان میں دونوں طرف کے نمائندے پھر جمع ہوں اور اس کے بعد حکمین اپنا فیصلہ سنائیں۔

ماہ رمضان کی بات سنتے ہی اشعث ابن قیس اور اس کے ہزاروں ساتھی بگڑ گئے اور کہا کہ اب ہم کسی کو اپنا امیر نہیں مانیں گے، کسی کا حکم نہیں مانیں گے، نہ علیؑ کا اور نہ ہی امیر شام کا، سوائے خدا کے ہم کسی کا حکم نہیں مانیں گے، حکم صرف خدا کا چلے گا۔ لیکن عجیب بات ہے کہ ان کا نعرہ تو یہ تھا کہ ہم نہ علیؑ کو امیر مانتے ہیں اور نہ معاویہ کو، لیکن اسکے بعد مولائے کائناتؑ کی ظاہری حیات تک خوارج صرف اور صرف امیر المومنینؑ کے ساتھ لڑتے رہے۔ معاویہ کی مخالفت کا نعرہ صرف اس لئے لگایا گیا تھا تا کہ لوگوں کو شبہہ میں رکھا جائے کہ یہ گروہ دونوں کا مخالف ہے جب کہ عملی طور پر ایسی بات نہ تھی۔ اشعث ابن قیس ظاہری

طور پر علیؑ کے لشکر میں تھا لیکن درحقیقت وہ امیر شام کا ایجنٹ تھا، جو یہی سب فتنے اٹھانے کے لئے مولا کے لشکر میں داخل ہوا تھا۔ معاذ اللہ انہی نے مولائے کائناتؑ پر حکمیت کو قبول کرنے کے بعد یہ الزام لگادیا کہ آپ مرتد ہوگئے (معاذ اللہ!)

کیوں بھئی یہ الزام تراشی کس لئے؟ آپ ہی کے کہنے پر تو یہ سب کچھ ہوا تھا اب یہ الزام کیسا تو اس پر خوارج نے یہ کہا ہم نے توبہ کرلی ہے، یا علیؑ آپ بھی توبہ کرلیں اگر آپؑ توبہ کرلیتے ہیں تو ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ لیکن مولائے کائناتؑ نے جواب دیا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، رمضان کی جو تاریخ مقرر کی گئی ہے میں اس تک انتظار کروں گا اور کبھی عہد شکنی نہیں کروں گا جو معاہدہ ہوگیا ہے، اس کی پابندی کروں گا۔ یہاں سے خوارج کا نعرہ بلند ہوا " ان الحکم الا للہ" جب مولا کے کان میں خوارج کا یہ قول پہنچا تو آپؑ نے فرمایا "کلمتہ الحق یرادو بھاالباطل" یعنی جو بات یہ کہتے ہیں کہ خدا کے سوا کسی کا حکم نہیں، یہ بات تو صحیح ہے، لیکن جو مراد لیتے ہیں، وہ باطل ہے۔

لازمی ہے انسانوں کے لئے کہ رہبر ہونا چاہئے، امام ہونا چاہئے، امیر ہونا چاہئے۔ چاہے وہ نیک ہو، چاہے وہ فاسق ہو، ایک انسانی معاشرہ چلانے کے لئے، جیسا کہ میں نے پچھلی مجلس میں عرض کیا تھا یہ امام کا قول ہے۔ کہ ایک رہبر کا ہونا ضروری ہے اور یہاں صورتحال یہ ہے کہ نہ امامتِ برحق قبول ہے، اور نہ ہی کوئی دوسرا رہبر قبول ہے، اور پھر خود ہی میٹنگ کرتے ہیں اور اپنے لئے عبداللہ ابن وہب کو امیر مقرر کرلیا اور کہا کہ یہ ہمارے سربراہ ہیں، یہ ہمارے امیر ہیں۔ تو اب ان سے پوچھئے کہ تم تو امارت کے قائل نہیں تھے، اور پھر ایک امیر کا انتخاب کرکے بیٹھے ہو کہ یہ ہمارا امیر ہے۔ یہ بھی کہہ رہے ہو کہ ان الحکم الاّ اللہ یعنی جس کلیے کے قائل نہیں ہیں، جس کے خلاف لڑ رہے ہیں، عملی طور پر اس پر خود ہی عمل بھی کررہے ہیں کہ امیر کے بغیر گاڑی نہیں چل سکتی۔ یہی تو ہم کہہ رہے ہیں کہ بابا ایک امیر تو تمہیں بنانا پڑے گا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کسی کی اطاعت بھی نہیں کروگے اور بس خدا کا حکم چلے گا۔ قرآن میں آگیا جو بھی خدا کا حکم ہے، بس ہم اس کو دیکھیں گے، اس کو سمجھیں گے، اور اسکے مطابق عمل کریں گے۔

یہ خارجیوں کا گروہ کہ تاریخ میں جن کے لئے آیا ہے کہ رات رات بھر نمازیں بھی پڑھتے تھے، دن میں روزے رکھا کرتے تھے، اور امام برحق کے خلاف جہاد بھی کرتے تھے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ اس جاہل عبادت گزار سے جو رات رات بھر عبادت کرتا ہے، وہ عالم نیند کی حالت میں اچھا ہے، جو غور وفکر کی حالت میں اور تلاش علم کی حالت میں اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ جاہل کی ستر ہزار رکعات سے عالم کی دو رکعات نماز افضل قرار دی گئی ہیں۔ تو یہ خوارج ایسے عبادت گزار تھے کہ جنہیں حق و باطل کی تمیز نہیں تھی، ان کی پیشانیوں پر سجدے کے نشان تھے اور یہ اتنے جری تھے اور اس جرأت کو اپنی شان سمجھتے تھے کہ جب کوفے میں مولائے کائناتؑ نے نماز شروع کی اور صفیں بندھنا شروع ہوئیں تو یہ خارجین یہ کہتے ہوئے صف سے نکل گئے کہ ہم تمہارے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے، تم ہمارے امیر نہیں ہو۔

یہ خارجی قرآن میں سے اپنے مطلب کی آیات ڈھونڈ کر نکالتے تھے اور مسجد میں کھڑے ہوکر خطبے کے درمیان میں صدائے اعتراض بلند کرتے تھے۔ اور اس بات پر فخر کرتے تھے کہ وہ حق بات کرتے ہیں۔ مولا انہیں جاہل زاہدوں سے تعبیر کرتے تھے، لیکن ہمیشہ ان کی بات صبر وتحمل کے ساتھ سنا کرتے تھے، ان کی باتوں کا جواب دیتے، اور جب وہ حد سے تجاوز کرتے، اور لوگ ان سے لڑنے کے لئے کھڑے ہوجاتے، تو مولا لوگوں کو روک دیتے تھے، کہ جاہل لوگ ہیں۔

ان میں اور شام والوں میں ایک بڑا فرق تھا، ان کی اکثریت حق کو تلاش کرتے ہوئے گمراہ ہوگئی، جب کہ امیر شام اور اس کے ساتھی خود بھی جانتے تھے کہ وہ باطل ہی کے لئے لڑ رہے ہیں۔ اس زمانے میں بھی امام یہی فرماتے رہے کہ اصل فتنہ گر شام میں ہے، اور مجھے اس فتنہ کا سر کچلنا ہے۔ خوارج سے امام نے کہہ دیا تھا کہ اگر تم صرف مجھ پر اعتراض کرتے رہو گے تو مجھے تم سے کوئی سروکار نہ ہوگا، تم مسجد میں بھی آسکتے ہو، نماز بھی پڑھ سکتے ہو۔

یہاں تک ہے کہ یہ خوارج امام کی موجودگی میں ہی مسجد میں الگ جماعت کھڑی کرلیتے تھے۔ لیکن اس پر بھی امام صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتے تھے اور انہیں وظیفے بھی دیتے

تھے۔ امام نے فرمادیا تھا کہ جب تک تم تلوار نہیں نکالو گے، میں بھی تمہارے خلاف تلوار نہیں اٹھاؤں گا۔ کیونکہ امام اس بات کو سمجھ رہے تھے کہ ان میں چند لوگ ہی دانستہ طور پر میرے مقابلے پر آئے ہیں جب کہ اکثریت جہالت کے سبب سے میری مخالفت پر آمادہ ہے۔ اسی دوران خوارج کے سردار عبداللہ ابن وہب سے امام کا مناظرہ بھی ہوا، لیکن ان کا بھی خوارج کے فکروں پر کوئی اثر نہ ہوا۔

بالآخر ماہ رمضان آ گیا اور حکمین کا فیصلہ سننے کے لئے بڑی تعداد میں دونوں طرف کے لوگ جمع ہو گئے۔ عمرو بن العاص ایک مکار انسان تھا، اس نے ابوموسیٰ اشعری کو اپنی چکنی چپڑی باتوں کے جال میں پھنسالیا۔ اس کا بے حد ادب و احترام کیا، اور کہا کہ آپ میرے لئے بھی اتنے ہی مقدس و محترم ہیں، جتنے کوفیوں کے لئے ہیں، اور مجھے آپ کی ہر بات قبول ہے کیونکہ میں آپ کو تقویٰ اور پرہیزگاری کے اعلیٰ درجے پر پاتا ہوں۔

جب عمرو، ابوموسیٰ اشعری کو شیشہ میں اتار چکا، اب اس نے اپنی مکاری کا جال پھینکا، اور کہا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ خلافت کا مسئلہ طول پکڑتا جا رہا ہے، اور ناحق دو افراد کی خاطر ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا ہے۔ اگر آپ میری رائے سے اتفاق کریں تو میں اس مسئلے کا ایک بہترین حل پیش کر سکتا ہوں، اور وہ حل یہ ہے کہ عراقیوں اور شامیوں نے مجھے اور آپ کو اختیار دیا ہے اور ہم جو بھی فیصلہ کریں گے، دونوں طرف کے لوگ اسے خوش دلی سے قبول کریں گے۔ تو ہم ایسا کرتے ہیں کہ اس جھگڑے کو جڑ سے ختم کر دیتے ہیں میں امیر معاویہ کو معزول کر دیتا ہوں، اور آپ علیؑ ابن ابی طالب کو معزول کر دیں۔ اور کسی تیسرے مقدس اور پرہیزگار انسان کو مسلمانوں کا امیر بنا دیں۔

عمرو بن العاص اشاروں ہی اشاروں میں اپنا جال پھینک چکا تھا، اور ابوموسیٰ کے دل کی بات کہہ چکا تھا۔ خلافت حاصل کرنے کی ابوموسیٰ کی پوشیدہ خواہش کو جان چکا تھا اس لئے اس نے اس انداز میں گفتگو کی کہ ابوموسیٰ کو یہ یقین ہو گیا کہ ان دونوں کی معزولی کے بعد میں مسلمانوں کا خلیفہ بنا دیا جاؤں گا۔ ابوموسیٰ اشعری نے بخوشی عمرو کی اس رائے کو قبول کر لیا، اور اس بات پر تیار ہو گیا کہ دونوں کو خلافت سے معزول کر دیا جائے۔

اس سازش کے تیار ہونے کے بعد یہ دونوں مسجد میں پہنچے، جہاں ایک بڑا مجمع ان دونوں کا منتظر تھا۔ مولا کی حمایت کرنے والوں میں سے کچھ افراد نے جن میں جناب مالک اشتر بھی شامل تھے، ابوموسیٰ اشعری کو ہوشیار کردیا تھا کہ عمرو بن العاص بہت ہی مکار انسان ہے، کوئی بھی فیصلہ سنانے سے پہلے خوب اچھی طرح سوچ سمجھ لیجئے گا اور پہلے اسے منبر پر جانے دیجئے گا۔ ابوموسیٰ اشعری جو خلافت کا خواب اپنے دل و دماغ میں لئے اقتدار حاصل کرنے کا سودا دماغ میں سمائے ہوئے تھا، اس نے مالک اشتر کی اس نصیحت کو سنا ان سنا کردیا، جب دونوں منبر کے قریب پہنچے تو ابوموسیٰ نے عمرو بن العاص کو حکم دیا کہ وہ منبر پر جائے، اور اپنا فیصلہ سنائے۔

عمرو جو بلا کا مکار تھا، ہاتھ باندھ کر ابوموسیٰ کے سامنے کھڑا ہوگیا کہ بزرگوار یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں آپ جیسے مقدس شخص سے پہلے منبر پر چڑھ جاؤں۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا، بلکہ آپ بزرگ ہیں، آپ مقدس ہیں، پہلے آپ منبر پر تشریف لے جایئے، اور اپنا فیصلہ سنایئے، اسکے بعد میں آپ کی تقلید کروں گا۔

ابوموسیٰ اشعری بڑے ناز سے منبر پر آیا، اور آنے کے بعد پہلے اس نے فتنے اور فساد کے نقصانات اور امن و بھائی چارے کے فائدوں پر روشنی ڈالی۔ اور اسکے بعد یوں گویا ہوا کہ ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس خونریزی کو رکوانے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ ان دونوں کو خلافت سے علیحدہ کردیا جائے، اس کے بعد ابوموسیٰ نے اپنی انگلی سے انگوٹھی نکالتے ہوئے یہ جملے ادا کیے، کہ عراقیوں کے حَکَم کی حیثیت سے میں نے علیؑ کو خلافت سے معزول کیا، بالکل اس طرح جیسے اپنی انگلی سے یہ انگوٹھی جدا کی۔

ابوموسیٰ کا یہ فیصلہ سنتے ہی عراقیوں پر مایوسی چھاگئی۔ اسکے بعد ابوموسیٰ اشعری منبر سے اتر آیا۔ اسکے اترنے کے بعد عمرو بن العاص منبر پر گیا، اور منبر پر آنے کے بعد یوں گویا ہوا! بھائیو! تم نے ابوموسیٰ اشعری کی گفتگو سنی، ابوموسیٰ نے عراقیوں کی حَکَم کی حیثیت سے اپنا فیصلہ سنادیا اور اپنے امیر کو غلطی پر پایا اور اسے معزول کردیا۔ اسکے بعد اس نے پہلے سے نکالی ہوئی انگوٹھی اپنے ہاتھ میں لی، اور واپس اپنی انگلی میں پہناتے ہوئے کہا کہ میں امیر معاویہ کو

بالکل اس طرح خلافت پر نصب کرتا ہوں جیسے یہ میں نے اپنی انگوٹھی اپنی انگلی میں پہنی ہے۔ عمرو کے اس اعلان سے مسجد میں ہنگامہ برپا ہوگیا، سب عراقی ابوموسیٰ اشعری کو اور عمرو بن العاص کو برا بھلا کہنے لگے۔

ابوموسیٰ اشعری کا رنگ فق ہوگیا، یہ مقدس نما اپنی جگہ سے کھڑا ہوکر عمرو بن العاص پر غصہ کرنے لگا، اور کہتا ہے کہ تو نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے، ہمارے اور تمہارے درمیان یہ قول وقرار ہوا تھا کہ میں علیؑ کو اور تو معاویہ کو معزول کردے گا۔ مگر تو نے میرے ساتھ مکروفریب سے کام لیا۔ عمرو بن العاص ابوموسیٰ کی یہ بات سن کر اسے دھکا دیتے ہوئے کہتا ہے کہ بیٹھ جا احمق بوڑھے، تو یہ سمجھتا تھا کہ میں اپنے امیر کو معزول کرکے تجھے خلیفہ بناؤں گا۔

تو جناب یہ ہوتا ہے ان مقدس نماؤں کا انجام، نہ صرف یہ کہ یہ حق کی مخالفت کرتے ہوئے ایک قوم کو گمراہ کرنے کا باعث بنتے ہیں، بلکہ خود انہیں بھی کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جن کے بارے میں یہ بات صادق آتی ہے کہ "خسر الدنیا والآخرہ" دنیا میں بھی جو نقاب انہوں نے اپنے چہرے پر چڑھائی ہوتی ہے، وہ باقی نہیں رہتی ہے اور بالآخر لوگوں کے سامنے ان کا اصلی چہرہ آ ہی جاتا ہے۔ جیسا کہ ابوموسیٰ اشعری کے ساتھ ہوا کہ جب تک عمرو بن العاص کو اس کی ضرورت تھی اس سے کام لیا، اور جب کام نکال لیا تو دومنٹ میں اس کا سارا تقدس پامال کرکے رکھ دیا۔

جب اس فیصلہ کی خبر امیرالمومنینؑ کے پاس پہنچی تو آپؑ نے جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔ لیکن صورتحال یہ ہے کہ دوجنگوں کے بعد اب عراقیوں کا جذبہ ختم ہوچکا ہے، اب دوبارہ ایک بڑے لشکر کو جمع کرنا، ایک بہت ہی مشکل کام ہے۔ مولاؑ نے مسجد میں خطبہ دیا لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی، لیکن اسکے باوجود بہت ہی مایوس کن تعداد میں مجاہدین جمع ہوسکے۔ عبداللہ ابن عباس، حجر ابن عدی، عدی ابن حاتم جیسے جانثاروں نے لوگوں کو جوش دلانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ بہرحال چالیس ہزار کا لشکر جمع ہوگیا۔

دیکھیں اب یہ نازک موڑ ہیں تاریخ کے، تجزیاتی اعتبار سے، چالیس ہزار کا لشکر مولاؑ

کے لئے کافی ہے۔ آپ نے بھی حکم دیا کہ شامیوں کو شکست دینے کے لئے اتنی تعداد بہت ہے، لہٰذا اب کوچ کیا جائے۔ کوفے سے لشکر نکلا اور نخیلہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا، تاکہ پیچھے رہ جانے والے بھی آکر مل جائیں۔

خوارج کے بارے میں یہ شبہ کہ وہ کس کی پیداوار تھے، اور قوی ہوجاتا ہے، جب جنگ نہروان سامنے آتی ہے۔ کیونکہ امیر شام کو یہ خبریں مل رہی ہیں کہ امیرالمومنینؑ شام پر حملے کی تیاری کررہے ہیں، اور کوفے سے چالیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ کوچ کر چکے ہیں۔ اب دیکھئے کہ ادھر مولا نے شام کے قصد سے کوچ کیا اور ادھر خوارج کا فتنہ کھڑا ہوگیا۔ خوارج نے بھی کوفے کے قریب پڑاؤ ڈال دیا اور لوٹ مار، اور قتل و غارت گری شروع کردی۔ یہ لوگ کوفے سے باہر نکلنے والے راستوں پر بیٹھ گئے، اور ہر آنے جانے والے کو روک کر پوچھنا شروع کیا کہ وہ کسے اپنا امیر مانتے ہیں۔ اگر اس کا جواب علیؑ ہوتا تھا تو یہ اسے قتل کردیتے تھے، اس کا مال و اسباب، لوٹ لیتے تھے۔

اور بعض دفعہ تو عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کر ڈالا، عجیب و غریب اسلام کا تصور تھا ان کے نزدیک، کہ ایک مومنہ جو حمل سے تھی، اس کا پیٹ چاک کرنے کے بعد اسکے بچے کا بھی سرتن سے جدا کردیا تھا۔ اگر آپ خوارج کے اسلام کو سمجھنا چاہتے ہیں تو آج بھی آپ کو اسکی مثال مل سکتی ہے۔ مزار شریف کے شہر بامیان میں تیس ہزار محبان اہل بیت کو اسلام کے نام نہاد ٹھیکیداروں نے اس طرح سے قتل کیا کہ نہ کوئی مقدمہ چلا، نہ کوئی جرم بتایا گیا، اور یہ اعلان کردیا گیا کہ آٹھ سال سے زیادہ عمر کے ہر مرد کو قتل کردیا جائے۔ عورتوں اور چھوٹے بچوں کو کنیزی اور غلامی میں لے لیا جائے۔ یہ قتل عام کس فقہ کے تحت کیا گیا؟ کس زمینی یا آسمانی قانون کے تحت کیا گیا؟ یہ سوال آج بھی اور تاقیامت جواب کا محتاج رہے گا۔ ویسے ہمیں اس سوال کا جواب معلوم ہے، اور وہ جواب یہ ہے کہ کل بھی محبت علیؑ کے جرم میں ہمارے ساتھ یہ سلوک کیا گیا تھا، اور آج کی ماڈرن دنیا میں بھی محبت اہل بیتؑ کے جرم کی سزا ہم بھگت رہے ہیں۔ اور ہمیں اس پر افتخار ہے۔

آج افغانستان میں اسلام کی جو بھیانک تصویر پیش کی جارہی ہے، اسکے پیچھے

سامراجی طاقتوں کے کئی مقاصد پوشیدہ ہیں۔ ایک مقصد تو یہ ہے کہ ایران میں آنے والے اسلامی انقلاب کے جو اثرات یورپ اور امریکہ کے ممالک میں پھیل رہے تھے، ان کو روکا جاسکے۔ اور امریکی اور یورپی شہریوں کو افغانستان کے اسلام کی تصویر دکھا کر اسلام سے ڈرایا جاسکے۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ ان جدید خارجیوں کے ذریعے ایک بار پھر علیؑ کے چاہنے والوں کو نئی مصیبتوں میں مبتلا کیا جائے۔ کیونکہ ان کی دانست میں سامراج کو اصل خطرہ شیعیان حیدر کرار ہی کے انقلابی کردار سے ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جب بھی حقیقی اسلام کو خطرات لاحق ہوئے، تو یہی علیؑ کے چاہنے والے میدان میں نکل آئے، اور اسلام محمدیؐ کا دفاع کرنے کا فریضہ انجام دیا۔

عجیب وغریب دہشت گردی کو اسلام کا نام دیا جارہا ہے کہ ساری دنیا میں اسلام دشمنوں کو اسلامی قوانین کا مذاق اڑانے کا موقع فراہم کیا جاسکے۔ داڑھی ایک بالشت سے چھوٹی کیوں ہے؟ پندرہ کوڑے۔ شلوار کا پائینچہ ٹخنے سے اونچا کیوں نہیں ہے؟ بیس کوڑے۔ خاتون نے خیمے کی جگہ چادر کیوں پہنی ہے؟ پچیس کوڑے۔

بندوق کی گولیاں اور کوڑوں کی بوچھاڑ کے زور پر جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا جائے گا، اس کے اثرات بھی وقتی ہوتے ہیں، اور جب ردعمل ہوتا ہے تو اسپین کی طرح کسی مسلمان کو قومیت بھی نہیں دی جاتی۔ بس حقیقی اسلام، اسلام محمدیؐ اور دُرّے والے اسلام میں یہی فرق ہے۔ حقیقی اسلام پیغمبر اکرمؐ اور ان کے اہل بیتؑ کی محبتوں کا مجموعہ ہے، اور دُرّے والا اسلام ملوکیت کی فطرت کا آئینہ دار ہے۔

اب جملہ معترضہ کے طور پر یہ بات بھی عرض کردوں کہ داڑھی کا ذکر آ ہی گیا تو اتنا ضرور کہوں گا کہ داڑھی رکھنا شعائر اسلامی ہے، حکم خدا ہے، حکم رسولؐ ہے، اور حکم ائمہ طاہرین ہے۔ آپ اس حکم سے بچنے کے لئے کوئی تاویل نہیں کرسکتے۔ صرف ایک راستہ ہے داڑھی نہ رکھنے کا کہ قدرتی طور پر ہی آپ کی داڑھی نہ ہو، یا پھر کچھ لوگوں کے لئے استثنائی حکم داڑھی نہ رکھنے کا دیا جاتا ہے، لیکن وہ حکم اوّلی نہیں ہے، بلکہ حکم ثانوی ہے۔ جب کہ حکم اوّلی داڑھی رکھنے کا ہی ہے۔

تو ہم بات کر رہے تھے خوارج کی، کہ یہ اسی طرح کا اسلام جانتے تھے کہ سور مرجائے تو بیٹھ کر روتے تھے کہ اللہ کی مخلوق بے گناہ ہمارے ہاتھوں سے ماری گئی اور مسلمانوں کو اتنی اتنی سی باتوں پر قتل کر رہے تھے کہ تم نے داڑھی بڑی کیوں نہیں رکھی، مثلاً تم نے پائنچے اوپر کیوں نہیں چڑھائے، ایسے ہی ایک واقعہ میں جب ایک صحابی رسول کا بیٹا عبداللہ، اس کی زوجہ، اور اسکا وہ بچہ جو ماں کے پیٹ میں تھا، قتل کرا دیئے گئے تو اب مولاؑ نے پہلے اس فتنے کا سر کچلنے کا ارادہ کرلیا۔ کیونکہ مولا کے لشکر میں اکثریت کوفیوں کی تھی، اور کوفی یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہے تھے کہ اگر ہم یہاں سے دور چلے گئے تو ہمارے پیچھے، ہمارے گھر بار اور ہمارے بیوی بچوں کے ساتھ یہ خارجی کیا سلوک کریں گے۔ مولا کے جانثاروں نے بھی یہی مشورہ دیا اور خود مولائے کائنات بھی اسی نتیجہ پر پہنچے کہ پہلے خارجیوں کے فتنے کا سر کچلا جائے۔

یہاں سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شامی اس سازش میں بھرپور طریقے سے شریک تھے، تاکہ وقتی طور پر ایک طرف تو اس لشکر کشی کو روک دیا جائے، اور دوسری طرف خارجیوں سے جنگ کے نتیجے میں مولا کی افرادی قوت کو بھی کمزور کر دیا جائے۔

لہٰذا اب امیرالمومنینؑ نے حکم دیا کہ لشکر کا رخ موڑ دو نہروان کی طرف، کیونکہ خارجی اپنے بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ نہروان کے مقام پر مرکز بنائے ہوئے تھے۔ یہ چالیس ہزار کا لشکر جب نہروان کی طرف روانہ ہونے لگا تو ایک نجومی نے مولا کی ہمدردی میں یہ بات کہی کہ آپ اس جنگ میں تشریف نہ لے جائیں۔ کیونکہ میرا علم کہتا ہے کہ یہ ساعت صحیح نہیں ہے، اور آپ کو کامیابی ملنے کا امکان نہیں ہے۔ آپ نے مسکرا کر اس کو جواب دیا کہ فتح میری ہی ہوگی۔ اور اس وقت مولا نے اس لئے بھی اس کی بات نہ مانی کہ بعد میں لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ آپ نجومیوں کے کہنے پر چلتے ہیں۔ اگرچہ کہ اس قسم کے علوم میں کچھ باطل ہیں، اور کچھ میں ایک حد تک انسان ملکہ حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن علم امام ان تمام علوم پر حاوی ہے، کیونکہ وہ علم لدنی کا مالک ہوتا ہے، اور خدا کی طرف سے اسے غیب کی خبریں بھی ملتی رہتی ہیں۔

بہر حال امام نے نجومی کی بات سنی ان سنی کی اور نہروان کی طرف روانہ ہوگئے۔ راستے میں ایک شخص ملا، جس نے کہا کہ مولا مبارک ہو، خارجی آپ کے آنے کا سنتے ہی نہر پار کر کے دوسری طرف چلے گئے ہیں۔ مولا نے پوچھا کہ کیا تو نے خود دیکھا ہے، وہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ ہاں مولا میں نے خود دیکھا ہے کہ وہ نہر پار کر کے دوسری طرف چلے گئے ہیں۔ مولا نے تین بار تکرار کی، اور اس نے تینوں بار قسم کھا کر یہی بات کہی اور پھر وہ چلا گیا۔ امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں کہ یہ شخص غلط کہہ رہا ہے، خارجیوں کی قتل گاہ نہر کے اسی طرف ہے، اور یہی اللہ اور رسولؐ کا وعدہ بھی ہے۔ اس کے بعد مولا آگے بڑھتے رہے۔ نو یا دس افراد نے وہی بات کی جو اس پہلے شخص نے کی تھی کہ خوارج نہر پار کر کے دوسری طرف چلے گئے ہیں مگر مولا یہی فرماتے رہے ہیں کہ خوارج کی قتل گاہ نہر کے اسی طرف ہے۔

آپ کے لشکر میں ایک جوان سپاہی مولاؑ کی باتوں سے شبہ میں مبتلا ہوگیا اور دل میں یہ نیت کرتا ہے کہ کیا علیؑ علم غیب رکھتے ہیں کہ اتنے لوگوں نے ایک بات کہی، مگر علیؑ نے کسی کی بات پر توجہ نہ کی۔ اگر علیؑ کی بات غلط نکلی تو میں خود علیؑ پر حملہ کروں گا، اور انہیں قتل کر ڈالوں گا۔ اور اگر بات سچی نکلی تو ایمان لے آؤں گا اور علیؑ پر اپنی جان قربان کر دوں گا۔ اور کچھ ہی دیر بعد جب مولا کا لشکر نہر کے کنارے پہنچا تو دیکھا کہ بارہ ہزار خارجی نہر کے اسی طرف اور اسی جگہ کہ جہاں کی نشاندہی مولا نے کی تھی، موجود ہیں۔ اور یہ سب کے سب مسلح اور جنگ کے لئے تیار ہیں۔

یہ منظر دیکھ کر وہ جوان آگے بڑھا اور مولا کے قدموں پر گر پڑا، کہنے لگا کہ میرے آقا میرے سید و سردار مجھے معاف کر دیجئے، میرے دل میں آپ کی طرف سے شبہ پیدا ہوگیا تھا، اور اب میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ مولا نے مسکرا کر اسے معاف کر دیا اور کہا کہ جاؤ تم نے اپنے گناہ کی جب توبہ کر لی تو خدا نے تمہیں معاف کر دیا، اور اب علیؑ سے یہ بھی سن لو کہ خارجیوں کی بچنے والوں کی تعداد دس نہیں ہوگی اور ہمارے شہید ہونے والوں کی تعداد دس نہیں ہوگی۔ حضرت ابو ایوب انصاری صحابیِ رسولؐ کو ایک سفید پرچم لے کر لشکر سے ہٹا کر ایک طرف کھڑا کر دیا اور یہ اعلان کرا دیا کہ جو اس پرچم کے نیچے آجائے گا، اسے امان

ہوگی۔ یعنی آخری وقت تک امام یہ چاہ رہے ہیں کہ جتنوں کی بھی جانیں بچ سکتی ہیں، بچالی جائیں اور جنگ کرنے سے پہلے جان بچانے کا ایک موقع اورانہیں فراہم کردیا جائے۔

اچھی خاصی تعداد اس سفید پرچم کے نیچے آگئی، کیونکہ بہرحال یہ بات تو خارجی بھی جانتے ہیں کہ اب جو مقابلے پر آیا ہے، وہ علیؑ ہے کہ میدان جنگ میں جس نے کبھی شکست کا منہ نہیں دیکھا۔ جب یہ حجت بھی تمام کرلی تو اب جنگ کا آغاز ہوا، کئی ہزار خارجیوں نے علیؑ کے لشکر پر حملہ کیا، اور پھر علیؑ کے لشکر کی طرف سے جوابی حملہ ہوا، اور چند گھنٹوں میں جنگ کا فیصلہ ہوگیا۔ اور جیسا کہ مولا نے فرمایا تھا کہ خوارج سے میدان صاف ہوگیا، صرف نو خارجی اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوسکے، جن میں سے دوعمان، دوعراق، دوشام پہنچے اور باقی یمن کی طرف بھاگ نکلے۔ خارجیوں کی اس شکست کے بعد امام نے فرمایا کہ اب یہ قیامت تک کبھی جمع نہیں ہوسکتے، اور کبھی سر نہیں اٹھاسکتے۔ ایک چاہنے والے نے سوال کیا کہ مولا کیا ان کا بالکل خاتمہ ہوگیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں یہ انڈے بچے دیتے رہیں گے مگر دین اسلام کا کچھ بگاڑ نہ پائیں گے، اور بہت زیادہ ان کی نسلیں آگے چلیں گی تو ڈاکوؤں، لٹیروں اور راہزنوں کی صورت میں سامنے آئیں گی۔

یہاں ایک بات کا اعتراف ضروری سمجھتا ہوں کہ میں خدا کا جتنا بھی شکر ادا کروں اس بات پر وہ کم ہے کہ ایک ایسے موضوع سے آپ لوگوں کی بڑھتی ہوئی دلچسپی میرے لئے حوصلہ افزائی کا باعث ہے کہ جو عام طور پر مجالس کا موضوع نہیں ہوا کرتا۔ خاص طور پر نوجوانوں کی دلچسپی دیکھ کر مجھے اور فخر کا احساس ہورہا ہے۔

خیر ہم آتے ہیں اصل موضوع کی طرف، جنگِ نہروان تمام ہوئی۔ اب مولاؑ نے شام کی طرف چلنے کا حکم دیا، تو یہاں بھی اشعث ابنِ قیس کی منافقت نے اپنا رنگ دکھایا۔ وہ پہلے ہی سے سپاہیوں میں زمین ہموار کرچکا تھا۔ جیسے ہی یہ حکم سنا، لشکر کی اکثریت چلا اٹھی کہ ہم ابھی شام نہیں جاسکتے، ہم جنگ سے تھک چکے ہیں۔ پہلے کوفے واپس جائیں گے تاکہ کچھ ستالیں اور اپنے بال بچوں کی خبر بھی لے لیں۔ حالانکہ آپ دیکھئے کہ ایک دن سے زیادہ کی جنگ نہیں ہوئی اور جانی نقصان بھی اتنا نہیں ہوا، صرف نو افراد شہید ہوئے

ہیں، لیکن لوگ جنگ سے کترا رہے ہیں کیونکہ انھیں پہلے سے ہموار کیا گیا ہے۔ یہیں سے یہ شبہ اور مضبوط ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک منظم سازش کے تحت ہو رہا ہے۔

اشعث ابنِ قیس کے بارے میں ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ یہ معاویہ سے مال لے چکا تھا، خوارج کے فتنے کا بھی یہی موجب بنا تھا۔ اور اب ایکبار پھر یہی اشعث سپاہیوں کو شام جانے سے روکنے کا باعث بن رہا تھا۔ یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ خارجیوں نے تین افراد کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا، پھر آخر ایک ہی نشانہ کیوں بنا، اور باقی دو حضرات اتنی صفائی سے کیوں بچ گئے۔ اگر واقعات کی کڑی سے کڑی ملائی جائے تو بات کچھ سمجھ میں آتی ہے کہ اس سارے کھیل کے پیچھے ایک ہی دماغ کام کر رہا تھا۔ جیسا کہ آجکل بھی ہو رہا ہے، ایک گروہ ایسا ہے جو سب کو غلط کہتا ہے۔ باطل تو ہے ہی غلط، یہ حق کو بھی غلط کے ساتھ لا کھڑا کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اشعث جیسے کرداروں کی یاد دلاتے ہیں۔ درحقیقت یہ ہیں تو باطل ہی کے ساتھ، مگر باطل کی مدد کیسے کریں؟ تو باطل کی مدد کا بہترین طریقہ انکے پاس یہ ہے کہ یہ غیر جانب دار بن کر باطل کے ساتھ ساتھ حق کی بھی مخالفت شروع کر دیتے ہیں۔

مگر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک طرف وارثانِ عاشورہ کی جماعت ہو، ایک طرف عاشقانِ سید الشہداؑ ہوں، راہِ کربلا کے مسافر ہوں، اور دوسری طرف اشعث ابنِ قیس اور عمرو بن العاص کے نقشِ قدم پر چلنے والے بہروپیے ہوں، کیا ان دونوں گروہوں کو ایک ہی صف میں کھڑا کیا جاسکتا ہے؟ کیا ان دونوں کو باطل قرار دیا جاسکتا ہے؟ ناممکن ۔۔۔۔۔ اس بات کا امکان نہیں ہے کہ ان دونوں گروہوں کو ایک نگاہ سے دیکھا جائے۔ ایک طرف مکتب اہلبیت کے فدائی ہوں، اور دوسری طرف دین کے سوداگر ہوں، نہایت سستے داموں اپنے ضمیر کا سودا کرنے والے ہوں، کسطرح ان دونوں کو برابر کھڑا کیا جاسکتا ہے؟

افراد غلط ہوسکتے ہیں، لیکن نظریہ اور سسٹم کی جب بات آئے گی تو دیکھنا پڑیگا کہ نظریاتی سرحدوں کا دفاع کرنے والا گروہ کونسا ہے۔ چاہے وہ فلسطین کی چھوٹی سی سرزمین ہو، چاہے وہ لبنان کی سرزمین ہو، کیسے ہوسکتا ہے کہ اسرائیل بھی غلط اور حزب اللہ بھی غلط۔ تو

حق کی مخالفت کے لیے ایسے گروہ تیار کئے جاتے ہیں جن کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ دیکھو یہ غیر جانبدار لوگ ہیں، اور پھر وہ گروہ حق کی مخالفت کا آغاز کرتا ہے۔

مولائے کائناتؑ سمجھاتے ہیں کہ دیکھو اس وقت تمھارا واپس کوفہ جانا ٹھیک نہیں ہے۔ اگر تم اسوقت واپس چلے گئے تو بیوی بچوں اور مال و اسباب کی محبت تمہیں دوبارہ میدانِ جنگ میں آنے سے روک دے گی۔ لیکن لشکر راضی نہ ہوا اور مجبوراً مولاؑ کو واپس ہونا پڑا۔ یہ واقعہ ہے ۳۸ ہجری کا۔ پھر اسکے بعد ہزار کوششوں کے باوجود لشکر جمع نہ ہوسکا۔ نوبت یہاں تک آئی کہ شامیوں نے اطراف کے علاقوں میں لوٹ مار شروع کردی، شہرِ انبار کو بے دردی سے لوٹ لیا گیا۔ امیرالمومنینؑ نے کوفے کے لوگوں کو جمع کر کے جہاد کی ترغیب دی۔ لیکن یہ ہمت ہارے ہوئے لوگ پھر جہاد کے لئے تیار نہ ہوئے۔

نہروان کی لڑائی کے بعد کا ڈیڑھ سال کا دور اسی طرح گزر گیا، جنابِ محمد ابنِ ابی بکر جو مصر کے والی ہیں، وہاں بھی معاویہ نے لشکر کشی کا ارادہ کرلیا، پہلے وہاں درہم و دینار کی تھیلیوں کے ذریعہ لوگوں کو خریدنا شروع کیا پھر شورشیوں کو اندر داخل کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ جنابِ محمد ابنِ ابی بکر کو اپنی کمزوری کا احساس ہونے لگا۔ آپ نے اس صورتحال سے امیرالمومنینؑ کو آگاہ کیا اور مدد طلب کی، مگر کوفہ اب وہ کوفہ نہیں رہا، جو مولاؑ کے حکم پر جانثاروں کی فوجِ ظفر موج فراہم کیا کرتا تھا۔ ان لوگوں کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے مولاؑ نے جنابِ مالکِ اشتر کو مصر کا والی بنا کر بھیجنے کا فیصلہ کرلیا اور ایک فرمان جنابِ محمد ابنِ ابی بکر کے نام روانہ کیا جس میں انکی لیاقت اور صلاحیت کی تعریف کرتے ہوئے انھیں حکم دیا کہ مصر کی ولایت مالکِ اشتر کے حوالے کردیں اور خود میرے پاس کوفے آجائیں۔ کیونکہ مصر کو مالکِ اشتر جیسے شخص کی ضرورت ہے۔

لیکن کیا ہوا، جونہی معاویہ کو خبر ملی کہ علیؑ نے مالک کو مصر کی طرف روانہ کیا ہے، اس نے سازش کی کچھ لوگوں کے دین کو خریدا اور ابھی مالک راستے ہی میں تھے کہ انہیں زہر دے کر شہید کردیا گیا۔ علیؑ کا یہ فدائی آخری وقت میں آنسو بہا رہا تھا، زوجہ نے حیرت سے کہا کہ مالک تو تو بڑا دلیر ہے بڑا بہادر ہے آخر یہ آنسو کیوں بہا رہا ہے، تو مالک نے کہا کہ میں

اپنے انجام پر نہیں رو رہا بلکہ اپنے آقا کی مظلومیت پر رو رہا ہوں۔ یہ تھا علیؑ کا وہ سپاہی جو علیؑ کی مظلومیت اور تنہائی کا احساس رکھتا تھا۔

مالک کی شہادت کی خبر جب مولاؑ کو ملی تو آپ نے فرمایا کہ مالک میرے ساتھ ایسا ہی تھا جیسے میں رسولِ خداؐ کے ساتھ تھا۔ دوسری طرف معاویہ نے یہ خبر سن کر رقص کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور کہنے لگا کہ میں نے آج علیؑ کا دوسرا بازو بھی کاٹ ڈالا۔ ایک بازو میں صفین کے دن کاٹ چکا تھا۔ اور وہ بازو جنابِ عمار یاسرؓ تھے۔ کچھ ہی دنوں کے بعد جنابِ محمد ابنِ ابی بکر بھی شہید کر دیئے گئے۔ اور انکی شہادت بھی بڑے ہی دردناک انداز میں ہوئی تھی۔ یہ تھے علیؑ کے وہ جانثار کہ جن پر علیؑ کو ناز تھا۔

جتنی بھی جنگیں ہوئیں علیؑ نے اپنے منصب کے تقاضوں کو پورا کیا، یعنی امامت اور ملوکیت کے فرق کو مٹنے نہ دیا۔ نہروان میں جب جنگ تمام ہوئی تھی سب کا یہ خیال تھا کہ علیؑ انکے مال و اسباب کو مالِ غنیمت قرار دیں گے، اور انکی عورتوں اور بچوں کو کنیزی اور غلامی میں لیں گے۔ مگر علیؑ نے فتح پاتے ہی نہ صرف یہ کہ عورتوں اور بچوں کو آزاد رکھا بلکہ انکے مقتولین کا مال و اسباب بھی انکے حوالے کر دیا۔

مگر جب علیؑ کے بچوں کو اسیر بنایا گیا تو کوئی آگے بڑھ کر یہ کہنے والا نہ تھا، کہ یہ اسی علیؑ کی بیٹیاں اور پوتیاں ہیں جس نے دشمن کی بیٹیوں سے بھی اپنے بیٹیوں جیسا سلوک کیا تھا۔ اور یہاں کربلا میں علیؑ کی چار سالہ پوتی سکینہ پر بھی رحم نہ کھایا گیا، اسکے بھی رخساروں پر طمانچے لگائے گئے، اسکے بھی گوشوارے چھینے گئے، اور اسے بھی رسن بستہ بازاروں میں لے جایا گیا۔

جس ہاتھ سے تھپڑ پڑا وہ ہاتھ اِک کردار تھا
عارض سکینہ کے نہ تھے، تاریخ کا رخسار تھا

(مصطفیٰ زیدی)

الا لعنت اللہ علی القوم الظالمین

مجلس ششم

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشۡرَفِ الۡاَنۡبِيَاۤءِ وَالۡمُرۡسَلِيۡنَ سَيِّدِنَا وَنَبِيِّنَا اَبِی الۡقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّآلِہِ الطَّيِّبِيۡنَ الطَّاہِرِيۡنَ الۡمَعۡصُوۡمِيۡنَ وَلَعۡنَتُ اللّٰہِ عَلٰی اَعۡدَائِهِمۡ اَجۡمَعِيۡنَ مِنَ الۡاٰنِ اِلٰی قِيَامِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ اَمَّا بَعۡدُ فَقَدۡ قَالَ اللّٰہُ تَعٰلٰی فِیۡ كِتَابِہِ الۡمُبِيۡنِ وَهُوَ اَصۡدَقُ الۡقَائِلِيۡنَ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ٥ وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا وَاَوۡحَيۡنَا اِلَيۡهِمۡ فِعۡلَ الۡخَيۡرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَاِيۡتَاۤءَ الزَّكٰوۃِ ۚ وَكَانُوۡا لَنَا عٰبِدِيۡنَ ٥

(سورۂ انبیاء آیت ۷۳)

عزیزانِ محترم! سن چالیس ہجری تک کا معاملہ ہم نے کل سمیٹا تھا اور اس کے بعد کے حالات پر آج سے روشنی ڈالیں گے۔ دو چار جملوں میں سابقہ گفتگو کا خلاصہ بھی ضروری ہے۔ ہر چند کہ کل کی مجلس سوا گھنٹے کی ہوگئی تھی مگر چند ضروری وضاحتیں پھر بھی باقی رہ گئیں۔ کچھ وجوہات پر روشنی ڈالنا باقی رہ گئی۔ اس لئے سابقہ گفتگو کی تکمیل کے لئے فقط پانچ دس منٹ لوں گا تاکہ میری بھی تسکین ہوجائے اور بات بھی مکمل ہوجائے کہ وہ کیا وجوہات تھیں، وہ کیا عوامل تھے کہ مولائے کائناتؑ خطبے پر خطبہ دے رہے ہیں، ۳۸ ہجری کے بعد نہروان کی جنگ کے بعد، لیکن لوگ جمع نہیں ہورہے۔ لشکر تیار نہیں ہورہا۔ اس کی کیا وجہ تھی؟

آخر وہاں جب وہ (معاویہ) بلاتا ہے، لشکر جمع ہو جاتا ہے۔ اس کی دعوت پر ایک لاکھ ڈیڑھ لاکھ آدمی آ جاتے ہیں۔ یہاں لشکر کیوں جمع نہیں ہوتا۔ جناب محمد ابن ابی بکرؓ لشکر کی درخواست کر رہے ہیں، امامؑ خطبہ دیتے ہیں، دو ہزار افراد جمع ہو پاتے ہیں۔ امامؑ دو ہزار افراد کے ساتھ چالیس دن انتظار کرتے ہیں۔ پانچ دن نخیلہ میں جا کر بیٹھتے ہیں۔ اور پھر بھی (آدمی) نہیں آ رہے، تین سو ڈھائی سو دو سو (اتنی کم تعداد میں) یہ جنگ کے لئے نکل رہے ہیں۔ امامؑ جب بہت مایوس ہو گئے اور مایوسی کے عالم میں خطبہ دیا تو حجر بن عدیؓ اور ابن حاتمؓ وغیرہ اپنے قبیلے کے لوگوں کو لے کر آ گئے کہ مولاؑ ہم آپ کے ساتھ جائیں گے، چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ تو یہ دو ڈھائی ہزار آدمی چلے لیکن وقت تو گزر چکا تھا، چار پانچ کوس پر ہی پہنچے تھے کہ جناب محمد ابن ابی بکرؓ کی شہادت کی خبر آ گئی۔

وجہ کیا ہے؟ آخر امام برحقؑ ہے۔ ماننے والے بھی ہیں، چاہنے والے بھی ہیں تو آخر وہ کون سی وجوہات ہیں جن کے نتیجے میں لوگ جمع نہیں ہوتے؟ میں نے عرض کیا ہے نا! کہ لوگ بزدل بھی نہیں ہیں، بلکہ بہادر ہیں۔ کوفہ کے بارے میں بتا چکا ہوں کہ کوفہ فوجی علاقہ ہے، فوجی چھاؤنی ہے۔ دو تین بڑی بڑی وجوہات ہیں ان کو بھی آپ ذہن میں رکھئے کہ آخر مسئلہ کیا تھا؟

سب سے بڑا مسئلہ تو یہ تھا کہ یہ تینوں جنگیں جو ہوئی تھیں جمل، صفین اور نہروان، تو ان تینوں جنگوں میں سے نہروان اور جمل ہی نتیجے تک پہنچ سکی تھیں۔ ان جنگوں میں بھی کوئی مال غنیمت کسی سپاہی کو نہیں ملا تھا۔ ہر جنگ میں پہلے یہ ہوتا آیا تھا کہ مال ملا تو سپاہیوں میں تقسیم کر دیا گیا لیکن جمل میں جیسے ہی جنگ ختم ہوئی، مولاؑ نے پابندی لگا دی کہ ان کا کوئی مال نہیں لیا جائے گا اور نہ انہیں لوٹا جائے گا۔ مولاؑ نے حکم دیا کہ ان کا سب سامان انہیں واپس دے دو۔ (سپاہیوں کو) کچھ نہیں ملا، سپاہی واپس آ گئے، حالانکہ بہت سے لوگ اپنے بھی شہید ہوئے تھے۔

تو ایک بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ مولاؑ کے لشکر میں سارے اہل لشکر سلمان و ابوذر، عمار و مقداد اور مالک و کمیل و قنبر جیسے نہیں تھے بلکہ مولاؑ کے لشکر کی اکثریت

آپؑ کو امام اول کی بجائے چوتھا خلیفہ جانتی تھی۔ بس یہی معرفت امام سے دوری اور الٰہی نقطہ نگاہ کے بجائے عام دنیاوی تصور مولاؑ کے لشکر کو پراگندہ کئے رکھتا تھا۔ صفین میں تو خیر جنگ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکی تھی۔ جمل کی طرح نہروان میں بھی خود مولاؑ نے مخالف لشکر کا سامان واپس کرادیا تھا کہ سب کچھ انہیں واپس دے دو۔ لہٰذا ایک تو یہاں مال ومتاع کے حصول کا کوئی موقع نہیں ہے' وہ یہ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارا امیر خود جو کی روٹی کھا رہا ہے۔ ہمارا امیر خود نمک سے روٹی کھا رہا ہے ہم اس سے کیا توقع کریں؟ یعنی ایک تو کوئی مادی فائدہ نہیں ہے' کوئی دنیاوی فائدہ نہیں ہے۔ زمینیں فتح نہیں ہورہیں کہ جاگیریں مل جائیں' سرداریاں مل جائیں' منصب مل جائیں' زر وجواہر سے مالا مال ہوجائیں۔ جنگ لڑ رہے ہیں مگر کچھ بھی نہیں مل رہا۔ بال بچوں سے دور ہیں لیکن بس وہی جو وظیفہ ہے اور اسی پر گزارا ہورہا ہے۔

دوسری طرف شامی لشکر کی کیا پوزیشن ہے؟ وہاں یہ پوزیشن ہے کہ زر وجواہر کی تھیلیوں کے منہ کھلے ہوئے ہیں۔ معلوم ہے کہ سپاہی ابھی گھروں کو جائیں گے تو راشن بھی دیا جائے گا۔ ایک حدیث گھڑنے پر ایک ایک ہزار دینار دیئے جارہے ہیں۔ انسانی فطرت بھی تو ہے نا صاحب! آپ ہر ایک کو تقوایٰ ومعنویت کی نظر سے نہ دیکھیں۔ تصوراتی وتخیلاتی عقیدہ کچھ اور ہوتا ہے اور حقیقی دنیا کچھ اور ہی ہوا کرتی ہے۔ واقعیت کچھ اور ہی ہوا کرتی ہے۔

لہٰذا جب خودساختہ تصورات وحقیقت آپس میں ٹکراتے ہیں تو تصورات پاش پاش ہوجایا کرتے ہیں۔ یہ تاریخ کا ایک عام اصول ہے کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ جب تصورات و حقائق دین ٹکراتے ہیں تو تصورات کا محل بکھر کر رہ جاتا ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ تصورات پر عقائد کی بنیاد قائم نہ کرو۔ حقائق وعمل کی بنیاد پر اپنے عقیدے کو مستحکم کرو تو پھر اس میں کوئی ضعف پیدا نہیں ہوتا۔ تاریخ کے کسی بھی دور سے گزریں' کسی بھی مرحلے سے آپ گزریں' کسی بھی مشکل سے آپ گزریں' کچھ بھی اثر نہیں پڑتا' نہ قوموں پر' نہ مذہبوں پر۔ چاہے وہ ختم ہوجائیں' جانی طور پر نقصان ہو' مالی طور پر نقصان ہو۔ تو جب فطرت انسانی کے مطابق

آپ دیکھیں گے تو آپ کو نظر آئے گا۔ بھئی کوفے کے لوگ بھی تو انسان ہیں۔ ان تین جنگوں میں پچاس ساٹھ ہزار افراد شہید ہو گئے۔ پچاس ساٹھ ہزار مقتولین کے خاندان کیا اپنے مقتولین کے قتل پر راضی ہیں، شہادت پر راضی ہیں؟ نہیں۔

پھر ستون پنجم یعنی منافقین کا ٹولہ بھی کام کر رہا ہے۔ وہ بھرپور پروپیگنڈا کر رہا ہے کہ دیکھو تینوں جنگوں میں اتنے لوگ مر گئے، کیا ملا، کیا حاصل ہوا؟ یہ ہو گیا، وہ ہو گیا، کسی نتیجے پر نہیں پہنچے تم۔ تمہیں کچھ بھی تو نہیں ملا۔ کوئی انعام بھی نہیں ملا، یہاں تک کہ علیؑ نے تمہیں مالِ غنیمت بھی نہیں لینے دیا۔ اس پروپیگنڈے کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں میں لڑنے کا جذبہ اور ثابت قدم رہنے کی امنگ ختم کر دی گئی کہ فائدہ کیا ہے، بال بچوں کو چھوڑ کر بھی جاؤ جب کہ کچھ ملنا ملانا تو ہے ہی نہیں، اور شبے میں الگ ڈال دیا کہ اپنے بھائیوں سے لڑو، مسلمانوں سے لڑو یہ کون سا تک ہے؟

دوسری طرف، میں نے عرض کیا کہ مولاؑ کی مذمت میں صرف ایک شعر کہہ دیا جائے تو ایک ہزار دینار۔ امیر شام کے مفاد میں ایک جعلی حدیث گھڑ دی جائے تو ایک ہزار دینار۔ تو وہ پورا لوٹ مار کا ایک سسٹم ہے کہ لوٹو جس قدر لوٹ سکتے ہو۔ خود بھی کھاؤ اور ہمیں بھی کھلاؤ۔ لوٹو تم بھی کھاؤ، ہم بھی کھائیں۔ یہ اصول آج تک چلا آ رہا ہے کہ بھئی لوٹو، آدھا تمہارا، آدھا ہمارا۔ جہاں حصے کی تقسیم میں کمی بیشی ہوئی، وہاں پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی۔ جب تک حصہ پورا پورا ملتا رہے گا، ٹھیک ہے چلے گا کام بالکل صحیح چلے گا۔ عام لوگوں کے ساتھ جو ظلم ہو سکتا ہے، کرو۔ شام والے پورے عالمِ اسلام کو تو لوٹ رہے تھے۔ سب کو لوٹ رہے تھے، مال جمع کر رہے تھے، اپنی پوزیشن مضبوط کر رہے تھے ان کو جتنا مال دیا جائے گا یہ ہمارے ساتھ تعاون کرتے رہیں گے۔ لہٰذا جتنا جنگجو سپاہیوں کا طبقہ تھا ان کے وظائف میں بھی اضافہ ہو رہا ہے، ان کے مال میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔

شام میں انہوں نے یہ سیاست اپنائی تھی کہ ان کو دیتے جاؤ۔ لوگوں پر جتنا ظلم ہوتا ہے ہو۔ ان کو بھرے جائیں گے یہ طبقہ جب تک ہمارا ساتھ دیتا رہے گا اس وقت تک ہمارے تخت کو کوئی ہلا نہیں سکتا۔ لہٰذا ان کو راضی رکھو کیونکہ ان کے ہاتھ میں تلوار ہے، تیر ہے

نیزہ ہے۔ یہ راضی رہیں گے تو حکومت ہماری صحیح چلتی رہے گی۔

تو یہ فرق ہو گیا' دونوں جگہ۔ وہاں ایمان کی بنیاد پر سب کام ہو رہا ہے۔ وہاں مولائے کائناتؑ حق کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ اور مادّی فائدے نہیں ہیں۔ ٹھیک ہے جتنی کشش ہے' اتنے لوگ آجاتے ہیں۔ (صلوٰۃ)

تو یہ جو اتنا بڑا فرق ہے نا! مال دنیا کے حوالے سے یہ آج بھی ہے۔ فطرت انسانی ہے آپ دیکھ لیجئے کہ اُس زمانے میں بھی ایسا ہی تھا۔ آج بھی کتنے لوگ ہیں جو محبت کرتے ہیں لیکن قربانی دینے کے لئے سب تھوڑی تیار ہو جاتے ہیں۔ محبت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان ہر میدان میں کامیاب ہو جائے' تو اُس وقت بھی ایسا ہی تھا۔ ایسے ہی انسان تھے' ایسے ہی لوگ تھے' محبت تو کرتے تھے' جانتے بھی تھے کہ علیؑ برحق امام ہیں لیکن قربانی دینے سے ڈرتے تھے۔ ہر آدمی قربانی دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا تھا۔ ایک مخصوص طبقہ تھا جو قربانی بھی دیتا تھا مگر عوام الناس کا معاملہ وہی تھا جو میں بیان کر چکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ڈیڑھ دو سال اس طرح سے گزرے کہ امیر شام اتنا جری ہو گیا کہ کبھی مدائن پر حملہ' کبھی انبار پر حملہ' سارا نظام حکومت درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ مصائب تو مجھے پڑھنے نہیں۔ اس دور سے آگے گزرنا چاہتا ہوں' یہاں تک کہ چالیس ہجری آئی اور عبدالرحمٰن ابن ملجم مرادی' اس کائنات کا خبیث ترین انسان کہ جس کے ہاتھوں مولائے متقیانؑ شہادت کے درجے پر' کامیابی کے درجے پر فائز ہوئے' جس کا وعدہ کیا گیا تھا مولاؑ سے۔ موت جس کی تلاش میں رہا خدا کا یہ شیر' ساری زندگی موت کو تلاش کرتا رہا۔ آخر کامیاب ہو گیا اس کو ڈھونڈنے میں۔

اِسی لئے علیؑ نے مسجد کوفہ میں ضربت لگنے کے بعد فرمایا۔

فزت برب الکعبہ

''خدا کی قسم! آج علی کامیاب ہو گیا' اے موت! آج علیؑ نے تجھے ڈھونڈ نکالا۔ اسی شجاعت کے ساتھ کہ رات بھر علیؑ انتظار کر رہے تھے کہ خدا کی قسم! یہ وہی رات ہے جس کا مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے۔''

ایک اور خطبہ بھی ہے شہادت سے چند دن پہلے کا کہ

''بہت جلد خدا میرے اور تمہارے درمیان جدائی کرنے والا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم سے دور ہو جاؤں۔ تم میں اور مجھ میں فراق ہو جائے۔''

اتنا دل دکھایا تھا لوگوں نے مولاؑ کا' اسی لئے آپؑ نے خطبے میں فرمایا کہ میں جلد از جلد تم سے جدا ہو جاؤں۔ تفریق ہو جائے تم میں اور مجھ میں' میرے اور تمہارے درمیان دوری ہو جائے۔ آخر ہوا ایسا' اور خواب میں پیغمبر اکرمؐ کی زیارت کی مولاؑ نے اور شکوہ کیا کہ دیکھئے لوگ میرے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہاری مصیبت کے دن ختم ہو گئے اور اب آرام و چین کے ساتھ تم میرے پاس آجاؤ۔

۲۱ رمضان چالیس ہجری کو یہ دور ختم ہوا۔ ادھر امامؑ کی شہادت واقع ہوئی ادھر اہل کوفہ نے حضرت امام حسنؑ کو ظاہری طور پر اپنا امیر بنالیا۔ لیکن امام حسنؑ جانتے ہیں' باپ کی زندگی دیکھ چکے ہیں۔ سب نے آ کر بیعت کر لی' امامؑ نے بھی بیعت لے لی مگر دو ماہ تک کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ ادھر شامیوں کی طرف سے بھی کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوا' یہاں تک کہ بصرے سے عبداللہ ابن عباسؓ کا نامہ پہنچا کہ مولاؑ لوگوں میں چہ مگوئیاں ہو رہی ہیں کہ آپ اپنا حق واپس کیوں نہیں لیتے' کس لئے شامیوں سے جنگ نہیں کی جاتی' کس لئے شامیوں سے لڑا نہیں جاتا؟ تو یہ لوگوں کا مزاج ہوتا ہے کہ جب جنگ ہوتی ہے تو جنگ کی مخالفت کرتے ہیں کہ کیوں لڑے جا رہے ہو؟ کیوں لوگوں کو مروائے جا رہے ہو؟ اور جب جنگ نہیں ہوتی تو کہتے ہیں کہ دیکھیں لڑ نہیں رہے' بیٹھے ہوئے ہیں' دوسروں کو بھی بزدل بنا دیا' کوئی جواب دینے والا نہیں ہے اور اگر جواب دیا جائے تو کہتے ہیں ان لوگوں کو سوائے جنگ وجدال کے اور کوئی کام نہیں

اور جب جواب نہیں دو تو کہتے ہیں کوئی جواب دینے والا ہی نہیں ہے۔

ایسا تو ہمارے ساتھ بھی ہوتا رہتا ہے۔ پچھلی دو چار مجلسیں ایسی ہوئیں کہ تاریخی حقائق کے ہاتھوں مجبور ہو کے ہمیں کچھ باتیں کرنی پڑیں جب کہ ہمارا یہ مزاج ہی نہیں ہے۔ تو ایک طرف سے اعتراض آ گیا کہ آپ مناظرہ پڑھ رہے ہیں' بھئی یہ عجیب ہو گیا ابھی کچھ دن پہلے تک تو لوگ کہہ رہے تھے کہ مخالف اتنی ساری باتیں کرتے ہیں اور ہماری طرف سے

کوئی جواب دینے والا نہیں ہے۔ تو یہ بھی ایک مزاج ہے، میں ہر آدمی کو خوش کرنے والی مجلس تو پڑھ ہی نہیں سکتا۔ میں ہی نہیں کوئی بھی نہیں پڑھ سکتا، کوئی بھی ایسا نہیں کر سکتا جس سے سب خوش ہوں۔

لہٰذا جس بات کو صحیح سمجھتے ہو کہتے جاؤ، پڑھتے جاؤ۔ یہ مت دیکھو کہ کسی کو پسند آ رہی ہے یا نہیں کیونکہ لوگوں کا تو ہر قسم کا مزاج ہے۔ کسی کو پسند آئے گی کسی کو نہیں پسند آئے گی، کوئی سوئے گا، کوئی جاگے گا، کوئی آرام کرے گا، کوئی لیٹے گا۔ اسی مجلس میں ساری چیزیں ہمیں نظر آتی رہتی ہیں۔ ہم تو منبر سے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ ٹھیک ہے نا سب چیزیں نظر آ جاتی ہیں۔ لہٰذا ہم کس کس کو خوش کریں اور جب ہمیں فکر نہیں ہے کوئی تو آپ بھی فکر نہ کریں۔ (صلواۃ)

تو لوگوں میں یہ خیال عام ہوا کہ اب جنگ کیوں نہیں کر رہے ہے۔ دو مہینے تک امام حسنؑ نے انتظار کیا اس کے بعد پھر پیغام بھیجا کہ حکمین کا جو معاہدہ ہوا تھا وہ غلط ہوا تھا۔ لہٰذا اب صورت حال یہی ہے، حق یہی ہے کہ تم حق کی طرف واپس پلٹ آؤ۔ دوسری طرف امیر شام نے بھی نامہ و پیام شروع کر دیا کہ ایسا ہے کہ وہ تو چلے گئے جن سے جھگڑا تھا، اب امت مسلمہ کے لئے بہتر یہی ہے کہ آپ دستبردار ہو جائیے۔ آپ سنتے ہی رہتے ہیں آخر نوبت یہ آ پہنچی کہ شامی لشکر روانہ ہوا اور یہاں سے شام کی طرف لشکر روانہ ہوا۔ تاریخ لکھتی ہے کہ امامؑ کے ساتھ چالیس ہزار کا لشکر تھا جو کہ غلط ہے۔

چالیس ہزار افراد نے امام حسنؑ کی بیعت ضرور کی تھی لشکر چالیس ہزار کا نہیں تھا، بارہ ہزار کا لشکر امامؑ کے ساتھ چلا اور میں نے بتا دیا کہ کیفیت کیا ہے۔ جذبے کا عالم کیا ہے۔ جو لشکر چلا وہ بھی بے دلی کی ساتھ۔ کچھ ہیں اس میں جان نثار۔ لیکن فرض کر لیجئے کہ ہزار جان نثار ہیں تو ایک ہزار کے ساتھ بھی امام وقت لڑ سکتا تھا۔ دو سو کے ساتھ بھی لڑ سکتا تھا۔ امامؑ نے پھر صلح کیوں کر لی؟ اس کے بارے میں آپ سے بات کروں گا کہ جب ۷۲ کے ساتھ لڑا جا سکتا تھا تو ہزار کے ساتھ بھی لڑا جا سکتا تھا۔ کئی بھائی ہیں اور ابھی سب جوان ہیں اس لئے کہ ابھی چالیس ہجری ہے۔ چالیس ہجری میں جتنے بھائی ہیں وہ سب جوان ہیں۔ خود بھی

جوان ہیں، سینتیس اڑتیس سال کا سن ہے تو لڑا جاسکتا تھا۔ یہ نہیں کہ کبھی لڑے نہیں تھے۔ سب شہزادے صفین، جمل، نہروان تینوں جنگوں میں مولائے کائنات کے ساتھ رہے، جنگ بھی کی ہے، کارنامے بھی سرانجام دیئے ہیں۔ آج اسی حقیقت پر روشنی ڈال کر ایک منزل پر پہنچنا ہے اور بیس بائیس سال کے واقعات کو چند جملوں میں سمیٹ دینا ہے۔

ادھر سے ضحاک ابن قیس کو امیر شام نے بھیجا۔ یہاں سے امامؑ کا ہراول دستہ جو پانچ چھ ہزار سپاہیوں پر مشتمل ہے قیس ابن سعد ابن عبادہ کی سربراہی میں امامؑ نے بھیجا۔ یہ دستہ شام کی طرف چلا اور شامی لشکر ان کی طرف چلا۔ خود امامؑ دو چار ہزار افراد کو لے کر مدائین کی طرف بڑھے تاکہ وہاں مورچے مضبوط کئے جائیں۔ امام حسنؑ نے خطبہ دیا کہ تم نے مجھے اپنا امامؑ مانا ہے، میں تمہارا امام ہوں، تمہارا امیر ہوں اور خدا گواہ ہے کہ میں اپنے دل میں کسی کے لئے بے جا کینہ اور عداوت نہیں رکھتا اور صلح کو جنگ پر ترجیح دیتا ہوں۔ اس کے باوجود اگر میں کسی سے جنگ کروں گا تو تمہیں جنگ کرنی پڑے گی اور جس سے میں صلح کروں گا اس سے تمہیں صلح کرنی پڑے گی کیونکہ جنگ یا صلح کا فیصلہ کرنا امام کا فریضہ ہے۔

ان باتوں سے امامؑ یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ میں جنگ پسند نہیں ہوں بلکہ جنگ پر صلح کو ترجیح دیتا ہوں جب کہ لوگوں نے اس کا مطلب یہ لے لیا کہ امامؑ تو صلح کی طرف مائل ہیں۔ ادھر قیس کے لشکر میں یہ پروپیگنڈہ شروع ہوگیا کہ امامؑ تو صلح کر رہے ہیں۔ اب یہاں بھی جو لڑنے والے تھے وہ ڈانوں ڈول ہوگئے کہ بھئی کیسے لڑیں؟ ادھر تو صلح ہو رہی ہے۔ امام کے ان الفاظ کا یہ مطلب ہے کہ میں جنگ پر صلح کو ترجیح دیتا ہوں۔ اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ میں جنگ جو نہیں ہوں اور کوئی بھی امام بے مقصد جنگ نہیں چاہتا، خدا گواہ ہے کہ جنگ کے لئے نکلو مگر میں یہ ترجیح دیتا ہوں صلح کو۔ جس کا مطلب یہ نکالا کہ امامؑ جنگ ہی نہیں چاہتے۔ امامؑ تو صلح چاہتے ہیں بس جناب یہاں لوگوں میں جو پروپیگنڈہ ہوا تو یہ سارا لشکر بدگمان ہوکر امام حسنؑ پر ہی حملہ آور ہوگیا۔

یہاں تک کہ تاریخ کہتی ہے کہ لوگ امامؑ کے خیمے میں داخل ہوکر گستاخی پر آمادہ ہوگئے۔ اور مصلیٰ تک امامؑ کے نیچے سے کھینچ لیا۔ امامؑ ان لوگوں کی اس حرکت سے بیدل اور

مایوس ہوئے جب کہ بھائیوں نے حملہ آوروں کو گھیر کر ان کے حملے سے بچایا۔ حملہ آوروں کو دفع کیا اور مدائین کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں سنان ابن جراح ملعون جو لشکر میں چھپا بیٹھا تھا اس نے برچھی کے وار سے امامؑ کو زخمی کیا' آپؑ کی ران پر زخم لگا۔ آپؑ مدائین اسی زخمی حالت میں پہنچے۔ یہ واقعات اختصار کے ساتھ ایک ایک جملے میں اسی لئے بیان کررہا ہوں کہ سال گزشتہ اسی جگہ جناب مختارؓ کے باب میں یہ سب حقائق بیان کر چکا ہوں۔

خلاصہ یہ کہ یہاں یہ پروپیگنڈہ' وہاں وہ پروپیگنڈہ' قیس ابن سعد کا لشکر بھی اسی پروپیگنڈے کے نتیجے میں بددل اور پراگندہ ہوگیا۔ اب جب یہ صورت حال ہوئی' امیر شام چل چکا ہے دمشق سے اس نے دعوت صلح دی۔ سادہ کاغذ پہ مہر لگا کے دستخط کر کے بھیج دیا امامؑ کو کہ آپ جن شرائط پر چاہیں میں صلح کے لئے تیار ہوں۔ دیکھئے میں جو نتیجہ پیش کرنا چاہ رہا ہوں کہ کیوں جنگ نہیں کی امامؑ نے' چلو ہزار آدمی تھے امامؑ کے ساتھ' انہی کے ساتھ لڑ لیتے۔ پانچ سو ہوتے تب بھی لڑ لیتے۔ امامؑ ہیں' کوئی اور اشرف الناس ہے روئے زمین پر ان سے بڑھ کر؟ کوئی بھی نہیں' سب سے بڑا بہادر سب سے بڑھ کر دلیر' جنگ بھی لڑ سکتے تھے ہیں۔

لیکن مسئلہ کیا ہے دیکھئے کسی نبی' پیغمبر' رسول یا کسی امام کا مقصد کبھی جنگ نہیں رہا ہے۔ امام کی نگاہ یعنی خلیفۃ اللہ کی نگاہ ہمیشہ نتیجے پر ہوتی ہے کہ اس کا نتیجہ کیا ہے؟ جنگ کا نتیجہ کیا ہے؟ امامؑ یا رسولؐ کو آپ جذبات کی نگاہ سے نہیں دیکھیں کہ امام یا رسولؐ جذبات میں کوئی فیصلہ کرتا ہے۔ کربلا میں سید الشہداؑ نے بھی جذبات کے ہاتھوں مجبور ہو کر فیصلہ نہیں کیا تھا کہ چاہے مر جائیں لڑیں گے۔ نہیں، یہ تو عام انسانی جذبات ہیں۔ ہمارے جیسے عام انسانوں کے جذبات۔

امامؑ کی فکر الٰہی فکر ہے۔ امامؑ جذبوں کی تمام حالتوں میں زمین پر الٰہی فکر کا نمائندہ ہے۔ خدا کا خلیفہ ہے نا! اسی لئے تو وہ الٰہی فکر کی نمائندگی کر رہا ہے۔ اس کی نظر نتیجے پر ہے۔ بعض اوقات ایک لاکھ کا لشکر ہے مگر نتیجہ امامؑ کے حسب خواہش نہیں ہے۔ امام جنگ نہیں کرے گا۔ بعض اوقات بہتر افراد ہیں مگر امام کی نظر نتیجے پر ہے کہ ہاں اس کا نتیجہ

قیامت تک جو ہم چاہتے ہیں وہ برقرار رہے گا۔ تو اب جنگ کرے گا امام۔ نتیجے پر نگاہ رکھتا ہے خدا کا نمائندہ۔ نتیجے کو دیکھتا ہے کہ نتیجہ کیا ہے اس کا؟ لڑنے والے افراد ایک ہزار ہیں' دو ہزار ہیں' تین ہزار ہیں' چار ہزار ہیں' نہیں بلکہ نتیجہ کیا ہوگا اس جنگ کا؟

اسی لئے میں نے عرض کیا کہ سب جوان ہیں' سارے بھائی جوان ہیں اور مسلم بن عقیل جیسے شجاع انسان بھی موجود ہیں۔ ابھی تو وہ سارے ہاشمی جوان موجود ہیں جنہوں نے بعد میں کربلا میں دادِ شجاعت دی۔ وہ وہاں بھی امام کے اطاعت گزار تھے اور یہاں بھی۔ صفین میں جناب عباسؑ جنگ لڑ چکے ہیں۔ اب بھی موجود ہیں۔ اب چالیس ہجری میں تو چار سال اور بڑے ہوگئے ہیں۔ اٹھارہ انیس سال کے بعد تو مکمل جوان ہیں۔ جناب عباسؑ وہی کربلا والا جذبہ ہے۔ ابھی تو شادی بھی نہیں ہوئی' ابھی تو بچے نہیں ہوئے جناب عباسؑ کے تو ابھی اور بھی زیادہ جلالی ہوسکتے ہیں۔ لیکن نہیں یہاں اطاعتِ امامؑ یہاں حسنؑ امام ہیں' کربلا میں حسینؑ امام ہیں۔ (صلواۃ)

کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ امام جو فیصلہ کرتا ہے' وہ الٰہی فکر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ امامؑ کی نظر نتیجے پر ہے' اس پر نہیں ہے کہ ہزار ہیں کہ دو ہزار' چار ہزار ہیں کہ بارہ ہزار۔ نتیجہ کیا نکلتا ہے جنگ کا۔ جمل نتیجہ خیز جنگ تھی' امام نے جنگ لڑی ایک نتیجہ نکلا۔ نہروان ایک نتیجہ خیز جنگ تھی۔ صفین نتیجے تک پہنچ گئی تھی لیکن منافقین کی وجہ سے اس جنگ کا نتیجہ ضائع ہوگیا۔ یعنی امام نے جو جنگیں لڑی ہیں وہ ایک نتیجے کے لئے لڑی ہیں کہ نتیجہ نکلنا چاہیئے۔ جمل میں فتنے کا خاتمہ کیا۔ نہروان میں فتنے کا خاتمہ کیا۔ صفین میں فتنے کا خاتمہ ہونے والا تھا کہ منافقین اور مکاروں کی چالیں کامیاب ہوئیں اور جنگ بغیر نتیجے کے ختم ہوگئی۔

اب یہاں جو صورت حال ہے وہ یہ ہے کہ جنگ کا کوئی نتیجہ نکلنے کی امید نہیں ہے' چاہے چار ہزار سے لڑا جائے' چاہے بارہ ہزار کا لشکر لے کر لڑا جائے۔ کوئی نتیجہ نہیں نکلنا بلکہ ایک ہی صورت ہوگی کہ چار ہزار کا لشکر بھی ایک بے نتیجہ جنگ میں برباد ہوجائے گا اور بارہ ہزار کا لشکر بھی۔ ظاہر ہے جہاں مکاروں کا لاکھ ڈیڑھ لاکھ کا لشکر ہے اگرچہ یہ بھی یاد رکھئے گا کہ اقتدار امامؑ ہی کا حق ہے۔ امامؑ ہی اولیٰ ہے' اسی کا حق ہے زمین پر ظاہری اقتدار کا بھی۔

لیکن محض یہ اقتدار کی جنگ ہوجاتی اور ملوکیت کو پروان چڑھانے میں امامؑ کا بھی حصہ ہوجاتا۔ لوگ کہہ دیتے کہ امامؑ کی جنگ خلافت کے لئے تھی لٰہذا امامؑ جانتے ہیں کہ اس جنگ سے کوئی نتیجہ نہیں نکلنے والا۔ لوگوں کا مورال Moral اتنا ڈاؤن ہوچکا تھا اور وہ جانتے تھے کہ میرے ساتھ جو لوگ ہیں وہ بھی لڑنے والے نہیں ہیں۔ چند جاں نثار ہیں جو لڑ بھی لیں گے، دادِ شجاعت بھی دے دیں گے اور چند دن یا کچھ مہینوں کی لڑائی کے بعد جنگ مثبت نتیجے کے بغیر ختم ہوجائے گی اور اس طرح اس لاحاصل جنگ کے نتیجے میں امیر شام بلاد اسلامی کا حاکم بنے گا تو جو شرائط میں اس سے لکھوانا چاہتا ہوں، وہ سیاہی جو میں اس کے منہ پر ملنا چاہتا ہوں، جنگ کی صورت میں وہ مَلی جانے سے رہ جائے گی۔ وہ حقائق جو تاریخ میں درج کرانا چاہتا ہوں، وہ درج ہونے سے رہ جائیں گے۔

امامؑ ہمیشہ نتیجے کو دیکھتا ہے جو قیامت تک اثر انداز ہونے والے ہیں۔ وقتی نتیجے کو امام نہیں دیکھتا۔ امامؑ جانتے ہیں کہ یہ جنگ کربلا میں لڑی جائے گی جو آج اکتالیس ہجری میں نہیں لڑی جاسکتی۔ یہ بیس سال کے بعد لڑی جائے گی۔ مقابلے پر جو ہے وہ وقتی نتیجے کو دیکھے گا کہ اقتدار ملے۔ امامؑ یہ دیکھے گا کہ نتیجہ ایسا ہونا چاہیئے کہ جنگ ابھی نہ سہی کیونکہ امامؑ تو سب کے ایک ہی ہیں۔ اول محمدؐ اوسط محمدؐ آخر محمدؐ .... کُل کے کُل محمدؐ۔

امام حسن علیہ السلام کی فکر یہ ہے کہ یہ جنگ ہم کربلا میں لڑلیں گے لیکن جو نتیجہ میں آج حاصل کرسکتا ہوں اگر یہ جنگ آج ہوئی تو وہ نتیجہ حاصل نہیں ہوگا۔ اور جو امامؑ کے مقابلے پر ہے وہ آج کے نتیجے پر نظر رکھے ہوئے ہے، تو امامؑ نتیجے پر نظر رکھ رہا ہے کہ جنگ سے بہتر نتیجہ نکلے گا یا جنگ نہ کرنے سے بہتر نتیجہ نکلے گا؟ امامؑ نے جو صلح کی شرائط درج کرالیں، ظاہر ہے کہ جنگ کے نتیجے میں وہ شرائط تاریخ میں نہ آتیں، تاریخ میں درج نہ ہوتیں۔

اب ہر تاریخ صلح نامے کی وجہ سے شرائط لکھنے پر مجبور ہوگئی۔ ہر تاریخ نے شرائط صلح درج کی ہیں اہل بیتؑ کے بدترین دشمن مورخین نے بھی یہ بات تو لکھی کہ جہاں بھی امیر شام اپنا والی بنا کر بھیجتا تھا تو پہلی نصیحت اُسے یہ کرتا تھا کہ تیری طرف سے علیؑ پر سب وشتم

(لعنت ملامت) کرنے میں کمی نہ آنے پائے۔ ایسا نہ ہو کہ تو منبر سے علی کو برا بھلا کہنے میں بخل سے کام لے لہٰذا سب وشتم میں کوتاہی نہ کرنا ---- یہ کیوں؟

اس لئے کہ صلح حسنؑ کی ایک شرط ہر ایک' مورخ نے یہ لکھی ہے چاہے وہ ابن خلدون ہو' طبری ہو' تاریخ الخلفاء ہو سیوطی کی یا کوئی بھی تاریخ ہو' سب نے لکھا ہے کہ فرزندِ رسولؐ نے صلح نامے میں ایک شرط یہ لکھی تھی کہ میرے بابا (علیؑ ابن ابی طالبؑ) پر منبر سے سب وشتم نہیں ہوگا یعنی اس کا مطلب بھی ہے کہ علیؑ اور آپ کی اولاد پر سب وشتم ہو رہا تھا بعد میں بھی ہوتا رہا اور مورخین نے لکھا کہ معاویہ نے شرائط کو توڑ دیا۔ اگرچہ مورخین نے اس میں بھی بڑی لیپاپوتی سے کام لیا ہے' اپنے فن اور قلم کی فن کاریاں دکھائی ہیں لیکن بہر حال اس بات کو لکھا ہے کہ صلح کی شرائط کو مسخ کیا' توڑا اور نوے سال تک اس کے پیروکاروں نے بھی (عمر بن عبدالعزیز کے مختصر سے دور کو چھوڑ کر) علیؑ اور اولاد علیؑ پر تبرّا جاری رکھا۔ تو امام نتیجے کو دیکھ رہے ہیں کہ جو نتیجہ وہ چاہتے ہیں وہ جنگ کی صورت میں نکلے گا یا جنگ نہ کرنے کی صورت میں نکلے گا؟

تو عزیزانِ محترم! یہ وجوہات تھیں کہ جن کی وجہ سے امامؑ نے صلح نامہ جو اس نے بھیجا' شرائط صلح اس پر لکھ کر بھیج دیں۔ اگرچہ اس وقت بھی نادان اور ناآگاہ مومنین نے مذل المومنین کہہ کر خطاب کرنا شروع کیا۔ یہ مظلومیت کم تھی امام حسنؑ کی؟ لیکن خیر یہ باب بند ہوا۔ حکومت ان کی چلتی شروع ہوئی۔ ایک چیز ذرا سی رہ گئی۔ جناب محمد ابن ابی بکرؓ کی شہادت کل میں نے پڑھی تھی۔ یہ اتنی شاق گزری تھی ام المومنین حضرت عائشہ پر کہ تاریخ نے لکھا ہے کہ ہر نماز کے بعد عمرو بن العاص اور امیر شام کا نام لے کر بددعا کیا کرتی تھیں۔

تاریخوں میں لکھا ہے کہ ہر نماز کے بعد نام لے کر بددعا کیا کرتی تھیں۔ اتنی شاق گزری تھی ان پر اپنے بھائی کی شہادت۔ اب جب یہ دور شروع ہوا تو اس نے شیعیان حیدرؑ کرار کو چن چن کر قتل کرنا شروع کیا۔ میں اسی لئے کہہ رہا ہوں آپ سے کہ حسد میں ہی سہی' بغض میں ہی سہی سب مورخین نے علیؑ کے ماننے والوں کو شیعیان علیؑ ہی لکھا ہے اور کہیں بھی اس کے مقابلے کا دوسرا نام تاریخ میں کہیں بھی موجود نہیں۔ کہیں بھی آپ جا کر دیکھ لیجئے'

بازاروں میں تاریخیں موجود ہیں، کہیں بھی مقابلے کا نام موجود نہیں ہے۔

لیکن ہر مورخ نے اس دور میں شیعیان علیؑ لکھا۔ شیعیان کوفہ لکھا، شیعیان حیدر لکھا اور مولائے کائناتؑ کے دور کے بعد بھی یہی لکھا کہ مغیرہ ابن شعبہ نے شیعیان علی کو مارا، زیاد نے اتنے شیعیان علی کو مارا، تو لفظ شیعہ نام شیعہ کوئی بعد کی پیداوار نہیں تھا، کوئی نئی پیداوار نہیں تھا۔ مورخین نے لکھا ہے اور ہم تو یہ کہہ رہے ہیں کہ تاریخوں میں جا کر ڈھونڈیئے کہ دوسرا نام کب آیا؟ یہ نیا نام نہیں ہے پیروان علیؑ کے لئے۔ یہ نام تو رسولؐ کے زمانے سے ہی پڑ گیا تھا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اگرچہ بغض میں لکھیں، دشمنی میں لکھیں لیکن ہمارے لئے ایک ثبوت فراہم کردیا کہ ہم نئے نہیں ہیں۔ ہم نے کب انکار کیا کہ ہم علیؑ کے شیعہ نہیں ہیں؟ کسی دور میں بھی انکار کیا ہو تو بات ہے۔ یہ تو دوسرے لوگ تھے جو بدلتے چلے گئے۔ پہلے شیعیان فلاں پھر شیعیان فلاں، پھر کہا کہ نہیں یہ نام ہمیں جچتا ہی نہیں ہے۔ یہ نام ہمیں سوٹ Suite ہی نہیں کرتا۔ لہٰذا روز نام تبدیل کرتے رہے۔

تو عزیزان محترم! اس کے بعد امیر شام نے چن چن کر قتل عام کیا اور جس کو بھی کہیں حاکم بنا کر بھیجتا ہے، جیسے کوفے میں مغیرہ ابن شعبہ کو بھیجا تو لکھ بھیجا کہ علیؑ پر سب وشتم میں کوئی کوتاہی نہ کرنا، کہ کوئی کمی رہ جائے اور ہمارے فضائل بھی خوب بیان کرنا اس طرح سب وشتم شروع ہوا۔

حجر ابن عدیؓ، علیؑ کا جاں نثار صحابی جس کے قتل پر ام المومنین عائشہ روئیں اور مذمت کی۔ مکے میں جب امیر شام سے ملاقات ہوئی تو کہا کہ تیری عقل کہاں چلی گئی تھی، جو تیرے باپ میں تھی کہ تو نے اتنے دیندار اور باتقویٰ انسان کو قتل کیا؟ حجر ابن عدیؓ اور ان کے پانچ ساتھی، یہ علی کے چھ جاں نثار جو قتل کردیئے گئے تھے، زیاد نے حکم دے کر گرفتار کرایا اور امیر شام کے حکم سے ان کو قتل کردیا گیا۔ ایسا باتقویٰ اور دیندار شخص تھا حجر ابن عدیؓ کہ جس کی موت پہ طبری اور دوسری تاریخوں نے یہ جملہ لکھا ہے کہ آخری وقت میں امیر شام کا یہ حال تھا کہ چلا چلا کر کہتا تھا کہ حجر میں نے کیا کیا تیرے ساتھ کہ جس کی وجہ سے میرا آج کا دن بہت بڑا ہوگیا ہے۔ یعنی جان نکلنے میں امیر شام کی تکلیف اتنی طوالانی ہوگئی تھی وہ دن

اس کے لئے اتنا تکلیف دہ ہوگیا تھا' عذاب بن گیا تھا۔ طبری نے یہ محتاط جملہ لکھا کیونکہ اسے بہت سارے پہلو بھی بچانے تھے۔

دوسری تاریخوں میں سے مثلاً اعثم کوفی نے یہ جملہ لکھا کہ وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر چلاتا تھا' اپنا منہ پیٹتا تھا' سر پیٹتا تھا۔ اس کو حجرؓ اور عمار یاسرؓ سونے نہیں دیتے تھے۔ وہ چلاتا تھا کہ میں نے عمارؓ جیسے آدمی کو اور حجرؓ جیسے دیندار آدمی کو قتل کر دیا۔ شہید کر دیا۔ بہرحال میں امیر شام کی موت کے واقعہ پر تو بعد میں پہنچوں گا لیکن میں نے بتایا کہ ایسے ایسے صالح اصحاب اور جاں نثارانِ علیؑ اس کے انتقام کی بھینٹ چڑھ گئے۔ قصور کیا تھا حجرؓ کا؟

بس عزیزو! حجرؓ کا قصور وہ تھا جو ہر دور میں ایسے لوگوں کا ہوا کرتا ہے۔ ٹھیک ہے وقتی طور پر دب گئے تھے' مولاؑ کے ماننے والے۔ مغیرہ ابن شعبہ جب کوفہ کا والی بن کر آیا اور جیسے ہی اس نے علیؑ اور اولادِ علیؑ پہ سب وشتم شروع کیا بس پھر کیا تھا حجرؓ مسجد کے بیچ میں کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کیا بکواس کرتا ہے؟ لعنت کے قابل تو ہے تیرا امیر ہے اور اس کا خاندان ہے' تو علیؑ کے لئے ایسے کہتا ہے۔ تو مغیرہ دب گیا۔ نہیں بولا کیونکہ جانتا ہے کہ اس کا تقویٰ مشہور ہے۔ اہل کوفہ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے مگر حجرؓ کی ہمیشہ کی یہ عادت تھی کہ جہاں کوئی بات مولاؑ کے خلاف سنتے تھے' بوڑھے تھے پھر بھی جوانوں کی طرح کھڑے ہو جاتے تھے اور علیؑ کے حق کا دفاع کرتے تھے۔ علیؑ کے مرتبے کا دفاع کرتے تھے۔ آخر تنگ آ کر مغیرہ نے امیر شام کو خط لکھا کہ میں اس بوڑھے پر قابو نہیں پا سکتا۔

عزیزو! ابوذرؓ ایک ابوذر نہیں تھا ابوذرؓ تو ایک علامت تھا جو اپنے بعد ایک سلسلہ چھوڑ گیا تھا' ایک خط چھوڑ گیا تھا' ایک لائن چھوڑ گیا تھا' ایک راستہ چھوڑ گیا تھا کہ پرواہ مت کرنا' تم بولتے رہنا' یہ حجرؓ اسی ابوذرؓ کی پیروی کر رہا تھا۔ یہ ابوذرؓ کے بعد دوسرا ابوذرؓ امیر شام سے ٹکرایا تو اب اس کے بعد اس نے زیاد کو بھیجا۔

زیاد کی کیا تاریخ ہے؟ تاریخوں نے لکھا کہ اس کو پہلے ماں کی نسبت سے زیاد بن سُمیہ لکھا جاتا تھا۔ تاریخوں میں ہے' اس لئے پڑھ رہا ہوں میں' اور ظاہر ہے کہ زیاد سے کسی کی دوستی بھی نہیں کہ جسے برا لگے۔ زیاد ابن سُمیہ جس کی ولادت پہ چھ سات آدمیوں نے

دعویٰ کیا تھا کہ ہم اس کے باپ ہیں اور آخر تک اس کا نہیں پتہ تھا کہ اس کا حقیقی باپ کون ہے؟ عبیدہ نام کے آدمی سے جب اسے نسبت دی جاتی تھی تو اسے غصہ آتا تھا کہ اتنے پنچ آدمی سے مجھے نسبت دی جا رہی ہے۔ میں اس کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔

زیاد بہت مکار اور کمینی خصلت کا انسان تھا اسی لئے امیر شام کو اس کی ضرورت تھی۔ لہٰذا اس نے مغیرہ کے ذریعے زیاد سے رابطہ کیا کیونکہ زیاد نے سفارش کر کے مغیرہ کی ایک بار جان بچائی تھی۔ مغیرہ نے امیر شام سے اپنے اسی تعلق کی بنا پر کہا کہ میں زیاد کو تیرا مطیع بنا دوں گا' تیرا فرمانبردار بنا دوں گا' تو ایک بار اس کے پاس مجھے بھیج دے۔ امیر شام راضی ہو گیا۔ مغیرہ جا کر زیادہ کو لے آیا اور پھر مسلمانوں کی تاریخ کا یہ اچھوتا اور انوکھا واقعہ ہوا کہ امیر شام نے علی الاعلان کہا کہ یہ میرا بھائی ہے' آج کے بعد اس کو زیاد ابن ابی سفیان کہنا۔ تو لوگوں نے پوچھا گواہ کون ہے۔ آج تک تو اس کے باپ کا پتہ نہیں تھا۔ گواہی کے لئے ابو مریم نامی شخص کو جو بوڑھا کھوسٹ شخص تھا' لایا گیا تو اس نے گواہی دی کہ سُمیّہ کوئی کنیز تھی اور اس کے بیک وقت کئی لوگوں سے تعلقات تھے وغیرہ وغیرہ ....

مجھے منبر سے زیب نہیں دیتا آپ جا کے خود پڑھیئے گا باقی رہا واقعہ تو وہاں لوگوں نے گواہی دی اور ایسی گواہی دی کہ زیاد بلبلا اٹھا اور مغیرہ اور عمرو بن العاصؓ سے کہنے لگا کہ تمہیں گواہی دینے کے لئے بلایا تھا یا مجھے گالیاں دینے کے لئے۔

تو بہر حال میں اس لئے پڑھ رہا ہوں کہ یہ پڑھنے کی چیز ہے' بیان کرنے کی چیز ہے' اشارے اس لئے کر رہا ہوں کہ چلئے اس طرح پڑھنے کا شوق پیدا ہو جائے۔ کوئی تاریخ آپ لے کر پڑھ لیں ابو الفداء یا اعثم کوفی یا کوئی کتاب۔ آپ کو شوق ہو جائے کہ دیکھیں تو سہی' واقعی صحیح تھا؟ نہیں تھا۔ تو مجھ سے پوچھ تو سکیں کہ یہ تو تھا ہی نہیں تاریخ میں۔

اعثم کوفی میں تفصیل سے ملے گا یہ واقعہ' باقی تاریخوں میں اشاروں میں۔ کیونکہ ان کا کام بنی امیہ کو بچانا ہے' حقائق سے پہلو تہی کرنا ہے کہ کسی طرح سے بچا لو کیونکہ یہ بنو امیہ کے خدمت گزار تھے اس لئے ان کو کسی طرح سے بچا لو' ان کے مقام و مرتبے کی کسی طرح حفاظت کر لو۔

عزیزان محترم ! امیر شام نے اسی زیاد کو کوفے کا والی بنا کر بھیجا۔ اسی کا بیٹا ہے عبید اللہ ابن زیاد۔ جب کوفے میں آیا تھا بصرے سے والی بن کر تو اس نے پہلے خطبے میں کہا تھا جانتے ہو کہ میں زیاد کا بیٹا ہوں' تو اب سوچئے کتنا ظالم تھا یہ شخص' کیسا خبیث تھا یہ انسان جس کا بیٹا ظلم کرنے کے لئے حوالہ دے رہا ہے کہ جانتے ہو کہ میں زیاد کا بیٹا ہوں۔

تو اسی زیاد کو اس نے کوفے کا والی بنا کے بھیجا اور زیاد نے جب پہلا خطبہ دیا اور حجرؓ اپنی عادت کے مطابق کھڑے ہوئے کہ بدبخت یہ کیا بکتا ہے؟ اس نے امیر شام کو لکھا کہ اس نے میرے ساتھ بھی وہی حرکتیں شروع کر دی ہیں۔ امیر شام نے کہا اس کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دے۔ حجرؓ گرفتار کر لئے گئے۔ واقعے کو مختصر کرتا ہوں فقط دو چار روایتیں۔ خلاصہ یہ کہ دمشق کے باہر ان کو پانچ ساتھیوں سمیت بڑی بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔ جب ان کی شہادت کی خبر امام حسن علیہ السلام کے پاس پہنچی تو آپ نے بے تحاشہ گریہ کیا اور خط لکھا اس کو کہ ملعون تو نے ایسے افراد کو' جو روئے زمین پر تقویٰ کی علامت سمجھے جاتے تھے' قتل کیا ہے اور یہ قتل تجھے چین نہیں لینے دے گا اور جیسا کہ میں نے بتایا کہ ام المومنین کا بھی ایسا ہی ری ایکشن (ردعمل) تھا۔

ایسا آدمی تھا حجر ابن عدیؓ میں حیران رہ گیا کہ ابن خلدون اور دوسرے مورخین نے جہاں بھی شیعیان علیؑ کی بات آئی تو چاہے وہ صحابی بھی ہو تو انہوں نے "رؓ" اور "رضؓ" نہیں بنایا۔ مگر حجرؓ اتنا باتقویٰ شخص تھا کہ میں نے تاریخوں میں دیکھا ہے کہ وہ مجبور تھے حجر بن عدیؓ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھنے پر اور سرخی جمائی "حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کا قتل" یہ الگ بات ہے کہ اس قتل کو قتل خطا ظاہر کرنے کی بھی کوشش کی اس پر پردہ ڈالا اور کہا کہ وہ غلطی سے قتل ہو گیا' اشتباہ ہو گیا' وغیرہ۔

عزیزان محترم! حجر ابن عدیؓ قتل ہو گئے اور ام المومنین نے بھی سخت مذمت کی کہ تو نے حجرؓ جیسے دین دار اور باتقویٰ شخص کو بھی قتل کر دیا اس نے تیرا کیا بگاڑا تھا؟

دیکھئے! یہ زیادہ اچھا ہے کہ میں واقعات کو سبق کی طرح پڑھتا چلا جا رہا ہوں اور کم وقت میں زیادہ حوادث کا احاطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ آج چھٹی مجلس ہے مجمع الحمدللہ

برقرار ہے۔ ماشاء اللہ لوگ تشریف لا رہے ہیں اور وہی حضرات تشریف لا رہے ہیں جو توجہ سے سن رہے ہیں۔ وہ چاہے بچے ہوں یا بڑے ہوں اور اس طرح میری محنت جو خواہ تھوڑی سی ہے پھر بھی وہ ضائع نہیں جا رہی ہے۔

اب امیر شام نے پچاس ہجری میں اپنے حواریوں کو بلایا۔ خصوصاً سعید ابن العاص' حصین ابن نمیر' ضحاک ابن قیس وغیرہ کو جمع کیا اور اس کے دماغ میں خناس جو تھا کہ یہ اقتدار ہم سے باہر نہیں جانا چاہئے کیونکہ سارا جھگڑا ان کا اقتدار ہی کا تھا۔ یہی تو مزاج ہوتا ہے ملوکیت کا کہ اقتدار ہمارے ہاتھ سے نہیں جانا چاہئے۔ تو سب کو جمع کیا اور کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اقتدار ہمارے پاس رہے' ادھر ادھر نہ جانے پائے' یزید کو میرے بعد میرا ولی عہد ہونا چاہئے۔ میرے بیٹے کو تخت خلافت پر بیٹھنا چاہئے۔ تو لوگوں نے کہا جب تک حسنؑ ابن علیؑ زندہ ہیں تیری یہ خواہش پوری نہیں ہوسکتی۔ وہ تیرے مقابلے پر آجائیں گے۔ عبدالرحمٰن ابن ابی بکر نے مخالفت کی کہ تیرے اس فیصلے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ عبدالرحمٰن ابن ابی بکر جناب محمد ابن ابی بکرؓ کے بڑے بھائی جو صفین میں بھی امیر شام کے لشکر میں تھے اور بعد میں مصر پر حملہ کرنے میں بھی شریک۔

عبدالرحمٰن نے محمد ابن ابی بکر کی جان بچانے کی کوشش کی لیکن نہ بچا سکے تھے۔ انہوں نے مخالفت کی کہ یہ کیا کرتا ہے؟ یزید کو سب جانتے ہیں لیکن اس کے دل کی بات زبان پہ تو آچکی تھی تو جس انداز سے یہ کام کرتا تھا اسی انداز سے اس نے کام شروع کیا۔ حسنؑ بن علیؑ کو راستے سے ہٹانے کے لئے زہر کی سازش کی اور اس کام کے لئے مروان ابن حکم کو اپنے ساتھ ملایا جو مدینہ کا والی ہے۔ اس کو خط بھیجا کہ تجھے زہر بھیج رہا ہوں' زہر ہلاہل' اس زہر کے بارے میں تاریخ میں لکھا ہے کہ اس کا اگر ایک قطرہ فرات میں ڈال دیا جاتا تو سارا فرات زہر آلود ہو جاتا۔ ساری مچھلیاں مر جاتیں۔ ایسا زہر تھا۔ جعدہ بنت اشعث ترا کام کرے گی۔ اشعث ابن قیس کی بیٹی ہے نا! جانتا ہے کہ وہ ہمارا کام کرے گی۔ منافق کی بیٹی ہے ترا کام کرے گی' تیرا ساتھ دے گی اور اس کو یہ بتا دے کہ پچاس ہزار دینار دوں گا اور یزید سے تیرا عقد بھی کروں گا اور یزید بادشاہ بننے والا ہے او رتو ملکہ بن

جائے گی۔ اس واقعے کو بھی مختصر کر رہا ہوں۔

مجھے یاد آ گیا پچھلے سال بیان کر چکا ہوں کیونکہ تاریخ میں کہیں نہ کہیں واقعات ٹکرا جاتے ہیں۔ خیر سازش ہوئی اور امام حسنؑ درجہ شہادت پر فائز ہوگئے۔ اس کے راستے کا ایک پتھر ہٹ گیا۔ اب امیر شام نے پچپیں ہجری میں حج کیا۔ مدینہ اور مکہ میں لوگوں کی رائے لینا شروع کی۔ مروان کو خط لکھا۔ مروان نے جیسے ہی مسجد نبویؐ میں یہ قصہ چھیڑا عبدالرحمٰن ابن ابی بکر اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ کیا بکواس کرتا ہے یہ کیسے ہوگا؟ خود تو مسلط تھا اب یزید کو مسلط کرنے کی باتیں کر رہا ہے۔ اتنا ہنگامہ ہوا کہ بعض لوگ عبدالرحمٰن ابن ابی بکر کو مارنے کے لئے دوڑے، حجرہ تو برابر میں تھا تو ام المومنین عائشہؓ جلدی سے دوڑ کر آئیں کہ کل تم نے میرے بھائی محمد ابن ابی بکر کو مار دیا اور گدھے کی کھال میں سی کر اس کو جلا دیا اب تم چاہتے ہوئے میرا یہ دوسرا بھائی بھی تمہارے ہاتھوں ہلاک ہو جائے۔

خیر وہ تو احترام کرتے تھے نا، ان کا، ام المومنین کا، دختر رسولؐ کا کوئی احترام نہیں تھا۔ تاریخوں نے لکھا کہ مروان پیچھے ہٹ گیا، سب پیچھے ہٹ گئے۔ ام المومنین سامنے آ گئیں۔ احترام تھا، کتنا احترام تھا ان کے دلوں میں اور دختر رسولؐ کا احترام کتنا تھا؟ جب دروازے کو جلایا تھا، جب گھر پر حملہ کیا تھا؟ یہ تاریخ کے تضادات کہ جہاں کوئی سوال کر لیا تو ہمارے بچے سے کہتے ہیں شیعہ ہو؟ یہ جواب ہوتا ہے۔

اتنا تضاد کیوں؟ وہ بھی تو دختر رسولؐ ہے جب اس کے احترام کی بات آ جائے، جب اس کی گواہی کی بات آ جائے تو کہتے ہیں دو عادل گواہ لے کر آؤ۔ کیا اس سے زیادہ صدیقہ کوئی ہے روئے زمین پر؟ اس سے زیادہ کوئی سچا فرد ہے؟ یہ اس لئے میں پیچھے لے گیا آپ کو کہ آپ کے ذہنوں میں یہ سوالات تو رہیں۔ آپ کے ذہنوں میں بھی کچھ سوالات تو آئیں جو آپ دوسروں سے پوچھ سکیں کہ یہ تضاد کیوں ہے تاریخ میں؟ یہ فاصلہ کیوں ہے تاریخ کا؟ وہاں یہ احترام کہ چھوڑ دیا، تلواریں واپس نیاموں میں رکھ لیں کہ نہیں رسولؐ کی زوجہ گئیں اب ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔

سلسلہ آگے بڑھا، ذہنوں میں بات تو ڈالی جا چکی تھی، حج کے موقع پر پہنچا وہاں سب کو

جمع کرلیا۔ چند آدمی ہیں جو پہلے بھی مخالفت کر چکے ہیں۔ سیدالشہداءؑ، عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن زبیر، عبدالرحمٰن ابن ابی بکر چاروں کے نام لئے، امیر شام کو پتہ چل گیا کہ یہ چاروں مخالف ہیں اس نے یزید کی ولی عہدی کے لیے مکہ میں ایک ایک کو بلایا سب سے پہلے بلایا۔ عبداللہ ابن عمر کو کہ ولی عہدی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تو آپ جانتے ہیں ان کا خاص تقدس کا مقام ہے معاشرے میں۔ معاشرے میں جگہ جگہ ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دیکھو میں تو گوشہ نشین آدمی ہوں، اللہ والا آدمی ہوں۔ جب سب اس کو خلیفہ مان لیں گے تو میں بھی مان لوں گا۔ یہ معیار تھا یزید کو اگر سب نے مان لیا تو میں بھی مان لوں گا شیطان کو سب اپنا حاکم مان لو میں بھی حاکم مان لوں گا۔ ابلیس کو سب اپنا ولی مان لو میں بھی مان لوں گا۔ یہ معیار ہے، یہ معیار ہے کہ اگر سب نے مان لیا تو میں بھی مان لوں گا۔ امیر شام نے کہا آپ تو بہت اچھے آدمی ہیں آپ سے مجھے یہی امید تھی، جایئے آرام سے گھر بیٹھ جایئے۔ سمجھ گیا اس سے مجھے کوئی خطرہ نہیں۔

جناب سیدالشہداءؑ سے گفتگو ہوئی۔ جناب سیدالشہداءؑ نے کہا یہ تو کیا کہہ رہا ہے یہ نہ سمجھنا کہ حسنؑ کو تو نے راستے سے ہٹا دیا۔ حسینؑ جب تک ہے وہ بھی تیری آرزو کو پورا نہیں ہونے دے گا۔ سیدالشہداءؑ نے فوراً اسے دوٹوک جواب دیا کہ کیا بکتا ہے؟ جب اس نے کہا کہ روئے زمین پر میں کل بلاد اسلامی میں اس سے زیادہ اچھا اور خلافت کا مستحق نہیں پاتا تو جناب سیدالشہداءؑ نے کہا کیوں نہیں، اس وقت روئے زمین پر ایک ایسا فرد موجود ہے کہ جو ہر طرح سے مستحق ہے مسلمانوں کی امارت کا۔ تو اس نے طنز کیا کہ یقیناً آپ اس کا ارشاد اپنی ہی طرف ہوگا تو امامؑ نے کہا کہ ہاں۔

تو عزیزو! یاد رکھنا کہ یہ حق امام کا ہے اور ہر امامؑ نے حجت تمام کی ہے۔ کہا کہ ہاں یہ میرا حق ہے کیا روئے زمین پر کوئی دوسرا رسولؐ کا بیٹا ہے؟ کوئی دوسرا رسولؐ کی بیٹی کا بیٹا ہے؟ کوئی دوسرا یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ وہ میرے نانا کی شریعت کو مجھ سے زیادہ جانتا ہے؟ یعنی حجت تمام کی امامؑ نے یہ نہیں کہا کہ نہیں مجھے حکومت سے کوئی سروکار نہیں ہے غلط فکر ہے۔ اسی لئے جب اور جہاں کسی امامؑ کو موقع ملا ہے تو اس امامؑ نے حجت تمام کی ہے۔

یہ ہمارے کچھ نادان راویوں کا کمال ہے جو روایات میں دور تک چلے جاتے ہیں' درست اور نادرست سیاست کو مخلوط کر کے روایت بیان کر دیتے ہیں شاید مسلسل بدکار حکومتوں کی وجہ سے ان کا ذہن سیاست کی ہر نہج سے بدظن ہو گیا ہو' راویان حدیث بھی تو عام انسان ہی تھے۔ میں مورخین کی بات نہیں کر رہا یہ جو ہمارے بعض روایات لکھنے والے ہیں انہوں نے اس کو بہت اچھا سمجھا کہ ہمارے اماموں نے کبھی سیاست و ریاست سے سروکار نہیں رکھا' غلط ہے کہ اماموں نے سروکار نہیں رکھا بلکہ انہیں سیاست سے دور رکھا گیا' ظالموں نے دور انہیں رکھا اسی لئے جس امامؑ کو جب بھی موقع ملا تو اس نے بتایا کہ میں حکومت الٰہیہ وارث ہوں' میں زمین پر خدا کا برحق خلیفہ ہوں' میں لوگوں کا برحق امام ہوں۔

امامؑ نے اپنے حق کا اعلان کر دیا کہ میں موجود ہوں اور تو چاہتا ہے کہ اپنے فاسق و فاجر بیٹے کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دے۔ پس امامؑ سے سخت کلامی ہوئی اور امیر شام لاجواب ہوا۔ امامؑ واپس چلے گئے تو امیر شام نے کہا یہ خطرناک آدمی ہے۔

امیر شام نے عبداللہ ابن زبیر کو بلایا' عبداللہ ابن زبیر نے کہا کہ دیکھو! تین باتیں تمہارے سامنے رکھتا ہوں تین میں سے ایک مان لوں۔ جب اس نے کہا نا! کہ یزید کی بیعت کے لئے کام کرو' اس کو میں خلیفہ بنانا چاہتا ہوں۔ کہا کہ تین شرائط رکھتا ہوں ان میں سے ایک کو تم پورا کر دو۔ یہ روایت ان کے مطابق ہے' ہم ان افکار و نظریات سے متفق نہیں ہیں۔ عبداللہ ابن زبیر کہتا ہے جیسے اللہ کا رسولؐ کسی کو وارث بنا کر نہیں گیا تم بھی نہیں بنا کر جاؤ۔ (ہمارے حساب سے نہیں ہم اس فکر کو تسلیم نہیں کرتے ہیں) میں تو عبداللہ ابن زبیر کی بات بتا رہا ہوں۔ ہمارے حساب سے نہیں۔ ہمارے حساب سے تو ایک بار نہیں رسولؐ ساری زندگی ہر موقع پر اپنے وارث کا اعلان کرتے رہے فقط اشارہ بھی نہیں واضح اعلان کہ یہ ہے میرا ولی۔ یہ ہے میرا جانشین۔

عبداللہ ابن زبیر نے کہا کہ ایک تو یہ کر لو۔ کہا یہ نہیں ہوگا۔ ابن زبیر نے کہا چلو پھر دوسری سنت یہ چلو' اس نے بھی اپنی خلافت آل اولاد میں نہیں دی تھی۔ اس نے بھی جس کو سخت پایا اسے دے دی خلافت' کہا نہیں یہ بھی نہیں مانوں گا۔ اچھا تو چلو تیسری بات کر لو جو

خلیفہ دوم نے کیا تھا کہ ایک شوریٰ بنا دی تھی۔ تم بھی ایک مشاورت بنالو' جو خاص خاص افراد ہیں' وہ جو فیصلہ کرلیں اسے قبول کرلو۔ کہا نہیں یہ بھی نہیں ہوگا۔ گیند اب ایک بار ہمارے کورٹ Court میں آ گئی ہے اسے اب اپنے دائرے سے باہر تھوڑی نکلنے دیں گے۔ ابا نے وصیت کی تھی ہمارے کہ حکومت آ گئی ہے اب اسے جانے مت دینا۔ بڑی مشکل سے اقتدار ملا ہے ورنہ شاہی خاندان پراگندہ ہوجائے گا' بکھر جائے گا۔ سارے بھانجے بھتیجے ساتھ ہیں اور سب کو ساتھ ہی رہنا ہے۔ ابا جی نے وصیت کی تھی کہ بڑی مشکل سے اقتدار ملا ہے' منصب ملا ہے اب اسے نکلنے نہیں دینا چاہئے کچھ بھی ہوجائے' ذلیل ہوجاؤ' رسوا ہوجاؤ' ہاتھ سے مت جانے دینا اس منصب و مقام کو۔

چاہے تاریخ میں تمہارا منہ کالا ہوجائے' تاریخ میں تم رسوا کردیے جاؤ' حکومت سے دستبردار مت ہونا۔ وہی جو میں نے بتایا ہے کہ مزاج شہنشاہی کا یہی تقاضا ہے کہ کچھ بھی ہو ابھی جو ہے وہ ہاتھ سے نہیں نکلنا چاہئے اور امامت کا مزاج یہ ہے کہ عہدوں اور منصبوں کو ٹھوکر پہ رکھو گے' قیامت تک زندہ رہو گے' مجاہدوں کی صورت زندہ رہو گے۔ نام زندہ رہے گا' کام زندہ رہے گا۔ خدا تمہیں عزت دے گا' مرنے کے بعد بھی عزت دے گا۔ اگرچہ دنیا میں لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم نے معاذ اللہ انہیں ذلیل کردیا ہے' رسوا کردیا ہے تو یہ ان کا خیال خام ہے مرنے کے بعد بھی ان کی عزت کہیں نہیں گئی۔

اس وقت بھی یہ دو مزاج ٹکرا رہے تھے' ہمیشہ سے یہ دونوں مزاج ٹکراتے رہے ہیں۔ آج بھی ٹکرا رہے ہیں' قیامت تک ٹکراتے رہیں گے تو معاویہ کہتا ہے کہ نہیں یہ نہیں ہوسکتا' یزید ہی کو بنانا ہے معاملہ رفع دفع ہوگیا لیکن اس کو یہی فکر کھائے جارہی ہے کہ کیا کیا جائے؟ اس نے ایک میٹنگ بلائی ہے ۵۸ یا ۵۹ ہجری میں' آخری دور ہے اس (معاویہ) کا' خاص خاص لوگوں کی' سعید ابن عاص' حصین ابن نمیر اور ضحاک ابن قیس کو بلایا اور منصوبہ بنایا کہ کل ایسا کریں گے کہ شام کے سب رئیسوں کو میں بلالوں گا۔ جب یہ سب آجائیں گے پھر میں افسوس کا اظہار کروں گا کہ بھئی میرے بعد کیا ہوگا؟ اس کے بعد تم یزید کا قصہ چھیڑنا کہ یزید سے لائق کوئی نہیں ہے۔ پھر اس کے بعد سعید پھر اس کے بعد حصین ابن نمیر اور ان

باتوں کے بعد پھر بیعت کی بات چھیڑ دی جائے گی۔ اس طرح معاملہ حل ہو جائے گا' پوری منصوبہ بندی پہلے سے کر لی گئی۔

ایسی خفیہ میٹنگیں امیر شام نے سکھائی تھیں کہ پہلے سے فیصلہ کرو' پہلے سے طے کر لو کہ کیا کرنا ہے پھر اپنا ایک آدمی یہاں بٹھاؤ۔ ایک آدمی وہاں بیٹھاؤ' پہلے ایک بولے گا' پھر دوسرا اس کی تائید کرے گا' ادھر سے تائید ہوگی' ادھر تائید ہوگی یہ ساری ڈرامے بازیاں' یہ سارے نقشے اس لئے میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں کہ صبح شام یہ کھیل ہوتا رہتا ہے۔ اس دنیا میں آپ دیکھتے ہیں کتنی ہی جگہوں پر آپ انہی باتوں کا نشانہ بن جاتے ہیں' انہی چیزوں کا شکار ہو جایا کرتے ہیں پتہ نہیں چلتا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ اسی کی پالیسی تھی اس نے ایسے ترتیب دے دیا اپنی کابینہ کو کہ تم ایسے بولنا اور تم ویسے بولنا کہ آپ کے بغیر تو کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ سب سے بڑے ہیں۔ آپ چلے گئے تو پھر کیا ہوگا؟ عالم اسلام یتیم ہو جائے گا' عالم اسلام کے سر سے سایہ اٹھ جائے گا۔

دوسرے دن یہی ہوا کہ یہ ساری ٹیم، امیر شام کی ساری کچن کیبنٹ جمع ہو گئی اس کچن کیبنٹ،Kitchen Cabinet میں کیا کیا امیر شام نے، پہلے افسوس کا اظہار کیا کہ اب مجھے تو کوئی دلچسپی ہے نہیں لہٰذا میں تو اقتدار کو چھوڑنا چاہ رہا ہوں، دس بار استعفیٰ دے چکا ہوں اب وہ جو شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار تھے وہ کہنے لگے کہ یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟ ظلِ الٰہی آپ ہم پہ خدا کا سایہ ہیں' آپ ہی کو کیا ہمیں بھی مرنا ہے۔ کہا میں مر جاؤں گا پھر کیا ہوگا؟ ضحاک کھڑا ہوا اور کہنے لگا بھلا یزید سے زیادہ کوئی لائق ترین فرد ہے؟ خدا کی قسم! میں کہتا ہوں ضحاک کتنی سچی بات کہی اگر یزید نہ ہوتا اس کا بیٹا تو بنوامیہ کے چہروں سے نقابیں اتر سکتی تھیں؟ ہرگز نہیں کیونکہ یہ اپنے خیال میں فیصلہ کر رہے ہیں اپنے مفاد میں سمجھ کے مگر قدرت فیصلہ کرا رہی ہے کسی اور انجام سے دوچار کرانے کے لئے۔ یزید سے زیادہ کوئی لائق فرد نہیں ..... واقعی تمہاری مکاریوں کا جانشین بننے کے لئے یزید سے زیادہ اور کوئی لائق نہیں۔

پورے بنوامیہ کی مکاریاں' سازشیں یزید میں جمع ہو گئی تھیں' جتنی بدکاریاں سب میں

ملا کر تھیں وہ سب اس اکیلے میں جمع ہوگئی تھیں۔ کہا کوئی لائق ہے یزید سے زیادہ؟ کون لائق ہے یزید سے؟ ایک نے شروع کیا دوسرے نے' تیسرے اور جو دوسروں نے دیکھا کہ ہم نے اگر تعریف نہیں کی تو ہم مارے گئے لہٰذا وہ بھی شروع ہوگئے اور دوسروں نے یہ بھی دیکھا کہ ضحاک نے تعریف شروع کی انہوں نے ایک تھیلی اٹھائی اور اس کو دے دی کہ یہ لو یہ تمہارا انعام ہے لے جاؤ' مسلمانوں کا مال۔ اسی طرح ملوکیت میں عوام کا مال کھایا اور لٹایا جاتا ہے۔

لیکن جہاں سے مخالفت کی صدا بلند ہوجائے اس کے لئے دیکھا جائے ام المومنین کے ساتھ کیا ہوا' انہیں چونے میں کس لئے پھنکوایا گیا کہ انہوں نے بھی یزید کی ولی عہدی کی مخالفت شروع کردی تھی۔ کہ یہ نہیں بنے گا' کہا کہ اچھا' آپ کا بھی کام تمام کرتا ہوں۔ تو اقتدار یہ ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا نا! کہ ملوکیت کا مزاج یہ ہے۔ چاہے بیٹا آجائے۔ چاہے بھائی آجائے چاہے باپ آجائے' اقتدار کی راہ میں جو آئے اسے راستے سے ہٹادو۔

یہ مذہب ملوکیت ہے۔ یہ مذہب اقتدار ہے۔ پوری تاریخ بھری ہوئی ہے ان واقعات سے' میں کتنے حوالے دے چکا آپ کو۔ جہاں مذہب ملوکیت ہے' فطرت اقتدار ہے۔ وہاں رشتہ کچھ نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہی تو (ام المومنین کی) ہستی تھی جس نے سب کچھ دلوایا۔ اتنے بڑے بڑے فتنے کرکے' مگر اب رکاوٹ ڈالی' تو کہا کہ ان کو بھی ہٹاؤ۔ اب' ان سے بھی خطرہ ہے اب یہ بھی میرے بیٹے کی راہ میں آڑ بن رہی ہیں۔ لہذا ان کو بھی ہٹاؤ' ان کا بھی قصہ پاک کرو۔ خود امیر شام کا انجام کیا ہوا؟ یہ رات کو کنویں سے پانی نکالنے گیا تو اس میں سے گیس نکلی اور چہرے پہ لگی اور وہاں سے اس کا مرض شروع ہوا۔ اور ایسا مرض اسے لاحق ہوا کہ وہ لوگوں سے کہتا تھا کہ حجرؓ اور عمار یاسرؓ کا عذاب مجھ پر پڑ رہا ہے۔ اس لئے کہ یہ مرض میرے کسی اور عضو پر بھی ہوسکتا تھا جس کو میں لباس سے چھپالیتا۔ یہ میرا چہرہ جو دنیا میں خراب کیا جارہا ہے تو مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ دنیا ہی میں مجھے عذاب دیا جارہا ہے۔ تاکہ میں دنیا میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں۔

تو خیر آخر میں جیسا میں نے بتایا کہ یہ چیختا تھا' چلاتا تھا' روتا تھا خصوصاً حجرؓ کا جو قتل تھا'

اس بے گناہ کا۔ امیرالمومنینؑ کے صحابی کا۔ جس کے تقویٰ کی گواہی اس کے دشمن دیا کرتے تھے۔ جس کی دین داری کی وجہ سے خود مغیرہ بن شعبہ جیسے فرد کی یا زیاد جیسے آدمی کی ہمت نہیں ہوئی کہ خود قتل کرتا۔ گرفتار کر کے بھجوادیا تھا۔ ہمت نہیں تھی کیونکہ دین دار تھا۔ اتنا متقی شخص تھا حجر ابن عدیؓ۔ تو یہ اس کی وجہ سے کہتا تھا کہ یہ آخری دن میرا کتنا بڑا ہوگیا۔ حجرؓ کی وجہ سے۔

کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ روایات میں ہے کہ دم نکلنا ایک عذاب ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ اس کا دم نکلے لیکن اس کا دم نہیں نکلتا۔ اس عذاب میں اس کو مبتلا کردیا گیا تھا کہ میرے لئے یہ دن کتنا بڑا ہوگیا ہے اس کا اقرار کیا ہے۔ طبری نے بھی' آخری وقت کے جملے کو لکھا ہے خیر' یہ بھی واصل جہنم ہوا۔ اب جب یہ واصل جہنم ہوا۔ یہاں سے میں بات کو ختم کررہا ہوں ۶۰ ہجری تک میں نے آپ کو پہنچادیا۔ کل سے بالکل نئی بات شروع ہوجائے گی۔ لیکن ایک چیز کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں صرف اشارہ کروں گا سمجھئے گا آپ خود۔

ایک بچے نے سوال دیا تھا مجھے کل پرسوں تبرک کے بارے میں' یہ معمول کی بات ہے اس میں کوئی شرعی یا تاریخی اہمیت کا معاملہ نہیں ہے اس کے بارے میں بتا چکا ہوں کہ رسولؐ کی ہی سنت ہے بلکہ ابوطالبؑ کی سنت ہے' رسولؐ نے اس کی تائید کردی تھی۔ دعوت ذوالعشیرہ سے تبرک کا سلسلہ چل رہا ہے۔ بلایا تھا پہلے کھلاتے تھے تو بھاگ جاتے تھے لہذا جناب ابوطالبؑ نے کہا کہ نہیں پہلے ''مجلس'' ہوگی بعد میں تبرک بٹے گا۔ پہلے آپؐ اپنی بات سنائیے (بعد میں خاطر مدارات کیجئے)

ایسی باتوں کے لئے اپنے وقت اور صلاحیتوں کو ضائع نہ کیا کیجئے یہ کوئی ایسے مسئلے تھوڑی ہیں۔ ہاں ''حق'' کی بات جو ہے تو غربا کا حق پہلے ہے۔ فقراء کا حق پہلے ہے۔ میرا عقیدہ یہ ہے جو تاریخ میں میں نے پڑھا ہے۔ جو نتیجہ میں نے نکالا ہے اپنی مجلسوں میں اگر غریبوں اور فقیروں پر ہی دروازے آپ نے بند کردیئے کہ نہیں یہ بڑے لوگوں کی مجلس ہے۔ تبرک بچ گیا تو تمہیں کھرچن دے دیں گے۔ نہیں عزیز! تبرک میں پہلا حصہ انہی کا ہے، غرباء اور فقراء کا۔ جیسا بھی ہو۔ چھین کے بھی لے آدمی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ امامؑ کا تبرک

ہے پہلا حق ان کا ہے۔ نیت یہ رکھے کہ میں مدد کر رہا ہوں۔ اس سے ان کی مدد ہو رہی ہے نا! ہاں اپنے اعزاء واقرباء کو بھی کھلا رہا ہے تو کوئی بری بات نہیں کر رہا۔

یہ تو کوئی حرام یا واجب کا مسئلہ نہیں ہے جو انسان کرسکتا ہے کرے۔ فقراء کا پیٹ بھرے گا تو اس میں ثواب بھی بہت زیادہ ہوگا۔ غرباء کا پیٹ بھرا اور زیادہ ثواب ہوگیا۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ اس کے لئے اپنی ذہنی صلاحیتیں ضائع کریں۔ ہاں مسئلہ دوسرا ہے بعض رسموں کے متعلق ہے۔ بعض رسمیں ایسی ہیں کہ نہ حرام ہیں نہ ان کا کرنا واجب ہے نہ ان کا کرنا حرام ہے، نہ کریں کوئی گناہ نہیں ہے کرلیا کوئی عیب نہیں کیا۔ کوئی بدعت نہیں ایجاد کردی۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے، دین سے خارج نہیں ہوگئے۔

ان رسموں کے پیچھے کوئی نہ کوئی فلسفہ ہے، کچھ دسترخوان ہیں مخصوص قسم کے۔ ان کے پیچھے کچھ حکمت عملی کام کررہی ہے بس اسے آپ خود ہی سمجھ لیجے۔ حکمت عملی کام کررہی ہے کہ مومنین جمع ہوجائیں گے ذرا خوش ہوجائیں گے۔ اس تاریخ کی اہمیت کو بھی سمجھ لیں گے کیونکہ علی الاعلان تو کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ خصوصاً آج کے دور میں جب دوسرے **بھی سمجھ** دار ہوتے جارہے ہیں تو تاریخوں پر ہم خوشی منانے کے لیے دسترخوان بچھا دیتے ہیں۔ **لیکن** جو بات میں بہت ہمت و حوصلے سے کرنا چاہتا ہوں وہ خواہ سننے **والوں کو بری لگے یا اچھی** مجھے اس سے بحث کوئی نہیں مجھے اس کی کوئی پروانہیں۔

ایک بات یاد رکھئے کہ نذر منّت بالکل حق ہے، اسلام میں **حکم الٰہی۔ کتاب اللہ** میں **موجود** ہے آپ نذر مانیں، نذر مانی آپ نے، آپ نے نذر کی کہ میرا یہ **کام ہوجائے گا تو** میں قربتاً الی اللہ امام حسنؑ کا دسترخوان بچھاؤں گا۔ بالکل صحیح نذر ہے، کیجئے آپ۔ میرا یہ کام ہوجائے، کام جائز ہو، میں قربتاً الی اللہ سید الشہداءؑ کا دسترخوان بچھاؤں گا ان کی حاضری کروں گا۔ میرا یہ کام ہوجائے قربتاً الی اللہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی نذر کراؤں گا۔

اس میں کوئی عیب نہیں ہے، نذر ہے یاد رکھئے لیکن اس میں جو کچھ چیزیں انسان اپنی طرف سے داخل کرنا شروع کرلیتا ہے، وہ غلط ہیں۔ وہی بات غلط ہے جہاں سے اپنی مرضیاں داخل کرنا شروع کیں۔ آپ چودہ پیالوں کی نذر کریں **یا چودہ سو** پیالیوں کی۔ کوئی

فرق نہیں پڑتا میں نے اگر نذر میں بھی یہ کہہ دیا ہے کہ میرا یہ کام ہوگیا تو میں چودہ مومنین کو کھانا کھلاؤں گا' ٹھیک ہے' بالکل ٹھیک ہے' آپ نے چودہ مومنین کو کھانا کھلا دیا۔ میں چودہ سو کو کھانا کھلاؤں گا۔ میں دس کو کھانا کھلاؤں گا' کھلا دیا۔ میں بارہ کو کھانا کھلاؤں گا' میں پانچ کو کھانا کھلاؤں گا۔ یا آپ نے نذر میں یہ کہا کہ میں حیثیت کے مطابق مومنین کو کھلا دوں گا یا فقراء کو کھلا دوں گا۔ یہ نذر ہے اور اپنی جگہ جائز ہے قربتاً الی اللہ اس امامؑ کے نام یہ کروں گا۔

لیکن بعض چیزیں' بڑی ہمت کر رہا ہوں اس وقت جو بات کر رہا ہوں بعض چیزیں شاید شہرت کے لئے نا سہی اور کسی سبب کے تحت کہ نہیں جی، میں نے یہ اسی جگہ سے اٹھایا ہے اور یہیں پر چڑھانا ہے اتنا کرنا ہے ایسا کرنا اپنی مرضی سے۔ آپ چیزیں شامل کریں تو میں کیا جواب دوں بھئی کہ شریعت میں اس کا کیا مقام ہے؟ بھئی شریعت میں جب میں نے پڑھا ہی نہیں تو میں آپ کو کیا جواب دوں۔ نہیں کہوں تو مصیبت' ہاں کہوں تو میری اپنی مصیبت۔ **میں نے بتا دیا** ہے کہ کیا ہے' نذر یہ ہے۔ اب یہاں سے یہ اٹھایا تھا تو یہ مراد آ گئی تھی وہاں سے **اٹھایا تھا تو اسکی** وہ مراد آ گئی تھی۔

کیا مطلب ہے بابا اس کا امامؑ ہر جگہ ہے آپ نے نذر کہیں بھی کی کسی بھی جگہ کی آپ کہیں **بھی اسکو پورا کر سکتے** ہیں' کوئی قید نہیں ہے۔ نہیں صاحب یہیں کرنا ہے۔ یہیں پورا کرنا ہے۔ چودہ روپے اٹھانے ہیں' کہ بس یہاں سے اٹھائے تھے۔ سکے اٹھائے یہاں سے اٹھائے تھے ہر سال یہیں چڑھائیں گے۔ فلاں کے ہاں تو بہت منتیں آتی ہیں۔ کیا منتیں آتی ہیں۔ آپ اپنے گھر میں مان لیں منت' آ جائے گی منت اگر آنی ہوگی تو۔

اگر حکمت خداوندی اس بات کی متقاضی ہے تو آپ کی دعا قبول ہو جائے گی۔ میں نے کہا کہ منت ماننا، نذر کرنا کوئی عیب نہیں ہے' کریں آپ۔ لیکن طریقہ ہے اس کا۔ جیسے میں نے طریقہ بتا دیا۔ **باقی چیزیں یہ** خود داخل کی ہوئی ہیں۔ داخل کی ہوئی چیزوں کی کوئی مجھ سے تائید چاہے تو **اس کی تائید کر کے** میں کیوں اپنی گردن پھنسواؤں؟ ہاں یا ناں کے' آپ خود ذمہ دار ہیں۔ **جو آپ خود کرتے ہیں، اس کے** آپ خود ذمہ دار ہیں۔ جو کتاب النذر کی

بات ہے وہ میں نے آپ کے سامنے پیش کردی۔

اگر چہ پچھلے سال میں یہ بات بتا چکا ہوں۔ موجود ہے کتابوں، کیسٹوں میں بھی مگر پھر بھی دیکھئے میں کسی سوال کا جواب دیتا ہوں یہ مت سمجھئے کہ اپنے پاس سے گھڑ لیتا ہوں۔ سوال میری جیب میں ہے اور اب تو میں نے یہ بھی طریقہ اختیار کرلیا ہے کہ سوال کرو تو بھائی اپنا نام اور پتہ بھی لکھ کر دیا کرو کیونکہ لوگ کہتے ہیں خود ہی لکھ کر لے آتے ہیں جو بات کرنی ہوتی ہے سوال اٹھا کر جواب دے دیتے ہیں تو اس لئے میں نے کہا کہ اپنا نام پتہ بھی لکھ کر دیا کرو تا کہ میں بتا تو سکوں کہ سوال میں اپنے پاس سے گھڑ کر نہیں لایا ہوں۔

یہ سوال لکھ کر دیا گیا ہے مجھے' میں جب نیچے بیٹھتا ہوں تو سوال دیئے جاتے ہیں۔ وہی جو میں نے پچھلے سال تذکرہ کیا تھا۔ صرف ایک جملے میں اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔ قربانی کا' میں ہر سال کہوں گا' ہر جگہ کہوں گا' مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے۔ اب کے تو تعداد بھی بتائی گئی ہے کہ چار سو ساٹھ بکرے ذبح کئے گئے تھے اور ان کا خون منہ پر، پیٹ پر اور پتہ نہیں کہاں کہاں ملا گیا۔ خون کو زمین پر گرنے نہیں دیا گیا پیالے لگا دیئے گئے اس لئے کہ صدقے کے بکرے کا خون ہے۔ نیچے گرے گا تو خدا جانے کیا قیامت آ جائے گی۔ لہٰذا پیالوں میں رکھو جن کے بچے نہیں ہوتے۔ وہ لے جائیں ان کے اولاد ہو گی ظاہر ہے دنیا میں کون مجبور نہیں ہے اور کون ہے جس کی کوئی حاجت نہیں ہے؟ ہر آدمی کی کوئی نہ کوئی حاجت ہوتی ہے جو پوری نہیں ہوتی۔

کوئی اولاد چاہتا ہے کوئی نوکری چاہتا ہے کوئی رشتہ چاہتا ہے کوئی کچھ چاہتا ہے کوئی کچھ چاہتا ہے۔ اب جس کے اولاد نہیں ہوتی وہ معاذ اللہ رحم پر خون ملے۔ یہ سب کیا ہے؟ کیا اسلئے کربلا برپا ہوئی تھی کہ واپس جہالتوں کی طرف پلٹ جاؤ' مجھے کہا جاتا ہے کہ صاحب لاؤڈ اسپیکر پر ایسی باتیں کی جاتی ہیں۔ اچھا وہ جو سڑک پر کر رہے ہو ہزاروں لوگ دیکھ رہے ہیں' دنیا دیکھ رہی ہے بکروں کو کسی خیمے میں تو نہیں ذبح کیا جا رہا۔ سات محرم یا چھ محرم کو کھارادر میں ہزاروں لاکھوں آدمیوں نے یہ حرکت کرتے ہوئے دیکھا۔ بابا تمہیں یہ کرنا ہی ہے تو کہیں اور جا کے کرلو' دنیا کو کیوں دکھا رہے ہو' میں تو نہیں ڈرتا یہ بات کہنے سے اس

وقت بھی میں نے کہا تھا۔ آج بھی یہ بات کہہ رہا ہوں کہ یہ جہالت ہے اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

دین میں کبھی ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ دنبے اور بکرے ذبح کر کے اس کا خون اپنے منہ پر اور پیٹ پر ملا جائے' کیوں بھئی یہ سب کس لئے کیا؟ حضرت ابراہیمؑ نے دنبہ ذبح کر کے خون منہ پر ملا تھا؟ کسی نے کیا کیا تھا؟ صرف حضرت علی اصغرؑ کا خون امام حسینؑ نے ملا تھا تو جاؤ اپنے بچے کو ذبح کر کے اس کا خون ملوا اپنے منہ پر' بکرے بیچارے پہ کیوں مصیبت ڈال رہے ہو؟ ذبح کیا اور کھلا دیا' منع نہیں ہے' کس نے منع کیا ہے؟ صدقے کا بکرا کس نے منع کیا ہے؟ دنبے ذبح کرو، بکرے ذبح کرو' آپ بھی کریں' دنیا بھر میں ہوتا ہے' یہ میں نہیں کہہ رہا کہ صدقے کا بکرا نہ دو مگر یہ اس کے بعد حرکت کیا کر رہے ہو؟ کیا اس کا کوئی شرعی جواز ہے؟

اس کی کوئی تاریخ مین دلیل ہے؟ تمہارے باپ دادا میں سے کسی نے کیا؟ یہی سوال کرتے ہیں نا! مجھ سے کہ ہمارے باپ دادا نے تو بتایا نہیں یہ بتا رہے ہیں۔ آپ کے باپ دادا نے کبھی کیا یہ بتا دیجئے آپ؟ کسی نے، لکھنؤ میں کیا؟ دکن میں کیا؟ بنارس میں کیا؟ مدراس میں کیا؟ چھوڑیئے ایران عراق کی بات وہاں کا تو ہمارے حساب سے دین ہی الگ ہے۔ یہاں کسی سرزمین پہ بتا دیجئے آپ' یہاں کراچی سے بنگلہ دیش تک چلے جائیے آپ' ساحل کے اِس کنارے سے اُس کنارے تک کسی شہر میں ایسا ہوا ہے جو اب یہاں ہو رہا ہے؟ یہاں کوئی روکنے والا نہیں ہے کہ یہ کیا تم نئی نئی باتیں دین میں ڈالے چلے جا رہے ہو؟ خالصتاً خواہش نفسانی کی پیروی ہے' یہ میلہ اکٹھا کرنے والی بات ہوتی ہے۔ یہ مجمع اکٹھا کرنے والی بات ہوتی ہے جب نئی چیز کریں گے مجمع زیادہ ہوگا۔

حسینؑ کو مجمع جمع کرنا ہوتا تو بہتر کی جگہ بہتر لاکھ جمع کر لیتا' وہ زمین پر خدا کا خلیفہ تھا۔ اگر مجمع اکٹھا کرنا ہوتا حسینؑ کو بہتر نہیں بہتر لاکھ کو جمع کر لیتا۔ زمین طنابیں کھینچ لیتی اور ساری دنیا سے لوگ اس کے لئے اکٹھا ہو جاتے۔ ٹھوکر مارتا زر و جواہر کے انبار لگا دیتا۔ ابن زیاد کا سارا لشکر ادھر آ جاتا، لیکن حسینؑ تو چاہتا ہے ایک ہو مگر حرؑ ہو' ایک میرے پاس آنا

مگر حرؑ کی طرح سے آنا' پاک ہوکر آنا' توبہ کرکے آنا' ایک مگر حبیب ابن مظاہرؑ جیسا ہو' ساری دنیا ایک طرف حبیبؑ ایک طرف' ایک مگر زہیر بن قینؑ جیسا ہو' ایک مگر جونؑ غلام حبشی کی طرح سے ہو۔

تو عزیزو! حسینؑ یہ چاہتا ہے کہ کم ہوں مگر میرے اطاعت گزار ہوں۔ مت سمجھنا کہ مجھے ہجوم میلہ اور یہ ٹھٹ کے ٹھٹ درکار ہیں میں تو ایسے سپاہی چاہتا ہوں، ایسے مجاہد چاہتا ہوں جو میرے مقصد کو سمجھتے ہوں گے اور جانتے ہوں گے کہ عزاداری کس لئے؟ وہ جانتے ہیں۔ کہ جب تک حسینؑ کی عزاداری ہوتی رہے گی۔ دین زندہ رہے گا۔ شریعت زندہ رہے گی' حسینؑ نے ضمانت دے دی اپنے خون سے کہ اب میرے ناناؐ کے دین کو کچھ نہیں ہوسکتا۔

تو عزاداری حسینؑ کے ناطے آپ اس دین کے پاسدار ہیں' حسینؑ نے آپ کے سپرد یہ امانت کی ہے اور کتنی محنت و مشقت اٹھائی ہے حسینؑ نے' یہ امانت آپ تک پہنچانے کے لئے۔ پورا گھر اجڑ گیا حسینؑ کا' علی اکبرؑ جیسا بیٹا' عونؑ ومحمد جیسے بھانجے' قاسمؑ جیسا بھتیجا' عباسؑ جیسا بھائی' کیسے کیسے دوست حسینؑ کے' اتنی محنت کی حسینؑ نے' اتنی قربانی دی حسینؑ نے کہ یہ امانت آپ تک پہنچ جائے۔ تو امین بننا ہے تو امین کے پیروکار ہو، امین کے ماننے والے ہو' امین کے رونے والے ہو' امین بننا ہے مولاؑ! ہم امانت دار ہیں' جو امانت تو نے ہمارے سپرد کی ہے ہم اس امانت کی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔ ظلم وستم اور شرک کی آندھیوں کے مقابلے میں ہم امانت دار ہیں۔ کل حسینؑ کے انصار نے اپنے سجدوں سے کربلا کی زمین کو روشن کردیا تھا آج ہم ساری دنیا کی زمین کو حسینؑ کے ان جاں نثاروں کے سجدوں کی یادگار بنادیں گے۔

بس عزاداران حسینؑ! بس یہ پیغام تھا میرا آج کی مجلس کا' یاد رکھیں حسینؑ تو کچھ اور چاہتا ہے آپ سے' اپنی نفسانی خواہشات کا اتباع نہیں کرنا ہے' یہ دیکھنا ہے کہ مولاؑ کی مرضی کس میں ہے۔ حسینؑ کی مرضی کیا ہے؟

الالعنت اللہ علی قوم الظالمین

مجلس ہفتم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشۡرَفِ الۡاَنۡبِیَآءِ وَالۡمُرۡسَلِیۡنَ سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا اَبِی الۡقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ الطَّیِّبِیۡنَ الطَّاہِرِیۡنَ الۡمَعۡصُوۡمِیۡنَ وَلَعۡنَتُ اللّٰہِ عَلٰی اَعۡدَائِہِمۡ اَجۡمَعِیۡنَ مِنَ الۡاٰنِ اِلٰی قِیَامِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ اَمَّا بَعۡدُ فَقَدۡ قَالَ اللّٰہُ تَعٰلٰی فِیۡ کِتَابِہٖ الۡمُبِیۡنِ وَھُوَ اَصۡدَقُ الۡقَائِلِیۡنَ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ٭ وَجَعَلۡنٰھُمۡ اَئِمَّۃً یَّھۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا وَاَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡھِمۡ فِعۡلَ الۡخَیۡرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَاِیۡتَآءِ الزَّکٰوۃِ ۚ وَکَانُوۡا لَنَا عَابِدِیۡنَ ۝

(سورۂ انبیاء آیت ۷۳)

بڑے خطرناک قسم کے ایک دو سوالات ہیں۔ آپ خود ہی سمجھ لیجئے گا جب میں جواب دوں کہ کیا سوال ہیں؟ یہاں پر پڑھ نہیں سکتا۔ سوال بھی نہیں پڑھ سکتا اور جواب بھی اس انداز میں نہیں دے سکتا کیونکہ بعض اوقات اس بات سے ڈر بھی لگتا ہے کہ خاص طور پر کچھ کہلوانے کی کوشش نہ کی جا رہی ہو۔ سوال کیا گیا ہے کچھ لوگوں کے بارے میں، کسی خاص جگہ پر دفن کے بارے میں کہ اس وقت کس نے ان کے دفن کی تائید کی تھی اور مومنین کہاں تھے؟ تو بھیاء آج کہاں ہیں مومنین؟ جنت البقیع آج بھی ان کے قبضے میں ہے۔ دس کروڑ مومنین ہیں ناں، تو جو آج کیفیت ہے، اس وقت بھی یہی کیفیت تھی اور کن لوگوں کی تائید تھی؟ ان لوگوں کی تائید تھی جن لوگوں نے بی بیؑ کے گھر کو جلایا تھا۔ گھر پر حملہ کیا تھا۔

تاریخی بات ہے، یہ تو ساری چیزیں اشاروں میں پڑھ چکا۔ پورا سوال تو خود ہی سمجھ لینا چاہئے کہ زبردستی دفن کیا، جیسے آج روکنے کی طاقت نہیں ہے، بتائیں ہے کہ نہیں؟ مومنین دس کروڑ بارہ کروڑ ہیں لیکن جنت البقیع ان کے قبضے میں ہے، سب کچھ ان کے قبضے میں ہے، کیا کرلیں گے؟ کر سکتے ہیں تو کر لیجئے کچھ۔ اس وقت جو صورت حال ہوگئی تھی وہ سارا پس منظر میں پیش کر چکا آپ کے سامنے اور ٹھیک ہے ان کا اقتدار ہے، جو چاہا انہوں نے کر لیا اور اب جب حمایت کا ماحول ایسا بنایا جا چکا ہے کہ اب بولیں تو اور فساد کا خطرہ' تو ایک تو یہ سوال۔

دوسرا سوال بڑا تفصیلی ہے، یہ سوال بھی میں نہیں پڑھ سکتا۔ یہ بھی خطرناک سوال ہے۔ اس کے پیچھے تفصیلی جواب لکھ دوں گا۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جتنے بھی تبرکات ہیں، جن کی شبیہ بنائی جاتی ہے' ان کی زیارت کرنا' ان کو بوسہ دینا' ان کا چومنا ہمارے عقیدے کے لحاظ سے باعث ثواب ہے۔ اتنا سا جواب سن لیجئے بس ٹھیک ہے۔ یہ علم کی شبیہ بنانا' ذوالجناح کی شبیہ بنانا' گہوارے کی شبیہ بنانا' تابوت کی شبیہ بنانا' ان کی زیارت کرنا' ان کو چومنا' ان کو بوسہ دینا' بس اس حد تک جو مسئلہ تھا میں نے بتا دیا کہ ہمارے عقیدے کے اعتبار سے ثواب ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ جو شباہت یعنی شبیہ بنا رہے ہیں اس کی' تو جیسے اس کو وہاں پر بوسہ دینا' چومنا باعث ثواب ہے، اسی طرح اس کو ہمارے عقیدے کے اعتبار سے ثواب ہے۔ محبت خلوص اور عقیدے کے اعتبار سے اس کو چومتے ہیں' ثواب ہے۔

جہاں تک نذر کا طریقہ ہے وہ بھی کل میں بتا چکا ہوں آپ لوگوں کو کہ نذر کیسے کی جاتی ہے، مانی جاتی ہے؟ نذر نیاز کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں نے منع کیا ہے۔ ہے، بالکل ہے نذر مگر اس کے طریقے ہیں' نذر طریقے سے کی جائے بالکل صحیح ہے' باعث رحمت بھی ہے، باعث برکت بھی ہے اور باعث ثواب بھی۔ کتاب نذر پوری موجود ہے۔ یہ تو تھے چند سوال اور ان کے محتاط جواب' اب ہم آتے ہیں اپنے اصل موضوع کی طرف۔

عزیزان محترم! کل میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ کس انداز میں یزید کی بیعت لی گئی، اس فاسق و فاجر کی، اب آپ کے سامنے کچھ تاریخی تضادات پیش کروں۔

جوانوں کے لئے' اپنے بچوں کے لئے تا کہ یہ بھی بات کرسکیں اور اس انداز میں بات کرسکیں کہ سوال کے جواب میں سوال رکھیں، جواب کو چھوڑیئے آپ' سوال کے جواب میں سوال رکھئے۔ تا کہ وہ بھی تو جا کے ڈھونڈیں، پوچھیں کہ بھئی یہ تو بتاؤ کہ آخر یہ کیا مسئلہ ہے؟

اب آپ تاریخی تضادات دیکھیے۔ تاریخ ابن خلدون کا جو چوتھا حصہ شروع ہوتا ہے، اس کا ایک مقدمہ لکھا ہے' کوئی ڈاکٹر سلیم صاحب ہیں' پی ایچ ڈی بھی کی ہوئی ہے انہوں نے اور فاضل دیوبند بھی ہیں۔ اس کے بعد ایک اور صاحب نے' اسی چوتھی جلد میں دو صفحے کی تقریظ لکھی ہے، قدوس ہاشمی صاحب نے۔ وہ بھی دیوبند کے فاضل ہیں، اچھا ایک بات آپ کو بتا دوں کہ ڈاکٹری اور ڈگریوں کا پڑھ کر رعب میں آپ کبھی مت آیا کریں۔ میں آپ سے عرض کر دوں کہ یہ بڑا ایک آسان طریقہ ہوتا ہے کہ جن دینی مدرسوں کو گورنمنٹ کی منظور شدہ یونیورسٹیوں سے (Affiliated) منسلک کر دیا جاتا ہے۔ تو ان کی کچھ سندیں ہوتی ہیں کہ یہ فاضل کر لیا' وہ فاضل کر لیا، تو اب وہ ایم اے کے برابر ہو گئے اور اپنی اپنی لابیاں تو دنیا کی ہر یونیورسٹی میں موجود ہیں۔ بس انہوں نے ایک تھیسس داخل کروایا، ڈاکٹری کی ڈگری مل گئی، قصہ ختم۔

یعنی ایک ہوتے ہیں اصل ڈاکٹر۔ ایک ہوتے ہیں نقلی ڈاکٹر' تو محققین کی فہرست میں جب آپ جعلی قسم کے ڈاکٹروں کے نام پڑھا کریں، تو رعب میں بالکل نہ آیا کریں کہ یہ بھی تاریخ کا کوئی بہت بڑا محقق ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ تو پہلے تو میں نے یہ حقیقت بتا دی کہ یہ وہاں کے فاضل شدہ لوگ ہیں بیچارے اور کیونکہ ان کی اپنی اپنی لابیاں یونیورسٹیوں میں مخصوص ہوتی ہیں جو ان کو ڈاکٹر بناتی ہیں، پروجیکٹ کرتی ہیں اور ہم لوگوں کے ساتھ بدقسمتی یہ ہے کہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود ابھی اس سطح پر ہمارا کام آگے نہیں بڑھ سکا، جب کہ ہمارا کام بھی آگے بڑھنا چاہئے تھا۔

یہ باتیں یہاں کرنے کی نہیں ہیں، یہ تو فکر کرنے اور اس پر عمل کرنے کی باتیں ہیں۔ لیکن مجبور ہوں کہ یہ بھی یہاں سے بتاؤں اور یہ الزام بھی اپنے سر لوں دوسرے معاملات پر قربانی کا بکرا بننے کے ساتھ ساتھ یہ چیزیں بھی میرے ہی حساب میں شامل ہو جائیں۔ تو

ایسی لابیاں ہیں جو ڈگریاں بانٹا کرتی ہیں کہ تم Thesis داخل کر دو ہم تمہیں ڈاکٹر بنا دیں گے، اب جب تم بات کرو گے تو وہ بات بڑی وزن دار ہو جائے گی۔

اب سنیئے معروف تاریخوں کا تضاد آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ تو انہوں نے ابن خلدون کی چوتھی جلد میں تقریظ لکھی تو اس میں لکھا کہ حضرت عمرو بن العاص کا سب سے بڑا کارنامہ جو عالم اسلام پر ان کا احسان ہے، وہ جنگ صفین میں نیزوں پر قرآن بلند کرانا ہے۔ یہ تڑپ اٹھے تھے ساٹھ ہزار انسانوں اور مسلمانوں کا آپس کی لڑائی میں بہنے والا خون دیکھ کر لہٰذا انہوں نے حکم دیا اور سپاہی قرآن ہاتھوں میں لے کر جان ہتھیلی پر رکھ کے بیچ میدان میں آگئے۔ یہ اتنا بڑا احسان ہے جس کا بدلہ مسلمان قیامت تک نہیں اتار سکتے۔ یعنی یہ ان کا احسان تھا کہ انہوں نے سپاہیوں سے قرآن اٹھوا دیے اور جنگ بند کرا دی۔ ساٹھ ہزار لاشیں دیکھ کر مسلمانوں کی تڑپ اٹھے تھے۔ ٹھیک ہے، یہ ایک تبصرہ ہے۔ پڑھیے گا آپ کو بڑا مزہ آئے گا۔ ابن خلدون کی تاریخ کا چوتھا حصہ۔

اب آیئے امام جلال الدین سیوطی معروف مفسر بھی ہیں اور مورخ بھی۔ تاریخ الخلفاء ان کی تاریخ کی کتاب ہے اور درمنثور تفسیر کی۔ مفسر بھی ہیں اور مورخ بھی، بڑے معتبر۔ ترجمہ بھی وہیں سے چھپا ہے۔ اچھا دونوں کو چھاپا بھی نفیس اکیڈمی کراچی نے ہے۔ ابن خلدون کو بھی اور تاریخ الخلفاء کو بھی۔ مترجم بھی انہی کے ہیں۔ مراد یہ کہ ترجمے سے بھی ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ حاشیہ بردار بھی یعنی جو حاشیہ لگاتے ہیں وہ بھی انہی کے ہیں۔ سب کچھ انہی کا ہے۔ اب یہ دوسری تاریخ دیکھیے۔ تاریخ الخلفاء یہ کیا کہتے ہیں؟

تاریخ کی اس کتاب کا صفحہ نمبر ۲۰۷ ہے۔ خلافت آل سفیان و آل مروان کے باب میں لکھتے ہیں۔ خواجہ حسن بصری (اوپر ر اور ض بھی بنا دیا ہے انہوں نے) حقیقت نقل کرتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ عالم اسلام میں دو افراد نے ایسا فتنہ برپا کیا کہ جس کے اثرات قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے۔ اتنا بڑا فساد برپا کیا دو افراد نے۔ وہ کون سے دو افراد ہیں؟ اب دیکھیے آپ تضاد اسی لئے میں دونوں حوالے نقل کر رہا ہوں کہ بھئی ہم کچھ نہیں کہہ رہے۔ یہ انہوں نے کہا ہے اس کا جواب انہی سے لے لیجیے۔ ہمیں ضرورت ہی نہیں جواب

دینے کی۔

حسن بصری کہتا ہے سب سے بڑا فتنہ برپا کیا تھا عمرو بن العاص نے کہ جب اس نے صفین میں شامی سپاہیوں کے نیزوں پر قرآن کو بلند کروایا دیا تھا۔ جب کہ فتنہ ختم ہونے والا تھا' جنگ کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ اس نے اتنا بڑا فتنہ کھڑا کر دیا تھا کہ قرآن نیزوں پر بلند کرایا۔ یہ اتنا بڑا فتنہ تھا کہ جس کے اثرات مسلمان اور عالم اسلام قیامت تک بھگتتے رہیں گے۔ دوسرا فتنہ کیا تھا کہا دوسرا فتنہ جو عالم اسلام میں برپا ہوا وہ مغیرہ ابن شعبہ کا تھا۔ مغیرہ ابن شعبہ کا فتنہ کیا ہے؟

کہا کہ مغیرہ کا سب سے بڑا فتنہ یہ تھا کہ جب اس کو امیر شام کی طرف سے کوفے کی گورنری سے معزول کیا گیا۔ اس نے کسی کو چارج نہیں دیا۔ یہ تدبیر کرتا رہا کہ کیسے اپنے آپ اور اپنے عہدے کو بچاؤں' تھوڑے دن کے بعد خود امیر شام کے پاس دمشق پہنچ گیا' وہ غصے میں بھرا بیٹھا ہے کہ میں نے تجھے معزول کیا تو نے دوسرے کو چارج ہی نہیں دیا اور پھر میرے حکم کے بغیر یہاں چلا آیا۔

کہنے لگا میں تو آپ ہی کی خدمت میں مشغول تھا مجھے دیر اس لئے لگی کہ میں آپ کے صاحبزادے یزید کے لئے لوگوں سے بیعت لے رہا تھا۔ کہا پھر کیا ہوا؟ کہا پورے کوفے کو میں نے مطیع کرلیا ہے۔ بیعت لے لی ہے۔ وہ نفسیات سے واقف تھا نا! کہ یہ اپنے بعد اپنے بیٹے کو بنانا چاہتا ہے۔ لہٰذا اس نے وہیں دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھا کہ میں تو بیعت لے رہا تھا۔ لے لی میں نے سب سے بیعت کہا اچھا ایسا ہے تو پھر جا تو ہی گورنر ہے اور لوگوں سے بھی بیعت لے لے، دوسرے علاقے بھی تیرے حوالے کروں گا اور لوگوں سے بھی بیعت لے۔

تاریخ الخلفاء کے الفاظ ہیں کہ جب یہ باہر نکلا تو لوگوں نے کہا کہ مغیرہ ہم تو یہ سمجھ رہے تھے کہ تیری گردن ماردی جائے گی۔ پوچھا کہ بتا مغیرہ کیا ہوا؟ کہا کہ کچھ بھی نہیں ہوا۔ میں نے ایسی دلدل میں امیر شام کا پاؤں پھنسایا ہے کہ قیامت تک اس دلدل سے نہیں نکل سکے گا۔ یہ تاریخ الخلفاء کے الفاظ ہیں کہ یہ اتنا بڑا فتنہ تھا۔ یہ دو فتنوں کو لکھا ہے۔ اب آپ

ہی مجھے بتائیں کہ کون سی بات صحیح ہے؟ آپ ہمیں فیصلہ کر کے بتا دیجئے کہ یہ صحیح تھا یا وہ صحیح تھا؟ ایک کہہ رہا ہے کہ یہ سب سے بڑا فتنہ ہے کہ جنگ ختم ہوگئی تھی۔ ختم ہونے والی تھی۔ بس یہ جنگ ختم ہو جاتی تو فتنہ بھی ختم ہو جاتا۔ اِس نے فتنہ کو زندہ رکھا اور اس فتنے کے اثرات قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے۔ نہ یہ ہمارا مورخ' نہ وہ ہمارا مورخ' نہ یہ ہمارا مترجم نا وہ ہمارا مترجم' نہ اس پر حاشیہ ہمارے کسی شخص نے لگایا ہے نہ اُس پر حاشیہ ہمارے کسی آدمی نے لگایا ہے۔

یہ ہے تاریخ کا تضاد۔ آج دو چار تضاد آپ کے سامنے پیش کریں گے۔ دیکھئے کیسے عجیب تضادات ہیں۔ ایک تو یہ تضاد سامنے آیا تاریخ کا، تو ایسی صورت حال میں ان کو کیا کہا جائے انہوں نے فتنہ دبایا تھا۔ اچھا چلیے صاحب مانا کہ انہوں نے فتنے کو دبایا' ساٹھ ہزار آدمیوں کا قتل عام دیکھ کر یہ تڑپ اٹھے تھے کہ اس کو کیسے روکا جائے۔ اب سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ صفین میں وہ کیا کر رہے تھے؟ آپ نے یہ تو لکھ دیا کہ ساٹھ ہزار لوگوں کا جب قتل عام ہو چکا تو انہوں نے جنگ کو روکا' یہ وہاں کرنے کیا آئے تھے، یہ بھی تو دیکھئے آپ۔ بھئی یہ جنگ کرانے ہی تو آئے تھے۔ ان کو کس لئے بلایا گیا تھا؟ ان کو جنگی مشیر بنا کر بلایا گیا تھا۔

ساری تاریخیں کہتی ہیں کہ پورا معاہدہ ہوا تھا کہ فتح کے بعد مصر مجھے دو گے۔ آپ لکھ بھی رہے ہیں تاریخ ابن خلدون میں کہ پہلے اس نے معاہدہ کیا کہ فتح کے بعد مصر کی گورنری مجھے دی جائے گی۔ یہ سب معاہدہ ہو رہا ہے۔ منصوبہ بندی وہ کر رہا ہے۔ رائے وہ دے رہا ہے۔ مشورے وہ دے رہا ہے اور جب شکست پر پہنچے تو اس نے یہ چال چلی کہ اب قرآن نیزوں پر بلند کرادو ورنہ میری بھی گورنری گئی اور تیری بھی حکومت گئی۔ یہ ایک راستہ ہے جس سے ہم مسلمانوں میں فتنہ ڈال دیں گے اور شکست سے بچ جائیں گے۔

ان سارے حقائق کو وہ خود لکھ چکا ہے ابن خلدون' یہ سمجھتے ہیں پوری دنیا اندھی ہے' پوری دنیا گونگی ہے' پوری دنیا سُن ہے۔ پوری دنیا سُن نہیں ہے۔ آپ کے پڑھنے والے کچھ مخصوص لوگ سُن ہوں گے، تو ہوا کریں۔ پوری دنیا گونگی بھی نہیں ہے بہری بھی نہیں ہے،

سُن بھی نہیں ہے۔ اس کے پاس سوچ بھی ہے' اس کے پاس فکر بھی ہے' وہ حقائق پر غور بھی کرتی ہے کہ جب یہ تضادات سامنے آئیں گے تاریخ کے کہ بابا خود ہی تو لکھ رہے ہو کہ یہ معاہدہ ہوا کہ جنگ جیتنے کی صورت میں مصر کی گورنری تمہیں ملے گی۔ اس کے بعد یہ لکھنا کہ یہ ان کا اتنا بڑا احسان ہے کہ ان سے مسلمانوں کا قتل عام نہ دیکھا گیا اور انہوں نے جنگ سے بچا لیا جب کہ دوسری طرف کچھ اور لکھا جا رہا ہے۔

''امیر شام'' کے بارے میں لطیفہ پیش کرتا جاؤں کہ گزشتہ رات کیا ہوا۔ مجھے اپنی کوتاہی کا واقعی بڑا احساس ہے۔ سوال کیا ہے مجھ سے کچھ بچوں نے، یا لڑکوں نے، مجھے نہیں پتہ کس کے ہاتھ کی تحریر ہے، بڑے کی تحریر ہے کہ چھوٹے کی' بہت چھوٹے کی تو نہیں لگ رہی۔ سترہ اٹھارہ سال کی عمر کے لڑکے کی تحریر محسوس ہوتی ہے۔

پوچھا گیا ہے کہ امیر شام جس کا آپ اپنی تقاریر میں ذکر کرتے ہیں' اس کا نام کیا ہے؟ پوری داستان زلیخا ختم ہوگئی تو سننے والوں نے صبح پوچھا کہ زلیخا مرد تھی کہ عورت؟ میں اس کا پورا شجرہ حسب نسب بیان کر چکا۔ روزانہ اس کے بیٹے کا نام لیتا ہوں اس کے باپ کا نام لیتا ہوں خود اس کا نام بھی نامعلوم کتنی بار لے چکا ہوں۔ صفین میں کون لڑا؟ جمل اور دوسرے فتنے کس نے کھڑے کیے؟ یزید کو کس نے ولی عہد بنایا؟ لیکن ابھی پوچھا جا رہا ہے کہ امیر شام کا نام کیا ہے؟ اس کا نام میں بتا دیتا ہوں پہلے تو میرے دل میں آئی تھی کہ کسی بڑے کو دے دیتا ہوں کہ دیکھئے صاحب ہمارے نوجوانوں کو یہ تک نہیں پتہ کہ امیر شام کون ہے؟ پھر مجھے سومنات کے مندر کا لطیفہ یاد آ گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ ایک دوسرے سے پوچھتا چلا جائے دوسرا تیسرے سے پوچھتا چلا جائے۔

ایک انسپکٹر آیا تھا اسکول میں ایک بچے سے سوال کیا کہ سومنات کا مندر کس نے توڑا تھا؟ تو بچے نے سہم کو جواب دیا کہ ہم نے تو نہیں توڑا تھا۔ انسپکٹر بڑے غصے کے عالم میں چلا گیا استاد کے پاس کہ آپ کی کلاس کے بچے کو یہ تک نہیں معلوم کہ سومنات کا مندر کس نے توڑا تھا؟ اس نے ڈنڈے سے سب کی پٹائی شروع کر دی کہ بتاؤ کس نے توڑا؟ استاد سب کو پکڑ کر لے گیا وہاں پرنسپل کے پاس کہ صاحب ان میں سے کوئی نہیں بتا رہا۔ پرنسپل کو بھی

بڑا غصہ آیا کہ بھئی یہ کیا بات ہوئی کہ ان کو پتہ ہی نہیں۔ لہٰذا پتہ کرو کہ سومنات کا مندر کس نے توڑا؟ انسپکٹر نے رپورٹ کی تو لیٹر بھی آ گیا کہ معلوم کرو کہ سومنات کا مندر کس نے توڑا؟ اب جو تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ بھئی اس بات کو تو سات آٹھ سو سال گزر گئے ہیں۔ تب پرنسپل نے بورڈ کو لکھا کہ اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے سومنات کے مندر کی توڑ پھوڑ میں ہمارے اسکول کا کوئی لڑکا شامل نہیں ہے۔ صدیوں پہلے محمود نام کا ایک آدمی گزرا تھا اس نے سومنات کا مندر توڑا تھا۔ تو بورڈ سے جواب آیا کہ توڑا کسی نے بھی ہو پیسے تمہاری تنخواہ سے کاٹے جائیں گے۔

وہی مجھے بھی اب ڈر ہوگیا کہ میں کسی سے کہہ دوں کہ انہیں امیر شام کا نام بتا دو تو کہیں وہی سلسلہ نہ شروع ہو جائے۔ اچھا بھیا میں ہی بتائے دیتا ہوں، امیر شام یعنی معاویہ بن ابی سفیان یزید کے ابا جان۔

اس چیز نے مجھے مجبور کیا کہ میں تاریخ پڑھوں، اپنے بچوں کے لئے، اپنے ساتھیوں کے لئے، اپنے ہم عمر ساتھیوں کے لیے اور بھی ایک Objective Paper پیپر میرے لئے بھیجا گیا ہے۔ یہ تو پہلا سوال تھا جس کا آپ نے حل سنا۔ دوسرا سوال حالانکہ آڈیو میں بھی موجود ہے اور ویڈیو میں بھی موجود ہے جس میں، میں نے یہ سب ذکر کیا تھا۔ میں بھولتا نہیں ہوں، جو بات کہتا ہوں۔ جس کسی شاعر کا آپ نے ذکر کیا تھا اس کا نام اس کے اشعار اس کا دور، سن وسال اور اس کتاب کا نام جس سے آپ نے روایت پڑھی۔

بھائی میں نے سب کچھ اسی میں بتایا پھر دوبارہ کیسٹ سن لیجئے گا۔ کتاب کا نام بھی بتایا' شاعر کا نام بھی بتایا' جس نے اس کے شعر نقل کئے ہیں وہ بھی بتایا' اشعار کا ترجمہ بھی پڑھا۔ یہ جس مجلس کو آپ نے سنا اس کو ایک بار پھر آڈیو ویڈیو کیسٹس پر سن لیجئے گا۔ میں نے حوالے دیئے ہیں آپ کے سامنے کہ ابن الصیفی شاعر ہے علامہ دمیری کی کتاب حیات الحیوان' شاید آپ کے ذہن میں آ رہے ہوں گے میرے الفاظ اور اس میں علامہ صاحب مشارب کا خواب بیان کیا ہے کہ چھٹی صدی ہجری میں یہ بھی بیان کیا ہے۔ تو اب اس کے بعد وہی Objective پرچہ؟ کہ شاید دو دن بعد بھول گیا ہوں گا میں، تو پھر بتاتے چلے

جائیں۔

عزیزو! ان چیزوں نے مجھے مجبور کیا ہے کہ میں ان دوستوں کے لئے تسلسل کے ساتھ واقعات پڑھتا چلا جاؤں۔ کہ اگر امیر شام کہا جائے ان کے سامنے تو ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ امیر شام کون بلا ہے؟ یہ کیا چیز ہے؟ تو سمجھ میں آ گیا امیر شام کیا ہے۔ اب تو ان بچوں کی سمجھ میں آ گیا کہ امیر شام کیا ہے؟ امیر شام ایک اصطلاح ہے۔ صرف اگر امیر شام کہا جائے۔ تو اس سے ایک ہی آدمی سمجھا جاتا ہے بس۔ اگر اور کوئی حاکم مراد ہوتا ہے تو اس کے ساتھ قید لگائی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ نام لگایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ صفت لگائی جاتی ہے۔ مطلق اگر کہا جائے کہ امیر شام، تو اس سے مراد ایک ہی آدمی ہوتا ہے۔ جیسے بعض اصطلاحات ہیں۔

پرانے زمانے میں، آج نہیں، آج تو آپ ڈھونڈیں گے کس علامہ کی بات ہو رہی ہے؟ پہلے یہ تھا پچاس سال پہلے کہ اگر مطلق علامہ کہا جاتا تھا کہ علامہ کا قول یہ ہے تو اس سے مراد ہوتی تھی علامہ حلیؒ یا علامہ مجلسیؒ آج کے دور کی بات نہیں کر رہا۔ اب سے پچاس سال پہلے کی بات کر رہا ہوں۔ اگر آج ان بیچاروں کا نام لے کر نہ کہا جائے کہ علامہ حلیؒ یا علامہ مجلسیؒ نے، تو آپ کہیں گے کس علامہ نے فرمایا تھا یہ تو بتایئے؟ تعداد آج اتنی بڑھ چکی ہے ہمارے یہاں ماشاء اللہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اللہ اور اس میں اضافہ فرمائے۔ ترقی فرمائے۔ تو پہلے ایک دو ہوتے تھے، علم آگے بڑھا، تو تعداد بھی آگے بڑھ گئی۔ لیکن امیر شام کی اصطلاح وہی چل رہی ہے۔ جب خالی امیر شام کہا جائے تو اس سے مراد یزید کا باپ ہوا کرتا ہے۔

عزیزانِ محترم! اس طرح سے امیر شام نے بیعت لی اور واصل جہنم ہوا۔ کل تک جو میں نے آپ کو بتایا تھا اور اس کے دور کی تکرار میں نہیں کروں گا۔ یزید ابن معاویہ کے تاریخ میں تین کارنامے ہیں۔ پہلا واقعہ کربلا، جس کو آپ تفصیل سے سنتے ہی رہتے ہیں۔ میں اسی جگہ دو سال پہلے تفسیر عاشورہ کے عنوان سے پوری تاریخ کربلا پڑھ چکا ہوں۔ ایک اس کا یہ کارنامہ ہے جو ۶۱ ہجری میں واقع ہوا۔

٥ دوسرا کارنامہ اس کا مدینہ کی تاراجی کا ہے یعنی واقعہ حرّہ وہ بھی میں پچھلے سال تاریخ

امیر مختار کے باب میں پڑھ چکا' صرف اشارہ کرتا ہوا جا رہا ہوں۔ واقعہ حرّہ ۶۳ ہجری میں ہوا۔ مسلم بن عقبہ اس کے لشکر کا سردار بن کر آیا تھا، اس نے مدینے کا جو حشر کیا، تاریخ الخلفاء سیوطی کے الفاظ یہ ہیں کہ اس نے صحابہ کو چن چن کر قتل کیا۔ ۳۰۶ صحابہ کی تعداد سیوطی نے لکھی ہے۔ ۳۰۶ کی تعداد میں مہاجر و انصار صحابہ کے علاوہ بڑی تعداد میں عام مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ اور ہزاروں دوشیزہ خواتین کی سر عام جبری بے حرمتی' یہ الفاظ ہیں تاریخ الخلفاء میں، جلال الدین سیوطی کے اس باب میں تو یہ اس کا دوسرا کارنامہ تھا۔

تیسرا کارنامہ یزید کا یہ ہے کہ جب مسلم بن عقبہ مدینہ کو تاراج کر کے چلا تو راستے ہی میں مر گیا، مرنے سے پہلے اس نے حصین ابن نمیر کو اپنا نائب بنایا تھا۔ یہ مکہ پہنچا اس نے مکے کا محاصرہ کیا کعبے پر منجنیقوں سے پتھر برسائے۔ دس ربیع الاول ۶۴ ہجری کو یزید واصل جہنم ہو گیا یا ۱۵ ربیع الاول کو۔ میں نے اس کے پورے دور کو یوں گزار دیا، یہ میں تفصیل سے پڑھ چکا ہوں۔ تکرار ہوئی تو آپ کو شکایت ہوگی۔ اب جب یہ مر گیا تو دمشق میں دو چار مہینے کے لئے افراتفری پھیل گئی۔ حصین ابن نمیر نے محاصرہ بھی اٹھا لیا۔ عبد اللہ ابن زبیر کے مقابلے سے وہ جان بچا کر بھاگا۔ عبد اللہ ابن زبیر کو موقع مل گیا اپنے پنجے گاڑنے کا' اپنے آپ کو مضبوط کرنے کا۔

معاویہ ابن یزید کے بارے میں میں پڑھ چکا کہ اس نے تخت خلافت پر بیٹھنا قبول نہیں کیا بلکہ اس نے تخت کو ٹھوکر مار دی۔ ڈاکٹر ذاکر حسین نے اپنی تاریخ اسلام میں لکھا ہے کہ اسی بات پر بنی امیہ نے زہر دے کر اسے ختم کر دیا۔ معاویہ ابن یزید نے جو خطبہ دیا تھا وہ خطبہ بھی عجیب و غریب تھا' خوب لعن طعن اپنے باپ دادا پر کی تھی' رویا اور کہا کہ میں اس تخت پر نہیں بیٹھوں گا جو اولاد رسولؐ کے خون سے رنگین ہے۔ اس کو۔ ڈاکٹر ذاکر حسین کے بقول بنو امیہ نے اسے زہر دے کر مار دیا۔ اس کی ماں نے یہ کہا تھا جب وہ تخت چھوڑ کر آیا کہ کاش تو انہی ایام میں مر گیا ہوتا تو اس نے کہا کہ کاش میں مر ہی گیا ہوتا۔ یا دنیا میں نہ آیا ہوتا اور اپنے باپ دادا کے مظالم کا مشاہدہ نہ کرتا اپنی آنکھوں سے۔ یہ ہے معاویہ ابن یزید جو محبّ اہل بیتؑ کے طور پر تاریخ میں آج بھی زندہ ہے۔ اہل بیتؑ کا محبت کرنے والا۔

اس کو بھی میں نے مختصراً بیان کر دیا کیونکہ تسلسل چل رہا ہے۔ ایک ایک جملے میں بات کر رہا ہوں اس لئے کہ یہ سب واقعات پہلے تفصیل سے بیان کئے جا چکے ہیں۔

اس کے بعد خالد ابن یزید تخت پر بیٹھا جو نہایت کم سن بھی ہے اور احمق بھی۔ ابھی تک مروان کے دل میں خلافت کا سودا نہیں آیا تھا۔ ابن زیاد جب بصرے سے بھاگ کر آیا تھا۔ اس نے اسے بھرنا شروع کیا کہ اب تو خلیفہ بن جا اور خالد کو ولی عہد بنا دے بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کی ماں سے شادی بھی کر لے۔ یہ قصہ ہوا مروان کے خلیفہ بننے کا اور مروان نے یزید کی بیوہ سے شادی بھی کی۔ مروان یہ بھی چاہتا تھا کہ خلافت میرے بچوں میں جائے یزید کے بچوں میں نہ جائے۔ اسی لئے وہ خالد ابن یزید کو سر دربار ذلیل بھی کیا کرتا تھا اور ایک دن اس نے اتنا ذلیل کیا خالد کو بھی اور اس کی ماں کو بھی' بہت برا بھلا کہا کہ خالد نے آ کے اپنی ماں فاختہ سے شکایت کی کہ ایسا ایسا مروان نے کہا ہے۔ اس نے کہا کہ تو مروان کو بتانا ہی نہیں کہ تو نے مجھے بتا دیا ہے اور رات کو اس نے بوڑھے کا تکیہ رکھ کر گلا گھونٹا اور ختم کر دیا۔

یہی الفاظ ہیں تاریخ میں ۔ مروان بوڑھا تو تھا ہی اکہتر بہتر سال کا اور کہیں اسی سال کا لکھا ہوا ہے۔ دو تین تکیے لئے اور ظاہر ہے وہ خالد کی ماں اور یزید کی بیوی تھی تو اس نے اس کو گلا دبا کر مار دیا۔ مروان نے تخت خلافت پر بیٹھنے کے نو ماہ تک مزے اڑائے۔ دس یا پندرہ ربیع الاول کو یزید واصل جہنم ہوا تھا۔ دو ڈھائی ماہ بعد مروان تخت پر بیٹھا اور اس نے نو ماہ حکومت کی۔ اس کے جو مرنے کی تاریخ بھی وہی بنتی ہے۔ دس سے پندرہ ربیع الاول کے درمیان۔ دو عیدیں جمع ہوئیں۔ کیونکہ ۹ محرم اور ۱۰ محرم کو حصین ابن نمیر اور عبید اللہ ابن زیاد مرے تھے۔ لیکن امامؑ کی خدمت میں جب سر پہنچے تو وہ تاریخ ۹ ربیع الاول تھی۔ لہٰذا اتنی ساری عیدیں محبان اہل بیتؑ کے لئے جمع ہوگئی تھیں کہ امامؑ نے اس دن عید منانے کا خوشی منانے کا حکم دیا۔ اسی لئے اس کو عید زہراؑ کہتے ہیں۔ جب عید شجاع کہتے ہیں تو جناب مختارؓ سے منسوب ہے اور عید زہراؑ کہتے ہیں تو زہراؑ اور اولاد زہراؑ کی خوشی ہے۔ اسی مہینے میں بڑے بڑے دشمنان اہل بیتؑ واصل جہنم ہوئے۔

اس مہینے میں شریعت اسلام کے بانی یعنی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے جانشین فقہ جعفریہ کے بانی یعنی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی بھی ولادت ہوئی۔ امام جعفر صادقؑ یعنی شریعت اسلامی کی نشاہ ثانیہ کرنے والے کی ولادت ہوئی۔ جنہوں نے شریعت محمدیؐ کو حیات نو بخشی۔ تو دیکھئے ربیع الاول میں کتنی عیدیں جمع ہوگئیں۔

۶۵ ہجری میں عبدالملک بن مروان تخت پر بیٹھا۔ اب دیکھئے آپ کے سامنے تاریخ کا ایک اور مذاق رکھتا ہوں۔ ذہبی ایک بہت بڑا مورخ ہے اس کے حوالے سے سیوطی لکھتا ہے کہ ۷۳ ہجری تک یہ خلافت باطلہ تھی' مروان کی بھی اور مروان کے بیٹے کی بھی یعنی عبدالملک بن مروان کی بھی۔ مروان جو ہے یہ باطل خلیفہ تھا کیونکہ اس نے عبداللہ ابن زبیر کے خلاف خروج کیا۔ اس لئے کہ ۶۴ ہجری میں جب یزید واصل جہنم ہوگیا تھا تو اب عبداللہ ابن زبیر خلیفہ ہے۔ تو عبداللہ ابن زبیر کے مقابلے میں کہتے ہیں کہ یہ باطل ہے مروان بھی اور اس کا بیٹا بھی۔ انہوں نے خروج کیا ہے اس لئے یہ باطل اس نے جو فیصلہ کیا وہ بھی باطل؛ ذرا اس نکتے کو سمجھئے گا۔

میں آج آپ کو ایک تاریخی سوال دے کر جا رہا ہوں، جو کسی جگہ بھی آپ کے کام آسکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ مروان باطل تھا اس لئے کہ اس نے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنایا لہٰذا بیٹا بھی باطل پھر لکھتا ہے ۷۳ ہجری تک یہ دونوں باپ بیٹے باطل تھے۔ جب ۷۳ ہجری میں بقول ذہبی و سیوطی' عبداللہ ابن زبیر شہید ہوگئے۔ عبدالملک کے لشکر کے ہاتھوں تو ان کی خلافت' خلافت برحق ہوگئی۔ اب اس کو کیسے جمع کریں؟ میری تو سمجھ میں نہیں آتا۔ کہا کہ اس وقت تک باطل تھی' یہ آٹھ سال باطل رہی۔ عبداللہ ابن زبیر خلیفہ برحق تھا تو جو اس کی خلاف خروج کرے گا وہ باطل ہوا نا! کیونکہ اسے قتل کر کے عبدالملک کامیاب ہوگیا' عبداللہ ابن زبیر شہید ہوگیا اور جس نے شہید کر دیا وہ غازی بن گیا۔ بن گیا نا! غازی؟ کیونکہ اب یہ حق پہ ہوگیا۔ تو جب یہ حق پہ ہوگیا نا! تو یہ غازی وہ شہید' یہ آج تک سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا گو رکھ دھندے ہیں کہ آج تک اس سے باہر نکل ہی نہیں سکے۔

عزیزان محترم! اب آپ کی سمجھ میں آیا کہ جب تک انگریز قابض نہیں ہوجاتا' کافر

ہے لڑتے رہو۔ جب اس کی حکومت آ گئی تو وہ اولی الامر ہے' اس کے خلاف بغاوت کرنا' اس کے خلاف لڑنا' باطل ہے۔ اب نہیں لڑو حاکم ہو گیا نا! اب فتوؤں کی تاریخ سمجھ میں آئی آپ کے کہ خود پھنس گئے تھے اس جال میں۔ تو اب یہ سو سال کی تاریخ اٹھا کر پڑھ لیجئے۔ کتنے فتوے آپ کو ملیں گے کہ کیونکہ انگریز اولی الامر ہے کیونکہ یہ حاکم ہے ہمارا اس لئے اس کے خلاف لڑنا اس کے خلاف بغاوت کرنا' کفر ہے۔ اسلام کے دائرے سے خارج ہو جائے گا۔ جو بیچارہ کفر کے خلاف جدوجہد کرے گا۔ جو انگریزوں اور عیسائیوں کے خلاف جنگ کرے گا۔ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ یہ کلیے وہاں سے بننا شروع ہوئے تھے کہ یہ بھی صحیح وہ بھی صحیح۔

پہلے یزید تک وہ خلافت صحیح تھی' یزید کے بعد عبداللہ ابن زبیر صحیح ہو گئے' یہ غلط ہو گئی۔ ۷۳ ہجری میں انہوں نے عبداللہ ابن زبیر کو ٹھکانے لگا دیا اب وہ صحیح ہو گئے۔ ان کے بعد آنے والے بھی سارے صحیح ہو گئے۔ وہ بھی صحیح یہ بھی صحیح۔ بس اسی لئے ان کو سمجھ میں نہیں آتا۔ صفین میں علیؑ بھی صحیح ہیں' وہ بھی صحیح ہیں۔ جو ان سے لڑا وہ بھی صحیح ہے۔ ان کو کہہ نہیں سکتے برا' جس کو بنایا ہے اس کو کیسے کہیں برا؟ لہٰذا اس کے لئے کوئی تیسری راہ نکالو۔ کہا یہ بھی جنتی وہ بھی جنتی' جس نے عمار یاسرؓ کو مارا وہ بھی برحق' جب کہ عمار یاسرؓ کو تو جنت کی بشارت اللہ کے رسولؐ نے دے ہی دی تھی۔ سب تاریخوں نے لکھا خود طبری وغیرہ نے لکھا کہ بھئی یہ تو تھا' یہ تو طے ہے کہ عمار یاسرؓ جس گروہ میں ہوگا وہی حق پہ ہوگا۔ اس کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا جو باغی گروہ کے ہاتھوں مارا جائے گا' تو وہ تو جنت میں ہے اس کو مارنے والا بھی جنت میں جائے گا۔ تو صاحب یہ دونوں جنت میں گئے۔

تو یہ ان کی تاریخ کا عجیب فلسفہ ہے جو ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔

یہ بھی صحیح' وہ بھی صحیح ...... تو صاحب جو بھی ہوا ۶۵ ہجری کے بعد یہ قیام مختارؓ کے بارے میں میں پڑھ چکا ہوں۔ پھر اس کے بعد مصعب ابن زبیر کے ہاتھوں مختارؓ کی شہادت۔ ہمارے لئے جو غلط ہے وہ غلط ہے۔ قیامت تک غلط ہے' اور جو صحیح ہے' قیامت تک صحیح ہے۔ ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہوتی' ہم نے ایک معیار بنایا ہوا ہے بس ایک معیار' اس

معیار کو برقرار رکھو گے تو کبھی دھوکہ نہیں کھاؤ گے۔

ایک علیؑ کا راستہ ہے اور ایک علیؑ کے مخالف کا راستہ ہے۔ اب جو علیؑ کے خط پہ چل رہا ہے وہ چاہے امویوں میں سے ہی کیوں نہ ہو چاہے وہ یزید کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اگر اس لائن پر ہے اگر محبت اہل بیتؑ رکھتا ہے تو ہم یہ کیوں کہیں کہ یزید کا بیٹا ہے۔ یہ بھی فاسق ہے۔ نہیں ہمیں تو یہ دیکھنا ہے اگر علیؑ کی محبت، حسینؑ کی محبت کے راستے پر ہے تو کوئی بھی ہے۔ صحیح ہے۔ سیدھی سی بات ہے کوئی دھوکے کی بات نہیں ہے۔

دھوکہ وہ کھائے جو کہے کہ اب کیسے بچائیں' باپ دادا کو بچانا ہے' اب بیٹے کو بچاؤ' اب پوتے کو' تو کیوں اس گورکھ دھندے میں پڑ گئے بابا۔ حق و باطل کا معیار ایک ہے۔ اگر نبیؐ کا بیٹا نبیؐ کی مخالفت کر رہا ہے۔ امامؑ کی اولاد امامؑ کی مخالفت کرے گی۔ ہمیں فیصلہ کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہے اور ہم نے فیصلہ کر دیا ہے وہ شاخیں الگ ہوگئیں۔ ہوئیں کہ نہیں ہوئیں؟ اماموں کی اولادوں نے بغاوت کی ہم نے الگ کر دیا' ہم نے ان کا دفاع نہیں کیا۔ ہم نے نہیں کیا یہ بھی صحیح وہ بھی صحیح ہم نے کہا جو غلط ہے وہ غلط ہے۔ جس نے بارہ اماموں کے راستے کو چھوڑا' اپنے راستے کو الگ کیا' غلط ہے کوئی بھی ہو ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں۔ ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ یہ صراط مستقیم ہے اس پر کون ہے؟ یہ بارہ چراغ جو روشن ہیں۔ ان میں ہمیں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ سب ایک ہی نور دے رہے ہیں۔ ایک ہی روشنی دے رہے ہیں۔ جو اس نور کے پیچھے پیچھے چل رہا ہے۔ جو اس نور سے ہدایت لے رہا ہے۔ انہیں نہ حق و باطل میں تمیز کرنے میں کوئی دقت پیش آئی نہ قیامت تک کوئی دقت پیش آئے گی۔

عزیزان محترم! یہ اس لئے دھوکہ کھا گئے کہ ایک بار وہ پہلی اینٹ جو غلط رکھ دی نا!' تو ثریا تک' آسمان تک' دیوار ٹیڑھی چلی جا رہی ہے۔ کہاں کہاں سیدھا کریں؟ پہلی اینٹ اگر صحیح رکھ دیتے تو پھر پوری عمارت صحیح چلی جاتی۔ پوری عمارت سیدھی جاتی' پہلی اینٹ ٹیڑھی رکھی' پوری عمارت ٹیڑھی ہوگئی۔ آخر تک صحیح کرو اس کو صحیح کرو اس کو صحیح کرو۔ ارے کس کس کو صحیح کرو بابا۔ ایک بار کہہ دو جو رسولؐ نے بتا دیا تھا کہ یہ معیار ہے۔ حق و باطل کو پہچاننے کا'

مومن اور منافق کی پہچان، علیؑ کی ذات ہے، یہ نعرے لگانے والے جملے نہیں ہیں۔ عزیزو! اس طرح سے تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو آدمی کو پتہ چلتا ہے۔ ایک راستے کو پکڑ لو، بس جدھر جدھر علیؑ جائے گا ادھر ادھر حق مڑے گا۔

کن بھول بھلیوں میں تم پھنس گئے ہو؟ ہم نے یہ نہیں کیا کہ پہلے حق بنایا ہوا ایک کہ جو ادھر جائے گا صحیح ہوتا چلا جائے گا۔ نہیں ہم نے تو ایک معیار دیکھا کہ علیؑ جدھر جائے گا حق بنتا چلا جائے گا۔ علیؑ جدھر جدھر جا رہا ہے وہ حق ہے۔ علیؑ جس کا دوست ہے وہ حق ہے۔ علیؑ جس سے محبت کرتا ہے وہ حق ہے، علیؑ جس کا دشمن ہے وہ باطل ہے، علیؑ جس سے جنگ کرتا ہے وہ باطل ہے، اب وہ کوئی بھی ہو۔ اس معیار کو جب لوگوں نے چھوڑا تو وہ تاریخوں میں وکیل صفائی بن کر رہ گئے۔ ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم جانتے ہیں، معیار یہ ہے کوئی بھی ہو، ہم نے عرض کر دیا۔

ائمہ طاہرینؑ کی اولادوں میں کتنے ایسے نافرمان نکل گئے۔ ان کو الگ کر دیا۔ ہم نے بھی انہیں چھوڑ دیا کہ جاؤ۔ ہم نے تو ان مجاہدین کی داستان کو سینے سے لگا کر رکھا۔ ہم نے حضرت زیدؓ کو بھی اس لئے اپنا سیّد و سردار مانا کہ جب ہمیں یہ یقین ہوگیا کہ انہیں اور ان کے جہاد کو امامؑ کی تائید حاصل ہے۔ اور امامؑ نے ان کے لئے دعا کی ہے۔ ہم نے یحییٰ بن زیدؓ، حسن بن یحییٰ بن زیدؓ ان تمام کو اور مختارؓ کو بھی، حالانکہ مختارؓ تو سادات میں سے نہیں ہیں، ہاشمی نہیں ہیں، مگر اس کے باوجود ہیرو مانا ہے۔ اس لئے اپنا سردار مانا ہے، اس لئے اپنا پیشوا مانا ہے کہ ان کو بھی اماموں کی تائید حاصل ہے لہٰذا ہمارے لئے راستہ صاف ہے۔

تو جب راستہ ان کے سامنے دھندلا ہوگیا تو اب کس کس کو بچائیں؟ عبد اللہ ابن زبیر کو بچائیں کہ عبد الملک بن مروان کو بچائیں؟ اس کو برا کہتے ہیں تو ادھر مصیبت ہوتی ہے۔ اس کو برا کہتے ہیں تو ادھر مصیبت ہوتی ہے۔ آٹھ سال تک یہ غلط تھے اس کے بعد یہ صحیح ہوگئے۔

تو عبد الملک بن مروان کے جو جرنیل ہیں بڑے بڑے، تاریخ کے سفاک جنرل، حجاج بن یوسف اور اس کا بھائی محمد بن یوسف، مہلب خراسان میں اور خود محمد ابن مروان اور

محمد بن عبدالملک یہ اس کے بھائی اور اس کے بیٹے اور اس کے بھتیجے خون ریزی میں اس سے بھی آگے۔ سفاکی میں اس سے بھی آگے' اس کے کارنامے جو بڑے بڑے ہیں جناب مختارؒ کی تاریخ میں پڑھ چکا ہوں۔ اس کے آگے کی بات کرتا ہوں۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳ ہجری میں اس نے خوارج پر قابو پایا اور ۷۳ ہجری میں ہی اس نے حجاج کو بھیجا کہ جاؤ عبداللہ ابن زبیر کی سرکوبی کے لئے۔ جب مصعب ابن زبیر کا خاتمہ کر چکا' اس سے پہلے کوفے میں مصعب کے ہاتھوں جناب مختارؒ کی شہادت ہو چکی تھی۔ اس کے بعد مصعب ابن زبیر اپنے انجام کو پہنچا عبدالملک کے ہاتھوں۔ عبدالملک نے اب بھیجا حجاج کو کہ جاؤ مکہ کو تاراج کرو اس کے بعد مدینہ والوں کو جتنا رسوا کر سکتے ہو کرو۔

یہ حجاج بن یوسف ہے۔ جس کے لئے علامہ جلال الدین سیوطی نے ملعون کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ملاحظہ کر لیجئے گا تاریخ الخلفاء میں ملعون کہا گیا ہے۔ اب اس کو ہیرو بنایا جا رہا ہے' صاحب نہیں وہ تو ہیرو تھا۔ کوئی پتہ نہیں اگر وہ ہیرو تھا تو مورخین ملعون ہوں گے۔ ایک ہی بات ہے' سیدھی سی بات ہے' ایک کو تو آپ نے ملعون لکھا ہے خود۔ ملعون ہیں سارے۔ تو انہوں نے جو کچھ لکھا ہے سب غلط ہے۔ سب غلط ہے جو کچھ لکھا ہے۔ یا پھر نہیں واقعی اس کے کارنامے ایسے تھے کہ سیوطی جیسے نے بھی اس کو ملعون کہا ہے تو ظاہر ہے سیوطی ہمارا دوست نہیں ہے۔ ہمارے طبقے کا نہیں۔ اس نے اس کو ملعون لکھا ہے کہ حجاج ملعون نے کیا کیا ستم ڈھائے مدینے میں۔

عزیزان محترم! تو یہ حجاج مکے کی طرف گیا، اور یہ حصین بن نمیر سے بھی دو قدم آگے بڑھا۔ اس نے محاصرہ کیا' اس کو بھی مختصر کروں گا کیونکہ یہ بھی میں تفصیل سے آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں۔ اس نے آگ بھی برسائی' کعبے کے پردے کو آگ بھی لگائی۔ عبدالملک کا ایک کارنامہ تاریخوں میں لکھا جاتا ہے کہ ان کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے از سر نو کعبے کی تعمیر کرائی۔ ارے بابا یہ تو بتاؤ کہ اس کو تباہ کس نے کیا تھا؟ ذرا تحریفات تو دیکھئے آپ موت کے بعد لکھتے ہیں ان کے بڑے بڑے کارنامے' سیرت جس کو کہتے ہیں۔

عبدالملک بن مروان کی سیرت' ان کے کارنامے' انہوں نے کعبے کی دوبارہ تعمیر کی' یہ

تو بتاؤ کہ اسے تاراج کس نے کیا؟ تباہ کس نے کیا تھا؟ جو تعمیر ہوا دوبارہ؟ یہ پہلے لکھ گئے تباہی کا حال' بعد میں اس تعمیر کو کارنامہ کہہ رہے ہیں۔ دوبارہ تعمیر تو اس لئے کی گئی کہ اس کے جرنیل حجاج بن یوسف نے آگ لگا دی تھی کعبے کو اور منجنیقوں سے اتنے پتھر برسائے تھے کہ تاریخیں کہتی ہیں کعبہ ڈھے گیا تھا۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ اس نے اتنی بڑی خباثت کا مظاہرہ کیا کہ اس امن کی جگہ کو جہاں رسولؐ کے لئے بھی صرف چند ساعتوں کے لئے جنگ حلال ہوئی تھی اور جیسے ہی مکہ میں داخل ہوئے پھر جنگ حرام' حرمت کی جگہ ہے۔ یہاں قتل و غارت گری نہیں کرنا۔

لیکن تاریخ بھری پڑی ہے جب اپنا اقتدار خطرے میں آیا، فوراً قتل و غارت گری قتل عام جائز ہو جاتا ہے۔ آج تک وہی سنت جاری ہے۔ وہ حرمت کی جگہ ہے جو پناہ لے لے اسے نقصان نہ پہنچاؤ۔ یہاں چیونٹی کو بھی نہ مارو۔ اسی کعبے کو آگ لگائی گئی' تباہ و برباد کیا گیا اور عبداللہ ابن زبیر کے ساتھ بدترین سلوک کیا گیا۔ تو یہ ان کا کارنامہ ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے تباہ کرنے کے بعد اسے دوبارہ تعمیر کرا دیا ایسے ہی نہیں چھوڑ دیا۔ واقعی یہ ان کا کارنامہ ہے یہ ۷۳ ہجری کا واقعہ ہے۔ ۷۴ ہجری میں جب حجاج واپس پلٹا تو مدینے میں اس نے پھر تباہی و بربادی پھیلائی اور رسولؐ کے اصحاب جن کا میں ذکر کر چکا ہوں سہل ابن سعدؓ' جابر ابن عبداللہ انصاریؓ' انس ابن مالکؓ کی گردنوں پر غلامی کی مہر لگوائی۔

عبدالملک ابن مروان نے اسے حکم دیا کہ علیؑ ابن الحسینؑ کو گرفتار کرو اور میرے پاس بھیجو۔ ۷۴ ہجری میں جب مدینے کو تاراج کر چکا تو امامؑ کو زنجیروں سے جکڑا اور سپاہیوں کے ساتھ روانہ کر دیا کہ جاؤ انہیں لے جاؤ راستے میں حدیث کی پہلی کتاب لکھنے والا جو تاریخ میں زہری کہلاتا ہے ملا۔ اس کا پورا نام امام ابوبکر محمد ابن مسلم ابن شہاب زہری ہے نام کی اور بھی تفصیلات ہیں۔ جتنا مجھے یاد رہا اتنا میں نے بتا دیا۔ تاریخ میں زہری کے نام سے اسے یاد کیا جاتا ہے۔

پہلا مورخ ۵۱ ہجری اس کی تاریخ ولادت ہے۔ جس نے حدیث کی ایک کتاب لکھی

ہے ان کے حساب سے ہمارے یہاں یہ سلسلہ نہیں' ہمارے یہاں ایک سلسلہ ہے جو رسولؐ تک جا کے مل جاتا ہے۔ اس کو پتہ چلا کہ فرزند رسولؐ کو گرفتار کر لیا گیا ہے یہ کسب فیض کیا کرتا تھا امامؑ سے مگر تھا بنو امیہ کی دست گاہ کا آدمی کچھ کوس گیا تھا' ابھی راستے میں ہے لشکر۔ امامؑ سے ملنے کی اسے اجازت مل گئی۔ دیکھا امامؑ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں' رونے لگا بیٹھ کر۔ امامؑ نے کہا کیوں روتے ہو زہری: کہا کہ مولاؑ مجھے اس حالت میں آپ کو دیکھ کر دکھ ہو رہا ہے۔ افسوس ہو رہا ہے فرزند رسولؐ آپ کا کوئی جرم نہیں ہے۔ کس لئے آپ کو گرفتار کر کے لے جا رہے ہیں۔ امامؑ نے مسکرا کے کہا زہری! تم کیا سمجھتے ہو ہم اپنی آزادی پر قادر نہیں ہیں؟ یہ واقعہ تفسیر اسلام میں فروغ کاظمی نے اور بھی بہت ساری کتابوں میں نقل کیا گیا ہے۔ لیکن جس میں میں نے دیکھا اس کا حوالہ دے رہا ہوں کہا تم کیا سمجھتے ہو ہم اس پر قادر نہیں ہیں؟ اب امامؑ نے اشارہ کیا ساری زنجیریں بدن سے علیحدہ ہو گئیں کہا یہ ہماری مرضی کے بغیر ہمیں گرفتار نہیں کر سکتے زہری! اور یہ مجھے وہاں سے لے کے بھی نہیں جا سکتے قید کر کے' میں آزاد ہو کر پہنچ جاؤں گا مدینے' تم آرام سے جاؤ۔ آ گیا واپس' کہتا ہے دو چار دن گزرے تھے کہ جو سپاہی امامؑ کو لے کر گئے تھے وہ مدینے آ کر گھر گھر تلاشی لے رہے ہیں۔ ڈھونڈ رہے ہیں گلیوں میں' کیا ہو گیا؟ کہا کہ ابن حسینؑ فرار ہو گئے' کیسے فرار ہو گئے؟ کہا کہ رات کو ہم سوئے۔ صبح کو دیکھا زنجیریں پڑی ہوئی ہیں مگر فرزند رسولؐ کہیں موجود ہی نہیں ہیں۔ اس کو یقین ہو گیا امامؑ کی بات کا' اب یہ تلاش کر رہے ہی کہ عبدالملک ابن مروان کا خط پہنچ گیا۔

اس خط کا ہر تاریخ تذکرہ کرتی ہے۔ تعریف کے طور پر کہ اس نے حجاج کو خط لکھا تھا کہ ہاشمیوں کے ساتھ اور خصوصاً علیؑ ابن الحسینؑ کے ساتھ کوئی برا سلوک مت کرنا۔ ان کو اذیت نہ دینا۔ ان سے احسان کے ساتھ پیش آنا تعریف میں لکھتے ہیں کہ صاحب اتنا مہربان تھا یہ آل رسولؐ پہ۔ یہ پہلے والا واقعہ نہیں لکھتے کہ ہوا کیا تھا اصل واقعہ بس اتنا سا جملہ لکھ دیتے ہیں۔ تو زہری کہتا ہے کہ جب پیغام پہنچا حجاج کے پاس کہ خبردار! عزت واحترام سے پیش آؤ ان کے ساتھ' ان کی ضرورتیں پوری کرو اور ان کو کوئی اذیت نہیں ہونی چاہئے' علیؑ

ابن الحسینؑ اور تمام بنی ہاشم کو' اس نے عزت واحترام سے رکھا باغ تھا امام زین العابدینؑ کا جس کے آثار آج بھی موجود ہیں وہاں امام نے اپنے خانوادے کے ساتھ رہنا شروع کر دیا۔ زہری کہتا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد جب میں دمشق پہنچا اور شرف باریابی مجھے حاصل ہوا خلیفہ صاحب کے پاس تو میں نے ان سے پوچھا کہ بھئی یہ کیا ہوا پہلے تو نے گرفتاری کا حکم دیا تھا۔ پھر تو نے رہائی کا حکم دے دیا۔ کہا وہ تو پہلے ہی معاذ اللہ فرار ہو چکے تھے ان کی قید سے تو عبدالملک کہتا ہے کہ تجھے کیا پتہ کیا ہوا میرے ساتھ' میں یہاں تھا اور جس دن کی تو بات کرتا ہے' اس دن امامؑ میرے پاس آ گئے۔ دروازہ کھلا اور علیؑ ابن الحسینؑ میرے کمرے میں تھے اور غضب آلود نگاہیں مجھ پر ڈالیں کہ عبدالملک ہم نے تیرا کیا بگاڑا ہے؟ کس لئے تو نے ہمیں گھر سے بے گھر کیا ہے؟ کس لئے تو نے میری گرفتاری کا حکم دیا ہے؟ یاد رکھ جس نے بھی ہمیں اذیت دی وہ تباہ و برباد ہو گیا۔ یہ کہا اور دیکھا میں نے کوئی بھی نہیں میں دہل گیا میں وحشت زدہ ہو گیا اور میں سمجھ گیا کہ مسئلہ میرے لئے نازک ہو جائے گا۔

اس کے بعد میں نے حجاج کو خط بھیجا کہ ان سے کوئی سروکار نہ رکھنا۔ تو اس خط کا ذکر کرتی ہیں تاریخیں کہ اتنا مہربان تھا آل رسولؐ پہ کہ اس نے حجاج کو خط لکھا کہ دیکھو خبردار! پورے مدینے کو تباہ کر دینا' لیکن علیؑ ابن الحسینؑ سے کوئی سروکار نہ رکھنا' پورے مدینے کو تاراج کر دینا لیکن ان سے کوئی سروکار نہ رکھنا بنو ہاشم سے کوئی بغض نہ ہو۔ حالانکہ پہلے گرفتار کیا' مورخ یہ نہیں لکھ رہا بعد میں یہ لکھ رہا ہے کہ خط بھیجا' خط تو اس لئے بھیجا کہ امامؑ نے بتایا امامؑ نے اپنی طاقت کا اظہار کیا۔ اس دور کی مصلحتیں بھی اجازت نہیں دیتیں امامؑ کو۔ مصلحت ایسی ہے کہ امامؑ آزاد رہے اور جو اس کا کام ہے اس کام کو انجام دیتا رہے۔

عزیزان محترم! ۷۵ ہجری میں عبدالملک بن مروان امیر حج بن کر آیا' فتح ہو گیا ہے نا! مکہ' عبداللہ ابن زبیر کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ لہٰذا حج کر رہا ہے۔ امامؑ بھی حج کر رہے ہیں۔ امامؑ کے لئے بھی ۲۶ سے لے کر ۳۵ حج باپیادہ حج کی روایت موجود ہے۔ اس سال بھی حج کے لئے تشریف لائے ہیں امامؑ۔ آگے آگے چل رہے ہیں امامؑ اس کو بہت احساس ہو رہا ہے کہ مستقل میرے آگے آگے چل رہے ہیں۔ چلو بھئی ایک چکر میں وہ آگے دوسرے چکر میں

میں آ گئے۔ سات چکر لگتے ہیں۔ تو بس یہ برداشت نہیں کر سکا اپنے غیض پر قابو نہ پا سکا تو ایک دم کہتا ہے امامؑ سے کہ کیا میں نے آپؑ کے باپ کو قتل کیا ہے؟ جو آپ میرے آگے آگے چلتے ہیں۔ بس امامؑ نے غضبناک ہو کے دیکھا اور فرمایا جس نے میرے باپ کو قتل کیا تھا اس کی دنیا اور آخرت دونوں برباد ہو گئیں اور اگر تو چاہتا ہے تو تو بھی آزما کر دیکھ لے تیری بھی دنیا اور آخرت برباد ہو جائے گی۔

اب اتنے مجمع میں جو ایک دم امامؑ نے للکارا تو ڈر گیا' خوفزدہ ہو گیا کہ نہیں نہیں فرزند رسولؐ میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ میں تو چاہتا تھا آپؑ کے ساتھ احسان کروں' میں تو چاہتا تھا آپؑ کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤں۔ میں تو چاہتا تھا کچھ دیر آپ میرے پاس بیٹھیں اور میں آپ کی ضرورت کو پورا کروں۔ امامؑ نے کہا اچھا تو میری ضرورت کو پورا کرے گا۔ اپنی پیوند لگی عبا کو آپؑ نے زمین پر بچھا دیا۔ اور پھر بیت اللہ کی طرف' خانہ خدا کی طرف دیکھ کے فرماتے ہیں کہ اے رب کعبہ! یہ میری دنیاوی ضرورت کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ بس امامؑ کے منہ سے یہ جملہ یا اسی مفہوم کا کوئی جملہ ادا ہوا۔ کعبے کو مخاطب کر کے کوئی جملہ ادا کیا۔ دیکھا اس نے کہ زر و جواہر کا ڈھیر لگتا چلا جا رہا ہے۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا او ابن مروان! تو مال دنیا کا مجھے لالچ دیتا ہے۔ یہ مال دنیا مجھے دینا چاہتا تھا تو یہ دیکھ یہ ہمارے قدموں کی ٹھوکر پر موجود ہے۔ لیکن ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

مال دنیا کے لئے اقتدار چاہتے ہیں نا! اہل دنیا' یہ بادشاہ یہ ملوک' اس اقتدار کے لئے کتنی قتل و غارت گری کرتے ہیں؟ اس اقتدار کے لئے کتنی جنگیں کرتے ہیں؟ کتنے بے گناہوں کا خون بہایا جاتا ہے؟ جب جا کے یہ چند سال کا اقتدار کسی کسی کو حاصل ہوتا ہے جب کہ امامؑ اپنے اقتدار کی قوت دکھا رہا ہے۔ جبکہ ہمارا ہاتھ نہ کسی بے گناہ پر ظلم کے لئے اٹھا۔ نہ کسی بے گناہ کے خون سے رنگین ہوا۔ لیکن خدا نے جو ہمیں اقتدار دیا ہے اس کی قوت یہ ہے کہ جس مال دنیا کے لئے' منصب دنیا کے لئے تو نے بے گناہوں کا خون بہایا لاکھوں انسانوں کا مال ہڑپ کر گیا، وہ مال دنیا ہمارے قدموں کی ٹھوکر پہ ہے۔ یہ ہمارا اقتدار ہے۔

دوسرا موقع جو آپ سنتے رہتے ہیں، بس میں نے آپ کی زحمتوں کو تمام کیا' دامن کلام سمیٹ رہا ہوں ہشام ابن عبدالملک' عبدالملک کا بیٹا ابھی بادشاہ نہیں بنا ہے ابھی شہزادہ ہی ہے۔ اور یہ بھی حج ہی کا موقع ہے۔ چاہ رہا ہے حجر اسود کو بوسہ دے مگر ہجوم کی وجہ سے نہیں دے پا رہا۔ دیکھا ایک شخص آیا اور مجمع کائی کی طرح پھٹ گیا۔ یہ واقعہ ۸۰ ہجری کا ہے۔ ایک لاغر شخص آیا اس کے ہیبت و جلال سے مجمع کائی کی طرح پھٹ گیا۔ آنے والے نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور واپس پلٹ گیا۔ ہشام پہچان گیا لیکن جیسے تجاہل عارفانہ برت رہا ہو' پوچھا یہ کون ہے؟

فرزدق وہاں کھڑا ہے۔ حالانکہ انہی کے دربار کا آدمی ہے انہی کا کھاتا ہے انہی کی گاتا ہے۔ لیکن یہاں بس فرزدق سے برداشت نہیں ہو سکا۔ دل میں محبت اہل بیتؑ جو تھی نا' میں اس کی تفسیر و توضیح بھی پیش کر دوں گا اس بارے میں بھی لوگ غلط فہمی میں پڑ جاتے ہیں۔ بس اس سے برداشت نہ ہو سکا کہنے لگا۔

''فرزند رسولؐ کو نہیں پہچانتا''

اور تیرے اسے نہ پہچاننے سے فرق بھی نہیں پڑتا۔

یہ وہ ہے جسے حجر اسود پہچانتا ہے۔

یہ وہ ہے جسے حل و حرم پہچانتا ہے۔

یہ وہ ہے جسے خانہ کعبہ پہچانتا ہے۔

یہ وہ ہے جسے مکے کے سنگ ریزے پہچانتے ہیں۔

یہ فرزند کعبہ ہے۔

بابا تو شرابی آدمی ہے' تو بنو امیہ کے دربار سے وابستہ آدمی ہے تیری کیسے نجات ہوگی؟ کہتا ہے وہ جو میں نے مولاؑ کی شان میں قصیدہ لکھا ہے نا! وہ میری نجات کا باعث بن گیا۔ عزیزو! اب یہاں سے لوگ دھوکہ کھاتے ہیں۔ دو تین استثناءات ہیں تاریخ کے' جن کو مثال بنا لیتے ہیں۔ ایک تو حرؓ ایک فرزدق' لیکن یاد رکھنا کہ فرزدق نے قصیدہ کس حالت میں اور کس کے سامنے کہا؟ بات اس موقع کی ہے اس کا کردار اور وہ سب کچھ اپنی جگہ اگر وہ گھر

بیٹھ کر یہ قصیدے لکھتا رہتا نا! تو کوئی خاص اہمیت نہیں تھی۔ لیکن فرزدق نے اپنی گردن تلوار کے نیچے رکھ لی تھی۔ لیکن حق گوئی سے باز نہیں آیا۔ اس وقت جو اس نے کہا وہ کلام اور ہماری ساری زندگی کے یہ بیانات اس کے اس کلام کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

بات موقع کی ہے۔ عزیزو! یہ جو لوگ کہہ دیتے ہیں کہ وہ بھی تو ایسا تھا۔ دیکھئے ایک قصیدہ لکھ دیا نا! بابا بات ایک قصیدے کی نہیں ہے بات اس موقع کی ہے کہ فرزدق نے کب وہ بات کہی ہے؟ کس جگہ پر وہ بات کہی ہے؟ بات حرؑ کی نہیں ہے کہ حرؑ اتنا گناہ گار تھا جنت میں چلا گیا۔ نہیں بات یہ ہے کہ حرؑ کس وقت لشکر سے نکل کر آیا ہے حسینؑ کے پاس؟ بات یہ ہے کہ کس موقع پر اس نے اپنی گردن کٹوائی ہے؟ قربانی کے بغیر نہ اس کو کچھ ملا نہ اس کو کچھ ملا۔ یہ یاد رکھئے گا۔ تو فرزدق کا عمل وہ عمل ہے کہ اس نے اس مقام' اس جگہ پر وہ عمل انجام دیا' جہاں بڑے بڑے کا پتہ پانی ہو جاتا ہے اور جہاں پہ تقیہ واجب ہو جاتا ہے۔ جہاں پہ لوگ جان بچانے کے لئے بھی جھوٹ بھی بول دیتے تو کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ لیکن وہاں اس کے دل میں چھپی ہوئی محبت ظاہر ہوتی ہے کہ یہ توہین ہے فرزند رسولؐ کی؟ خیر وہ بچ گیا اور امامؑ نے بشارت دی کہ تو بے فکر رہ تجھے کچھ نہیں ہوتا۔ تو زندہ رہے گا۔ کیونکہ اس کے دربار کا آدمی تھا خوش کرتا تھا اس کو۔ اس کے لئے نغمے لکھے' اس کے لئے گیت لکھے اس کے لئے کلام لکھے۔ لہٰذا اس کے بغیر رہ بھی نہیں سکتا تھا ہشام' اس کو تھوڑے عرصے کے بعد رہا کر دیا۔ لیکن بات ہے موقع کی کہ فرزدق نے کس موقع پر امامؑ کی نصرت کی ہے۔ امامؑ کی مدد کی ہے۔ اس جگہ اور بھی لوگ ہوں گے بڑے بڑے جو ظاہری طور پر بھی چاہنے والے تھے۔

لیکن فرزدق نے اس جگہ جو دفاع کیا ہے وہ جنگ و جہاد سے کم نہیں تھا تو بات موقع کی ہے' مناسبت کو دیکھا جاتا ہے کہ کس موقع پر یہ عمل انجام دیا' کہتے ہیں نا! بعض اوقات ایک عمل ساری زندگی بد اعمالیوں کو دھو ڈالتا ہے۔ اور کسی وقت ایک بد عملی ساری زندگی کی عبادتوں کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ ہے نا! بس یہ معیار ہے ساری زندگی کی اچھائیاں' ساری زندگی کی نیکیاں' ایک عمل ان پہ پانی پھیر دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح ایک عمل' مگر وہ عمل ایسا ہو جیسا فرزدق نے انجام دیا تھا۔

بس میں نے یہاں پہ اپنے آج کے بیان کو ختم کیا' اب دو دن جو باقی ہیں اس میں بنو امیہ کے حالات کو ہم سمیٹ دیں گے ۸۶ ہجری تک یہ ملعون زندہ رہا تھا۔ ۸۶ ہجری میں یہ واصل جہنم ہوا اب اس کے بیٹوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے اس کا بیٹا ولید بن عبدالملک تخت پر بیٹھا۔ وہ ۹۶ ہجری تک رہا۔ اس کے دور کی جو دو چار خاص باتیں ہیں وہ کل ہم بیان کریں گے۔ ابھی بیان کو یہیں تک رکھتے ہیں۔

تو عزیزو! جہاں بھی ضرورت پڑی امامؑ نے اپنے اقتدار کو ظاہر کیا اور بتایا کہ دیکھو یہ ہمارا اقتدار ہے۔ انہوں نے اتنی قوت صرف کی، اتنی جنگیں کیں، اتنی طاقت صرف کرنے کے بعد کتنے سال کی حکومت؟ ۶۵ ہجری سے ۸۶ ہجری۔ ۲۱ سال بڑا تیر مارا' بہت لمبی' سب سے زیادہ دیر اس کی خلافت قائم رہی۔ اس کے بیٹے نے بھائیوں کو مارا' اس کو ہلاک کیا' اُس کو ہلاک کیا' بے گناہوں کا خون اپنے سر پہ لیا۔ دس سال حکومت کر سکا' امامؑ کا خون اپنی گردن پر لیا۔

ولید بن عبدالملک نے امام سجادؑ کو زہر دیا تھا ۹۵ ہجری میں۔ کتنی؟ دس سال کی خلافت کے لئے دس سال کے منصب کے لئے۔ تاریخ جو سبق دیتی ہے وہ یہ دیتی ہے کہ تجھے بظاہر یہ بہت بڑا منصب نظر آتا ہے کہ اتنے سال سہی منصب ہم سے نکلنا نہیں چاہئے۔ جب وقت گزر جاتا ہے تو تاریخ لکھ دیتی ہے کہ بیس سال خلیفہ رہا' بیس سال منصب پہ رہا' بیس سال بادشاہ رہا' بیس سال صدر رہا' بیس سال وزیر اعظم رہا' بس ختم۔

تو ائمہؑ کی جو سیاست ہے وہ کیا ہے؟ کہتے ہیں ائمہؑ کو سیاست نہیں آتی۔ بنو امیہ اور بنو عباس نے بیعت لی' دس سال کے لئے' پندرہ سال کے لئے' بیس سال کے لئے' مرے بیعت ختم' دوسرے کی بیعت شروع' سیاست الہیہ کیا ہے؟ اماموں نے بیعت لی' قیامت تک کے لئے ان کی بیعت' مومنوں کی گردنوں پر باقی' ان کی حکومت باقی' ان کا حکم باقی' ان کا اقتدار باقی' اب بتایئے مجھے کہ امامت کے اقتدار کی طویل عمر ہے یا ملوکیت کے اقتدار کی؟

ملوکیت کے بارے میں' تاریخ پڑھیئے آپ' آج تک سینکڑوں خلیفہ، بادشاہ ایک

دوسرے کو قتل کرتے آگے بڑھتے رہے۔ زہر دے کے مارا' قتل کیا' کنویں میں پھینکوا دیا' جانوروں کی کھال میں سلوا دیا' آگ لگا دی' اندھا کروا دیا' زبانیں کٹوا دیں' اور تاریخ کا ایک باب ختم ہوا اور بعض خلفاء کا تو سطروں اور لائنوں میں ذکر آتا چلا گیا۔ یہ اس سن میں خلیفہ بنا اور اس سن میں اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ اس کی دکان اتنے دن چلی پھر اس کی بھی خلافت ختم ہوگئی۔ اس کی دکان اتنے دن چلی پھر ختم ہوگئی۔

لیکن جب ائمہؑ کا ذکر آتا ہے کہ ان کی ظاہری امامت کا دور یہ تھا لیکن بارہ کے بارہ ایک ہی لڑی میں پروئے گئے ہیں۔ لہٰذا کبھی دھوکہ مت کھانا۔ پہلے کا حکم بھی آخر کے حکم کی طرح ہے جو آخری حکم دے گا وہ بھی پہلے ہی کا حکم ہوگا۔

ہمیں بتا دیا گیا کہ جو پہلا آرہا ہے وہ بھی محمدؐ بن کے آرہا ہے ہمارا آخری بھی محمدؑ ہوگا۔ لہٰذا سب کا حکم ایک ہوگا۔ اقتدار کس کا طویل ہوا؟ چودہ سو افراد کا یا چودہ کا؟ بارہ سو حکمرانوں کا یا بارہ کا؟ اور آخری بات۔ ابن خلدون نے ایک بات اور لکھی ہے بڑی فکر کے ساتھ حالانکہ الٹا لکھا' مفہوم یہ ہے اس کا کہ بنی ہاشم نے بنی امیہ سے اس لئے نفرت کی کہ وہ تعداد میں زیادہ تھے۔ اور پھر لکھتا ہے ایک کلیہ بھی ہے نا تاریخ کا کہ ''عزت تو کثرت کے لئے ہے'' کیونکہ بنی امیہ تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ ان کی عزت بھی بہت زیادہ تھی اور ہاشمی بہت کم تھے' لہٰذا بنوامیہ کو ہمیشہ عزت اور اقتدار حاصل رہا۔ اگر اس کلیے کو آپ کے مان لیا جائے۔ اب اس پر ٹھہر جائیے گا' اس سے پھریے گا مت' عزت کثرت کے لئے ہے۔

آل ابی سفیان کی اس نے بڑی مدح کی ہے۔ کثرت کی وجہ سے کہ ان کی اولادیں بہت زیادہ تھیں اب اولادیں کیا تھیں کہاں تھیں! وہ بھی لکھا ہے تاریخوں نے مگر وہ احوال یہاں منبر سے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ وہ سب اپنی جگہ' تعداد میں تو تھیں زیادہ' بنی سفیان، آل مروان اس لئے ان کی عزت زیادہ تھی' کثرت کی وجہ سے عزت ہوتی ہے اب اپنے پیش کئے ہوئے اس کلیے و اصول پر ٹھہر جائیے گا۔ اب پھریے گا نہیں اپنی بات سے کہ کثرت کی وجہ سے عزت ہے۔ جس کی نسل کو کثیر کر دیا جس کی نسل میں کثرت ہو جائے' تو بس ٹھیک فیصلہ ہوگیا۔

آج دنیا میں الگ الگ کر لو' ہم پورے بنی ہاشم کی تو بات ہی نہیں کرتے ہم سارے ہاشمیوں کی تو بات ہی نہیں کرتے۔ اعوان اور بہت سے دوسرے یہ سب بھی ہاشمی ہیں' یاد رکھیئے گا کہ یہ جو اعوان آپ کو نظر آتے ہیں۔ ان کا شجرہ ملتا ہے حضرت عباس علمدارؑ سے' کبھی اس پر بھی بات ہوگی تو شجرے بھی ان شاء اللہ بیان کروں گا۔ سب کے کہاں کہاں ہیں۔ علوی جو کہ سید نہیں ہیں وہ شجرہ بھی ہاشمیوں سے جا کر ملتا ہے۔ خود جو اپنے آپ کو ہاشمی لکھتے ہیں۔ بنی ہاشم سے ان سب کو الگ کر کے بات کر رہے ہیں اور اب کثرت دیکھیں کہ کس کو نسل میں زیادہ کثرت دی؟

پروردگار ارشاد فرما رہا ہے سورہ کوثر میں اپنے رسولؐ سے:

رسولؐ ہم نے آپ کو کوثر دے دیا۔ انہوں نے ترجمہ کیا کہ جی نہر دے دی۔ نہر تو پہلے ہی دے دی تھی۔ جنت کی بشارت تو پہلے ہی تھی۔ پھر آخر میں یہ کیوں کہا گیا تھا کہ آپؐ کا دشمن ابتر ہے' آپؐ کا دشمن دم بریدہ ہے۔ آپؐ کا دشمن بے نسل ہے' ہم ان کی نسلوں کو قطع کر دیں گے۔

آج اعداد و شجار کو جانچنے کے جملہ وسیلے استعمال میں لا کر اس ملک میں دیکھ لو' سارے عالم میں بھی دیکھ سکتے ہو۔ زیادہ نہیں تو اسی ملک میں' چلو اور محدود کرتے جاتے ہیں۔ اسی شہر میں اولاد زہراؑ کی تعداد نکال لو اور آل ابی سفیان اور آل مروان کا شجرہ نکال لو۔ بنی امیہ کا شجرہ نکال لو۔

تو عزیزو! یہ اعزاز کسے ملا؟ ''عزت کثرت کے لئے ہے'' یہ کلیہ تم نے دیا نا! کہ کثرت میں عزت ہے۔ کیونکہ ان کے عیال زیادہ تھے۔ ان کی تعداد زیادہ تھی۔ تو آج آ کے شمار کر لو دنیا میں تناسب کہ سادات کو جو یہ فخر دیا کہ لوگ جعلی بھی بننے آتے ہیں تو ادھر ہی آتے ہیں۔ کوئی جعلی بن کے اُدھر نہیں جاتا۔ جانتا ہے کہ اُدھر جانا ذلت کا باعث ہے اور اِدھر آنا فخر کا باعث ہے۔

تو اب اس کلیے پر ہنسنا مت' اب خود شمار کرنا شروع کر دو' سروے کرنا شروع کر دو کہ کثرت کسے دی پروردگار نے؟ کس کو کثیر نسل عطا فرمائی؟ کس کو دم بریدہ کر دیا؟ کن کی

نسلوں کو قطع کر دیا؟

ان کے باقیات موجود ہیں وہ اپنی جگہ، مگر شجرے ان کے پاس بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ امامؑ کا فرمان ہے کہ یہ شجرِ خبیثہ ہے اس کی شاخوں کو بھی کاٹ ڈالا جائے گا۔ لیکن شجرۂ طیبہ کا معاملہ، آلِ زہراؑ کی بات، قرآنی پیغام سے عبارت ہے۔ یعنی اس کی جڑیں بھی مضبوط ہیں اور آسمان میں اس کی شاخیں بھی پھیلی ہوئی ہیں۔

عزیزانِ محترم! کہیں کہیں جو یہ رنگ آجاتا ہے تو یہ تاریخ کا حصہ ہے۔ جب آپ پڑھیں گے تو آپ کا دل جلے گا۔ اب ان کا جواب ہم دیں گے' یہ کلیہ آپ ہی نے تو لکھا ہے اب اس پر قائم رہیے' اس سے مٹ جائیے۔

عزیزو! قرآن کہتا ہے نا! ہم نے رسولوں میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ کیوں دی ہے؟ سارے رسول ایک جیسے ہوتے۔ جو اس فلسفے کو نہیں سمجھے انہوں نے سب کو ایک جیسا کر بھی دیا۔ سارے ایک جیسے ہیں۔ لیکن یہاں ایک فلسفہ ہے۔ بات قربانی کی ہے جو جتنی قربانی دیتا چلا گیا۔ اس کا مرتبہ اتنا بڑھتا چلا گیا۔ جو جتنا قربانی میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ کوئی ناموس تک آ کے رک گیا' پروردگار اس سے آگے میرے بس کی بات نہیں ہے۔ کوئی اولاد پہ آ کے رک گیا پروردگار اس سے آگے بات میرے بس کی نہیں ہے۔ حضرت ایوبؑ کی زوجہ بازار گئیں' حضرت ایوبؑ نے کہا پروردگار! اب میری مصیبت کو ختم کر دے۔ اور پروردگار نے بھی کہا کہ ایوبؑ بس ختم کر دی آپؑ کی مصیبت اور آپؑ صابر بندے ہیں میرے۔ یہ ایوبؑ کے صبر کی انتہا تھی۔ نوحؑ کی بھی ایک انتہا تھی' ابراہیمؑ کی بھی ایک انتہا تھی تھی نا۔ انتہاء' اس سے آگے کوئی نہیں بڑھ سکا۔

یہاں رسولؐ نے آگے بڑھ کر کہا۔ حبیب خداؐ نے آگے بڑھ کر کہا' خدا کے محبوبؐ نے آگے بڑھ کر کہا پروردگار میرے جگر کے ٹکڑے ان تمام منزلوں کو طے کریں گے اور پھر اپنے جگر کے ٹکڑوں کو بھی خطاب کر کے کہا ہوگا کہ صبر میں آگے بڑھو حسنؑ و حسینؑ! اور ان شہزادوں نے بھی آگے بڑھ کر کہا ہوگا۔ پروردگار! یہ سب ہمیں قبول ہے یہ سب مشکلات و امتحانات اور آزمائشیں جن میں تیری رضا شامل ہے۔ یہ سب ہمیں دے دے۔

توجس نے یہ سب قبول کیا۔ ان کے اقتدار کو بھی پروردگار نے قیامت تک طول دے دیا۔ دنیا میں ہی نہیں تم آخرت میں بھی سردار ہو۔ تم محشر کے بھی سردار ہو۔ تم جنت کے بھی سردار ہو' تم جنت اور دوزخ کے تقسیم کرنے والے بھی ہو' تمہارے اقتدار کو ہم اتنا طویل کر دیں گے۔ تمہاری سلطنت کو ہم اتنی وسعت دے دیں گے۔ کیوں؟ بے سبب نہیں' کوئی اور اتنی قربانیاں دینے پر جو راضی نہیں ہوا۔

میرے حبیبؐ! آپ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تیار کیا ان قربانیوں کے لئے پس ان کے لئے دنیا میں بھی اقتدار ہے اور آخرت میں بھی ان کا اقتدار قائم رہے گا۔ آخرت میں بھی ان کی حکمرانی ہوگی۔ تو عزیزو! بات قربانی کی ہے۔ ہماری کیا مجال ہے کہ ہم ان کا ذکر جاری رکھیں وہ سوال جو مجھ سے کیا ہے کہ چودہ سو سال گزر جانے کے بعد اس واقعے کا ذکر کیوں کئے جاتے ہو؟ ذکر تو ہوتا رہے گا۔ ذکر تو ہوتا رہے گا' فرعون کا ذکر قرآن میں صبح شام آپ کیوں پڑھتے ہیں؟

موسیٰؑ کا ذکر کیوں پڑھتے ہیں؟

قرآن یہی تو بتا رہا ہے کہ ''قرآن میں تاریخ رکھ دی''

انبیاءؑ کو پیش کر دیا

صبح شام پڑھتے رہو

چھوڑیئے' پڑھ لیا' ہو گیا'

موسیٰؑ اور فرعون کا واقعہ' کیوں تکرار کر رہے ہیں؟

ابراہیمؑ اور نمرود کا واقعہ کیوں تکرار کر رہے ہیں؟

تو جب قرآن کہہ رہا ہے تم ان واقعات سے عبرت حاصل کرو اور یہ بھی کہ اگر تکرار کرنے کی چیز نہیں ہے تو قرآن میں کیوں تکرار کی گئی۔

اگر تکرار کرنے کی چیز نہیں ہے تو اسلامیات کی کتاب میں سے واقعات کے باب کو ہٹا دیجئے۔

آپ تو ہر چیز کی تکرار کرتے چلے جائیں۔

ملوکیت کی تکرار ہوتی چلی جائے۔
ملوکیت کے فضائل بیان ہوتے چلے جائیں۔
ملوکیت کا قصہ سارے عالم میں پھیلایا جاتا رہے
اور امامت کا ذکر نہ ہو؟
امامت کی قربانی کا ذکر نہ ہو؟
اسلام کے حقیقی محافظوں کی قربانیوں کا ذکر نہ ہو؟
عجب سوال ہے یہ بھی کوئی سوال ہے کرنے کا تو سب کو ختم کر دیں۔
تاریخ سے مٹا دیں سب چیزوں کو تو بھئی ہو گیا ایک بار بار بار تکرار کیوں کر رہے ہو؟
ایسی چیز نہیں ہے یہی تو تاریخ ہے۔
یہ تاریخ ہے جو آئینہ بن کر انسانوں کے سامنے آجاتی ہے۔

تو بس جس نے قربانی دینے کے لئے اپنے آپ کو آگے کیا اس کو یہ منصب بھی ملا۔ ہماری یہ مجال نہیں ہے کہ ہم اس ذکر کو زندہ کریں۔ اس ذکر میں اتنی قوت ہے اس ذکر میں اتنی جان ہے کہ یہ دنیا کی آندھیوں کے مقابل خود کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ آزماتے رہے ہیں سرکار! آپ نے دیکھا ہے۔

آج ایک نئی سازش کی جارہی ہے۔ ہماری انتظامیہ بڑی ہوشیار ہے نا!؟ بیورو کریٹ ہیں ان میں، بڑے بڑے دماغ ہیں ان میں۔ اب انہوں نے سوچا کہ ہم خود کیوں الجھیں ان سے، ان کو آپس میں لڑایا جائے۔ پہلے تو جلوسوں کا مسئلہ تھا نا!؟ اب انہوں نے محلوں کی گھریلو مجلسوں پر حملے کرنے شروع کئے ہیں کہ چار پڑوسیوں سے ایک درخواست دلوا دی۔ ایس ڈی ایم، یا ڈی سی کے یہاں درخواست دلوا دی اور وہ ایس ڈی ایم یا ڈی سی آپ سے کہے گا کہ دیکھئے صاحب درخواست آگئی پڑوسیوں کی کہ یہاں مجلس نہیں ہوسکتی۔ ہماری گاڑیاں کہاں سے آئیں گی؟ ہمارا راستہ رکے گا۔ ہم ان ساری سازشوں کو سمجھتے ہیں تمہاری تم کیا سمجھتے ہو، یہ چودہ سو سال سے ذکر حسینؑ سننے والے مسلمان کیا حسینؑ کے ذکر سے بیزار ہوں گے؟

یہ تمہاری سازشیں ہیں۔ ہم خوب جانتے ہیں، اب تم نئے طریقے سے ہماری عزاداری کی راہ میں رکاوٹیں ڈال رہے ہو، تم اطمینان رکھو، خاطر جمع رکھو، تیرہ سو ساٹھ سال ہو گئے واقعہ کربلا کو، تم بھی اپنی حسرتیں نکال لو۔ ہمارے موجودہ حالات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو اور دیکھو تمہارا ابھی کیا حشر ہوتا ہے؟

یہ کربلا کی دیوار ہے، یہ ایسی دیوار نہیں ہے کہ جس پر تم حملہ کرو اور یہ دیوار گر جائے۔ تیرہ سو ساٹھ سال کی تاریخ ہے اس دیوار کی، جن حکمرانوں نے، جن طاقتوں نے اس دیوار سے ٹکرانے کی کوشش کی ہے ان کے اپنے سر پاش پاش ہو گئے اور یہ دیوار اسی طرح مضبوطی واستقامت سے، اسی طرح محکم ہے، برقرار ہے، اسی طرح استوار ہے۔

ہم مانتے ہیں کہ ہم مٹ سکتے ہیں، تم ہمیں دبا سکتے ہو، تم ہمیں مار سکتے ہو، تم ہمیں زندانوں میں ڈال سکتے ہو، تم عزاداری کو روک سکتے ہو، مگر تمہاری بھول ہے۔ یاد رکھنا ہمارے زندانوں میں جانے سے، ہمارے مٹ جانے سے، ہمارے مرجانے سے ذکر حسینؑ نہیں مٹ سکتا، یہ تو خود حسینؑ اس کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ خود مادر حسینؑ زندہ رکھے ہوئے ہے۔ خود فرزند حسینؑ زندہ رکھے ہوئے ہے۔ اور سب سے بڑھ کر مشیت الٰہی عزاداری کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔

معمولی چیز نہیں یہ کربلا، اس سے ٹکرانے کی کوشش نہ کرو، یہ اموی سیاست ہمارے ساتھ مت کھیلو۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمیں عزاداری کیسے کرنی ہے؟ اپنی یہ بدبختیاں، اپنی یہ سازشیں، اپنے محلوں اور اپنی سیاسی پارٹیوں تک رکھو۔ ہم مرجائیں گے، ایک جائے گا دوسرا ہماری جگہ سنبھال لے گا۔ مگر ذکر حسینؑ ختم ہونے والا نہیں ہے۔

یاد رکھو! ان سازشوں سے ہماری عزاداری پر کوئی اثر نہیں پڑنے والا۔ یہ نیا کھیل جو تم نے شروع کیا ہے کہ اجازت نہیں ہے، پرمٹ نہیں ہے۔ ہم کوئی پرمٹ نہیں مانگتے۔ ہم کوئی پرمٹ نہیں جانتے۔ ہمارے جو جلوس اٹھ رہے ہیں وہ اسی طرح اٹھتے رہیں گے۔ ہمیں دھمکی دی جاتی ہے اور کچھ نہیں ہوگا، پندرہ بیس آدمی مرجائیں گے۔ خدا کی قسم! پندرہ بیس ہزار آدمی بھی مرجائیں اور مرتے رہیں، تم عزاداری کو روک لو گے؟ تمہاری بھول ہے۔ ہمیں

مجبور نہ کرو ایسے اقدام پہ' ہم ہر جگہ سے تمہیں پیغام دے رہے ہیں۔ چند لوگوں کو اگر تم نے خرید کر اپنی جیب میں ڈال لیا ہے تو یہ مت سمجھنا کہ پوری قوم بکاؤ مال ہے۔

ابھی میثم ؒ و ابوذرؓ کی راہ پر چلنے والے موجود ہیں اور جب تک ان کی زبانیں سلامت ہیں' خدا کی قسم! وہ اسی طرح عزاداری کا حق ادا کرتے رہیں گے۔ عزادارانِ حسینؑ دنیا کے جس کونے میں بھی ہوں گے، وہ تمہاری ان سازشوں کو بے نقاب کرتے رہیں گے۔

کوئی مسلمان حسینؑ کا دشمن نہیں ہے' کوئی مسلمان ذکرِ حسینؑ کا دشمن نہیں ہے۔ یہ تمہاری اپنی چالیں ہیں۔ تم اپنا حق نمک ادا کر رہے ہو اس لیے کہ جن سامراجی آقاؤں نے تمہیں تخت پر بیٹھایا ہے، تمہیں حکومتیں دی ہیں، تم ان کا حق نمک ادا کر رہے ہو کہ تشیع کو نقصان پہنچاؤ' ان میں تفرقہ ڈالو۔ اب یہ تم نے نئی چال چلنا شروع کی ہے؟ کہ محلے سے چار درخواستیں جائیں سالانہ مجلسوں کے لئے اور تم امن و امان کی دہائی دینے لگو' تم یہ مت سمجھنا کہ ہم تمہاری چالوں کو سمجھتے نہیں ہیں۔

خدا نے مومن کو دو آنکھیں چہرے پر اور دو آنکھیں دل میں دی ہیں۔ وہ ان سے تمہاری سازشوں کو' تمہاری مکاریوں کو پکڑتے ہیں' مت سمجھنا کہ دو تین افراد کے خون سے تم ہمیں ڈرا سکتے ہو۔ نہیں' یہ سلسلہ تو مسلسل چل رہا ہے کربلا سے' علی اصغرؑ کا خون ہے اس میں' علی اکبرؑ کا خون ہے اس میں' اس میں عونؑ و محمدؑ کا خون ہے۔ اس میں قاسمؑ کا خون ہے' اس میں فرزند زہراؑ کا خون ہے۔ اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو آج بھی اس مٹی کے اثرات دیکھ لو۔ جو ام سلمیٰؓ کو دی تھی اللہ کے رسولؐ نے۔ اگر تم ہم سب کو ختم بھی کر دو گے تو عاشور کے دن وہ مٹی گواہی دے گی کہ میری گود میں فرزند رسول کو ختم کیا گیا تھا۔ کیسے روکو گے؟ کربلا کی زمین ہر سال ذکرِ حسینؑ کرتی ہے۔ کربلا کی خاک سرخ ہو کر بتاتی ہے کہ مجھ پر جگر گوشہ رسول کو قتل کیا گیا تھا۔

باز آ جاؤ اپنی ان سازشوں سے' باز آ جاؤ اپنی ان حرکتوں سے، ہماری عزاداری کی راہ میں رکاوٹیں مت ڈالو۔ مت ہمیں اس اقدام پر مجبور کرو' ہم بہت کمزور سہی' ناتواں سہی' لیکن خدا کی قسم! جس کا ذکر کر رہے ہیں وہ بہت طاقت ور ہے۔

ہم جس کو پرسا دے رہے ہیں وہ بہت طاقت ور ہے۔ اس کے پاس بہت قدرت ہے۔

ہمیں اس اقدام پر مت مجبور کرو کہ ہماری مائیں' ہماری بہنیں' ہمارے بچے' ہمارے بوڑھے سب کے سب ایک کردار میں ڈھل جائیں اور وہ کردار ہوگا حبیب ابن مظاہرؓ کا' وہ کردار ہوگا مسلم ابن عوسجہؓ کا۔ مت ہمیں ایسے اقدامات پر مجبور کرو' جان لو کہ ہم جان دینا جانتے ہیں' ہمیں معلوم ہے کہ کیسے مرا جاتا ہے حسینؑ کے نام پر' تم نے چند زرخرید غلاموں کو اپنی جیبوں میں ڈال کر اگر یہ سمجھ لیا کہ ہم نے پوری قوم کے مورال اور جذبے کو ختم کر دیا ہے تو یہ تمہاری بھول ہے۔ ہم اس عزاداری کو پھر خون دیں گے اور ہمارا خون گواہی دے گا کہ ماتم حسینؑ کو کوئی نہیں روک سکتا۔ ذکر حسینؑ کو کوئی نہیں روک سکتا۔

اس میں قربانی ہے حسینؑ کے بچوں کی اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جس جلوس کو زینبؑ وام کلثومؑ نے اٹھا لیا کسی کی مجال ہے کہ قیامت تک اس جلوس کو کوئی روک سکے؟ ان مجلسوں کو روک سکے؟

اپنے ذکر کی امانت کو حسینؑ نے سپرد ہی ایسی ہستی کے کیا تھا جو اس ذکر کی حفاظت کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اپنی بہن زینبؑ کے سپرد اپنے ذکر کی امانت یہ کہہ کر کی کہ زینبؑ تیرے سوا کوئی نہیں جو اس پیغام کو دنیا تک میری آواز میں پہنچا سکے۔ عزادارو! اس لئے انتخاب کیا تھا زینبؑ کا' حسینؑ نے کہ زینبؑ کوفے وشام کے بازاروں اور درباروں میں اپنے بابا علیؑ کے لہجے میں خطاب کرے اور کہے کہ اے کوفیوں اور شامیوں سنو! مت سمجھنا کہ تم نے حسینؑ کو قتل کر دیا۔ اب علیؑ ہے زینبؑ، حسینؑ ہے زینبؑ، عباسؑ ہے زینبؑ۔

عزادارو! میرے اس پیغام کو یاد رکھنا' مت گھبرانا' سازشوں سے' مت خوف کھانا۔ مت ڈرنا' ہماری جانیں قربان ہوں' مولاؑ پر ہمارے بچے قربان ہوں' علموں کی حفاظت کے لئے۔ خدا کی قسم! میں کوئی جذباتی جملے آپ کے جذبات کو مشتعل کرنے یا بھڑکانے کے لئے ادا نہیں کر رہا۔ بلکہ خدا کو گواہ کر کے کہہ رہا ہوں کہ میرے لئے اس سے بڑی کوئی سعادت

نہیں ہے۔ کہ اس راہ میں مجھے شہادت نصیب ہو جائے۔ میں صدق دل سے آرزو کرتا ہوں کہ اے پروردگار! مجھے پلنگ پر موت مت دینا' میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا نہیں چاہتا' میں مروں تو حسینؑ کے نام پر مروں۔ میں مروں تو حسینؑ کا ذکر کرتے ہوئے مروں۔ میں کسی اور کے لئے نہیں، خدا کی قسم اپنے لئے یہ دعا کرتا ہوں۔ خدایا! حسینؑ کے راستے میں شہادت دے تاکہ میں حسینؑ کی بارگاہ میں سرخرو ہو جاؤں۔

عزادارو! آگاہ رہو کہ ہمارا رہبرؑ ہے، ہمارا امامؑ ہے جو ہماری فریاد کو بھی سن رہا ہے۔ زمانے کا امامؑ ہے جو دیکھ رہا ہے کہ ظلم کی آندھیاں کس طرح ہم پر ٹوٹ رہی ہیں؟ یہاں ہی نہیں، پوری دنیا میں ہم پر ظلم ہو رہا ہے۔

ہم مظلوم کر دیئے گئے ہیں۔
مولاؑ ہمیں ہمت دے
ہمیں طاقت دے
ہمیں ہر نوع کی بزدلی سے نجات دے
مولا ہم بس تجھے خدا کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ بناتے ہیں،
تو ہمیں ظلم کی آندھیوں کے سامنے
منافقت کی آندھیوں کے مقابل سرخرو رکھنا، ثابت قدم رکھنا
ہم تری بارگاہ میں سرخ روئی کے ساتھ حاضر ہونا چاہتے ہیں
ہم دنیا سے تیرے سپاہی کی حیثیت سے جانا چاہتے ہیں
ہم نے کربلا سے وعدہ کر رکھا ہے

''اے کربلا! کاش ہم کربلا میں ہوتے اور اپنی جانیں اپنے آقا حسینؑ کی آواز پر قربان کرتے اور (سعادتوں کے) عظیم درجات کو حاصل کرتے''

یہ عظیم درجہ دور نہیں ہے۔ عزادارو! صبح و شام کربلا ہمیں آواز دے رہی ہے، ہمیں بلا رہی ہے۔ عزادارو! آپ سے فقط یہ چاہتا ہوں کہ آپ بھی تمام مشکلات کے باوجود اسی جذبے کو زندہ رکھیں۔ اسی جذبے کو اپنے بچوں میں منتقل کرتے جایئے۔ مت خوف کھایئے،

مت گھبرایئے۔ آپ کا سب سے بڑا رہبرؑ آپ پر نگاہ رکھے ہوئے ہے، آپ کو دیکھ رہا ہے۔ شاید امتحان لے رہا ہے......

ہمارے حوصلے کا

ہماری ہمت کا

اور اس بات کا بھی کہ ہم دین کی راہ میں

کتنی مصیبتیں برداشت کر سکتے ہیں؟

عزادارو! کوفہ و شام کے بازاروں میں حسینؑ کی بچیوں نے مقابلہ کیا' کنیزوں نے مقابلہ کیا۔ وہاں سب معصوم تو نہ تھے۔ صرف زینبؑ وام کلثومؑ ہی تو نہ تھیں مگر کیسی بیبیاں تھی جنہوں نے ثابت قدمی سے کوفہ و شام کو فتح کیا تھا۔ ظلم و ستم سے مقابلے کے لیے آج بھی ان بیبیوں جیسے حوصلے کی ضرورت ہے' آج بھی اسی ایمان کی ضرورت ہے۔

الالعنت اللہ علی قوم الظالمین۔

مجلس ہشتم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشۡرَفِ الۡاَنۡبِیَآءِ وَالۡمُرۡسَلِیۡن سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا اَبِی الۡقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّآلِہِ الطَّیِّبِیۡنَ الطَّاہِرِیۡنَ الۡمَعۡصُوۡمِیۡنَ وَلَعۡنَتُ اللّٰہِ عَلٰی اَعۡدَائِھِمۡ اَجۡمَعِیۡنَ مِنَ الۡاٰنِ اِلٰی قِیَامِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ اَمَّا بَعۡدُ فَقَدۡ قَالَ اللّٰہُ تَعٰلٰی فِیۡ کِتَابِہِ الۡمُبِیۡنِ وَھُوَ اَصۡدَقُ الۡقَائِلِیۡنَ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ• وَجَعَلۡنٰھُمۡ اَئِمَّۃً یَّھۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا وَاَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡھِمۡ فِعۡلَ الۡخَیۡرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَاِیۡتَآءِ الزَّکٰوۃِ وَکَانُوۡا لَنَا عَابِدِیۡنَ ٥

(سورۂ انبیاء آیت ۷۳)

پہلے یہ مختصر مختصر چند سوالات جو مجھے دیئے گئے ہیں کہ ایک عالم اہل سنت فرما رہے تھے کہ جناب حضرت عثمانؓ تو چالیس دن کی بھوک پیاس میں شہید ہوئے اور کربلا والے تین دن کی بھوک پیاس میں تو کس کا رتبہ بلند ہوا؟ بس یہی مشکل ہے کہ نہ انہوں نے تاریخ پڑھی ہے نہ ہم نے پڑھی ہے۔ چالیس دن محاصرے میں رہے تھے' بھوکے پیاسے نہیں رہے تھے۔ ہر تاریخ میں یہی لکھا ہے' تو کم از کم آپ ہی کتاب پڑھ کر ان کو بتا دیتے کہ آپ بھی ہماری طرح ہیں۔ وہ ہمارے صادق ماموں' کلبِ صادق صاحب ہیں' انہوں نے ایک بار بڑا عمدہ جملہ کہا تھا کہ بھئی ہم میں اور ان میں زیادہ فرق ہے نہیں' خوامخواہ جھگڑتے ہیں۔ حضرت علیؑ

کو ہم بھی مانتے ہیں حضرت علیؑ کو وہ بھی مانتے ہیں' حضرت علیؑ کی ہم بھی نہیں جانتے حضرت علیؑ کی وہ بھی نہیں جانتے۔

تو بات یہ ہے بھیا! سوال کرنے سے پہلے ذرا سا یہ بھی دیکھ لیا ہوتا تو ان کو بھی جا کر بتا دیتے کہ آپ بھی ہماری طرح ہیں' نہ ہم پڑھتے ہیں نہ آپ پڑھتے ہیں۔ آپ بھی ان کی طرح عالم ہیں۔ آپ کو بھی پتہ نہیں کہ تاریخوں میں چالیس دن کا محاصرہ لکھا ہے۔ ہر تاریخ نے آپ کی ہو یا کسی کی بھی۔ یہ تو ایک بات ہوئی۔ یہ تو ایک سوال کا جواب ہوا۔

یہ دوسرا سوال بالکل بچکانہ سوال ہے کسی اور سے کر لیجیے گا۔ اس لئے کہ نہ اس کی کوئی شرعی حیثیت ہے نہ کوئی تاریخی دلیل۔ حضرت سلیمانؑ کا قصہ جو آدھا رہ گیا تھا اسے مکمل کر دیجیے۔ میں قصہ پڑھنے نہیں آیا۔ اگر کسی بات کا حوالہ آ گیا میرے موضوع کے حساب سے تو ریفرنس دے دیتا ہوں۔ قصہ پڑھوں گا تو موضوع سے ہٹ جاؤں گا۔

عبدالعزیز کے لئے بیان کریں کہ کس طرح حضرت علیؑ کے لئے اس نے بات کہی تھی' غلط ہے' بہت سارے سوالات آپ ایسے کر لیتے ہیں جن کا جواب اثنائے گفتگو خود بخود آ جاتا ہے۔ اب سلسلہ آج آئے گا ان کی خلافت کا تو بات ہوگی۔ بنو امیہ کی خلافت پر ہی تو گفتگو جاری ہے۔

ایک سوال یہ کیا گیا ہے کہ حضرت علیؑ نے جنگ جمل اور جنگ نہروان لڑی اور ان دونوں لڑائیوں کے مثبت نتائج بھی ملے' جنگ صفین کیوں لڑی جب کہ اس میں آگے جا کر بغاوت ہوگئی۔ تو کیا امامؑ کو اس جنگ کے نتائج کا پہلے سے علم نہیں تھا؟ کیا سوال ہے یہ کہ امامؑ کو پہلے سے نتائج کا علم نہیں تھا؟ حضرت امام حسینؑ کو کربلا کے واقعے کا نہیں معلوم تھا؟ کیوں چلے گئے کربلا؟ قضاء وقدر کی بات ہے وہ الگ ایک بحث ہے قضاء وقدر کی مگر یہاں تو ظاہری صورت حال امامؑ کو دیکھنا ہے۔ امامؑ کہتے ہیں مجھے پتہ ہے کہ کوفے والے کہاں بیعت کرنے والے ہیں' دغا دے دیں گے۔ میرے بھائی (مسلم) کو بھی شہید کر دیں گے' میں جا ہی نہیں رہا۔ تو علم میں خدا نے یہ بات دی ہے کہ واقعہ ہوگا' یہ تھوڑی کہ امام حسینؑ واپس چلے جائیں گے۔

ظاہری صورت حال پر حجت تمام ہوئی ہے۔ لہٰذا اس کو پورا کرنا ہے' اب جانا ہے۔ ظاہر ہے جنگ ہوگی تو پتہ چلے گا کہ کیا کیا دغا بازیاں کی گئیں۔ جب جنگ ہوگی ہی نہیں تو نتیجہ کیسے نکلے گا۔ تو ایک نتیجہ تو نکلا کہ کس کس طرح مکاریاں کی گئیں۔ قیامت تک کے لئے ایک نتیجہ تو بہرحال محفوظ رہے گا۔ حکومتی اقتدار کا نتیجہ نہ نکل سکا تو یہ نتیجہ تو نکلا لہٰذا یہ کہنا کہ امامؑ کو پتہ نہیں تھا۔ تو اماموںؑ کو تو قیامت تک کے حالات پتہ تھے۔ امیرالمومنینؑ کو بھی تو یہ پتہ تھا کہ ابن ملجم تلوار لے کر سو رہا ہے پھر امامؑ کیوں چلے گئے (معاذاللہ) اپنے آپ کو ہلاکت میں کیوں ڈالا؟ اس کو پہلے ہی قتل کر دیا ہوتا تو امامؑ کے علم کی بات اور ہے۔ علم یہی تو دیا گیا ہے کہ ایسا ہوگا یہ تھوڑی دیا گیا ہے کہ یہ نہیں ہوگا۔ یہی تو علم دیا گیا ہے کہ یہ ہوگا۔

یہ قضاء وقدر کے مسائل ہیں۔ یہ الگ بحث ہے' اگر آپ لوگ کہیں تو میں عقائد کی مجلس پڑھوں' اگلا عشرہ عقائد کے حوالے سے پڑھوں' تو آپ ہی لوگ کہیں گے کہ یہ مسئلہ تو کہیں اور ہی نکلتا جا رہا ہے۔ اب آپ کے سوالات سے اندازہ ہو رہا ہے کہ کس کس چیز کا تعلق دین سے ہے۔ قضاء وقدر کی پوری ایک الگ بحث ہے' علم امامؑ کی ایک الگ بحث ہے' مجلس میں یہ باتیں پڑھو تو کہتے ہیں کہ یہ کیا لے کے بیٹھ گئے۔ فضائل و مصائب کی جگہ کیا کیا چیزیں سنانی شروع کر دیں؟ پورا سال پڑا ہے یہ باتیں بتانے کے لئے۔ تو سرکار پورے سال میں ایسا مجمع ملے گا کہیں؟ مسجدوں میں درس ہوتے ہیں اس میں کتنے آدمی ہوتے ہیں؟ یہ مسئلے کون بتائے' کہاں بتائے اور کیسے بتائے؟ اگر واقعی تحقیقی مزاج بن جاتے تو پھر دیکھئے کہ قضاء وقدر پر بھی بحث ہو' جبر واختیار پر بھی بحث ہو' مسئلہ رجعت پر بھی بحث ہو اور جب یہ بحث ہو تو پتہ چلے کہ ہمارے عقائد کیا ہیں؟

جان لیجئے کہ دنبوں کو ذبح کر کے ان کا خون منہ پر مل لینا دین نہیں ہے' عقیدہ نہیں ہے' یہ باطل ہے' یہ کفر ہے' یہ شرک ہے۔ پھر تکرار کر رہا ہوں کیونکہ ایک صاحب نے کہا کہ یہ نذر اور صدقے کے ہوتے ہیں۔ تو جو باطل کام کرتے ہوئے نہ ڈرے تو میں حق بات کہتے ہوئے کیوں ڈروں، جھجکوں؟ پھر مجھے پیغام ملا ہے۔ لہٰذا میرا جواب پھر سن لیجئے۔ یہی

جواب ہے میرا، جتنی بار پوچھا جائے گا کہ یہ شرک ہے کفر ہے باطل ہے۔ کچھ اور سننا چاہتے ہیں اور سنا دوں۔ مجھ میں حق بات کہنے کی ہمت ہے، میں ڈرتا نہیں ہوں۔

دنبوں بکروں کو کاٹ کر ان کا خون جسموں پر ملنا، اس کو تبرک کر کے لے آنا کہ اس سے شفاء ہوگی، اس سے یہ ہوگا، اس سے وہ ہوگا۔ نہ میرا منہ کھلوائیں، نہ میری زبان کھلوائیں پھر خوامخواہ مسائل کھڑے ہوجائیں گے۔ پہلے ہی انتشار کم ہے جو نئے مسائل کھڑے کیے جائیں؟

آپ لوگوں کا فرض ہے۔ جیسے میرا فرض ہے ویسے ہی ان لوگوں کا بھی فرض ہے جو وہاں کھڑے ہوکر دیکھتے ہیں۔ منع کریں ان کو کہ نہ کریں، سمجھائیں ان کو، پیار سے سمجھائیں۔ جو وہاں کھڑے ہوتے ہیں وہ پیار سے سمجھائیں۔ جو وہاں کھڑے ہوتے ہیں وہ اپنا فرض ادا کریں۔ میں اپنا فرض ادا کروں، آپ اپنا فرض ادا کریں اسی لئے میں ان باتوں کی تکرار کررہا ہوں کہ کل جب تاریخ لکھی جائے گی تو مورخ یہ نہ لکھے کہ علماء نے انہیں کب منع کیا، وہ بھی تو دیکھتے رہے۔ ان کے سامنے سب کچھ ہوتا رہا۔ مردے غلط دفن ہوتے رہے، ماضی کی ان باتوں پر علماء کو آج تک باتیں سننا پڑتی ہیں۔ حالانکہ وہ بیچارے دفنانے بھی نہیں جاتے تھے۔ وہ تو نماز پڑھ کے گھر چلے جاتے تھے۔ صاحب ہمارے بڑے تو ایسے ہی دفناتے تھے، آپ نئے طریقے سے دفنانے آگئے۔ تو میں نے ان سے یہ سوال کیا کہ تمہارے بڑے کتنی بار گئے تھے قبرستان، جو ان کو سننی پڑ رہی ہیں باتیں۔ غلط خود کرتے ہیں اور سننا بزرگوں کو پڑتی ہیں کہ انہوں نے تو کبھی روکا ٹوکا نہیں۔

مگر آج حالات بدل چکے ہیں، کم از کم آڈیو، وڈیو میں بات تو رہ جائے گی کہ نہیں غلط بات دیکھی تو ٹوکنے والے بھی تھے، روکنے والے بھی تھے۔ کرو نہ کرو تمہاری مرضی۔ مانو نہ مانو تمہاری مرضی۔ ہمیں یہ نہیں کہا گیا کہ بندوق لے کر سر پر کھڑے ہوجاؤ۔ مگر جو پیغام ہے، جو شریعت اسلامی کا حکم ہے، جو حق بات ہے، جو مسئلہ ہے، وہ بتادو۔ مانیں نہیں مانیں، یہ ان کا اپنا فعل ہے۔ ہم نے اپنا فرض ادا کردیا۔ ہم نے اپنے فریضے کو جس اچھے طریقے سے ادا کرسکتے تھے ادا کردیا۔ جس احسن طریقے سے پہنچا سکتے تھے، پہنچا دیا۔

عزیزانِ محترم! کل جو واقعات بیان کرنا رہ گئے تھے انہیں ان شاء اللہ آج آگے بڑھاؤں گا اور آج ان کی نوے اکانوے سال کی حکومت کا بستراپلیٹ دوں گا۔ ۱۳۰ ہجری میں بنوامیہ کی حکومت خاتمے کی منزل میں آئی۔ ۱۳۱ ہجری میں تھوڑا سانس لیتے رہے۔ ۱۳۲ ہجری میں پوری طرح ختم ہوگئی۔ ۱۳۳ ہجری میں ان کا آخری خلیفہ بھی وہاں پہنچ گیا جہاں پہلے والے جاچکے تھے۔ مگر مجھے اس ساری کہانی کو ایک تسلسل کے ساتھ لے کر چلنا ہے۔ کیونکہ ہمارے یہاں بس یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ بنوامیہ کی حکومت نوے سال قائم رہی۔

وہ نوے سال کا اقتدار کیسی کیسی کہانیاں اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ اس دوران کیسے کیسے واقعات پیش آتے رہے وہ سب اس لئے بیان کرنا ضروری ہیں کہ بعض مورخین نے یہاں تک جسارت کی ہے کہ رسولؐ کی حدیث میں جن بارہ خلفاء کا ذکر ہے وہ یہی بنوامیہ ہیں۔ حدیث رسولؐ کومسخ کر کے انہی بدکاروں کو حدیث کا مصداق قرار دے ڈالا ہے۔ انہی ظالموں کو گنوا کر بارہ خلفاء کی گنتی پوری کی ہے۔ تو میں چاہتا ہوں کہ ان کے نام اور کردار کچھ نہ کچھ آپ کے سامنے آجائیں تاکہ اگر کوئی آپ سے سوال کرے تو آپ بھی جواب دینے کے قابل ہوسکیں کہ پیغمبرؐ کے ایسے خلیفہ ہوتے ہیں؟

تو عبدالملک ابن مروان کے دورکا ذکر چل رہا تھا اس دور کی دوچار ضروری باتیں رہ گئیں تھیں وہ بیان کر کے بات کو آگے بڑھائیں گے۔ یہ اپنے باپ مروان کے مرنے کے بعد ۶۵ ہجری میں تخت پر بیٹھا تھا۔ اس کا دور حکومت اکیس سال پر محیط تھا یعنی ۶۵ ہجری سے ۸۶ ہجری تک۔ سب سے طویل اسی کا دور حکومت تھا۔ اس کے جو سفاک جرنیل تھے ان میں سے حجاج بن یوسف کے بارے میں آج مجھے آپ سے بات کرنا ہے۔

یہ مت بھولیے گا' یہ مت سمجھئے گا کہ حجاج نے صرف شیعیانِ حیدر کرّار کا قتل عام کیا۔ شیعیانِ حیدر کرّار کا قتل تو اس نے صرف اور صرف ایک لاکھ بیس ہزار کی تعداد میں کیا تھا بس۔ کم سے کم والی روایت پچاس ہزار شیعیانِ حیدر کرّار کی ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ بیس ہزار کی۔ یہ صرف اور بس کی قید میں نے اس لئے لگائی کہ شیعہ مسلمانوں کے علاوہ لاکھوں عام مسلمان بھی ظالم حجاج کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ شیعہ مسلمان تو اس نے ایک لاکھ

بیس ہزار کی تعداد میں قتل کیے مگر جو عام مسلمان کوفے' بصرے' جنگ زاویہ اور جنگ جماجم میں اس سفاک کے ہاتھوں قتل ہوئے ان کی تعداد تیرہ چودہ لاکھ تک جا پہنچتی ہے۔[1]

اتنا سفاک اور بے رحم جرنیل تھا۔ ایک حوالہ دے رہا ہوں، آپ اُس کو تلاش کیجیے گا' شاید وہ کتاب مل جائے' پہلے بھی حوالہ دیا تھا' آج ذرا تفصیل سے سنیئے' کہیں کوئی پرانا نسخہ مل جائے تو مجھے بھی ضرور پہنچا دیجیے گا۔ میں بھی اس کتاب کی تلاش میں ہوں۔ ایک رائیٹر ہیں محمد یونس حسرت' ۱۹۷۰ کی دہائی میں وہ کتاب میں نے پڑھی تھی جب میں اسکول میں پڑھتا تھا۔ اس کتاب کا نام ہے ''دنیا کے آٹھ خبیث انسان'' اس کتاب کے مصنف ہیں محمد یونس حسرت' فیروز سنز نے اُسے شائع کیا تھا۔ دنیا کے آٹھ خبیث ترین انسانوں میں حجاج بن یوسف ثقفی بھی شامل ہے۔ یہیں پاکستان کی چھپی ہوئی ہے یہ کتاب' کوئی برا نہیں مانے کہ ہماری بات کا' چھپی ہوئی کتاب ہے' پرانے نسخے موجود ہیں' فیروز سنز بھی موجود ہے' وہ بھی یہیں پاکستان میں ہی ہے' تمام بڑے شہروں میں اس کی شاخیں موجود ہیں۔

اس کتاب میں دنیا کے آٹھ خبیث ترین افراد میں حجاج بن یوسف کو شمار کیا گیا ہے اور یہ خبیث ترین اس لئے تھا کہ اس سفاک کے ہاتھوں چنگیز' اور نیرو سے کم قتل عام نہیں ہوا۔ اس کے ہاتھوں لاکھوں بے گناہ انسانوں کا خون بہا' میں نے بتایا ہے کہ اس کے ہاتھوں مقتول ہونے والوں کی تعداد تیرہ چودہ لاکھ مسلمانوں تک شمار کی گئی ہے۔ کفار کی نہیں۔ جب کہ بلا اشتعال اور بے سبب تو کافر کا خون بہانا بھی شریعتِ اسلامی میں روا نہیں۔

عبداللہ ابن جارود سے اس کی جھڑپ ہوئی اور پھر جس جرنیل کو بھی' جس سپہ سالار کو بھی حجاج شکست دے دیتا تو اس کے بعد پورے شہر کو آگ لگا دیتا تھا اور شہریوں کو قتل کر دیتا تھا۔ تاریخوں نے تیرہ چودہ لاکھ مقتولین کی تعداد بہت کم کر کے لکھی ہے پھر بھی مجبور تھے' آخر کہاں تک چھپاتے چلے جائیں۔ ابن خلدون نے اس کے کارناموں کو لکھا ہے۔ عبداللہ بن جارود کے ساتھ اس کی خانہ جنگی کے بارے میں اس نے لکھا کہ ہزاروں لوگ قتل ہوئے اس

---

[1] یہ دونوں جنگیں حجاج ابن یوسف اور عبدالرحمٰن ابن اشعث کے درمیان لڑی گئی تھیں۔ (ابن خلدون)

کے بعد ابن اشعث' کون ابن اشعث' محمد ابن اشعث کا بیٹا عبدالرحمن ابن اشعث۔ جب اس نے حجاج کا حکم ماننے سے انکار کیا تھا۔ یہ ترکی کی طرف رتبیل کے شہر کو فتح کر چکا تھا اور آذربائیجان کی طرف آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ حجاج کے دل میں حسد پیدا ہونے لگا کہ کہیں یہ فتوحات میں مجھ سے آگے نہ بڑھ جائے۔ جب کہ یہ سپہ سالار حجاج بن یوسف کے ماتحت تھا۔ حجاج پورے عراق کا گورنر تھا اور جو لشکر آذربائیجان کی فتوحات کے لئے نکلا تھا وہ عراقی لشکر کا حصہ ہونے کی وجہ سے حجاج بن یوسف ہی کے زیر کمان آتا تھا۔

یہ اس لئے تفصیل کی کڑی سے کڑی ملا رہا ہوں کہ الگ الگ واقعات میں نام سن کر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا کہ حجاج خلیفہ تھا' گورنر تھا یا کیا تھا؟ خلیفہ تھا عبدالملک اور عراق کے ایک حصے کا گورنر بنا کر اسے سارے علاقے کی فتوحات پر مامور کیا تھا کہ تم یہ سارے علاقے فتح کرو۔ حجاج نے ابن اشعث کو بھیجا اور پھر جب اُسے کامیاب ہوتے دیکھا تو حسد کرنا لگا اور کہا کہ اب رُک جاؤ' جہاں تک پہنچے ہو اس سے آگے مت جانا۔ عبدالرحمٰن ابن اشعث ابن محمد ابن اشعث جس کو تاریخ میں صرف ابن اشعث کہا جاتا ہے' اس نے اپنے سپاہیوں کو جمع کر کے کہا کہ دیکھو! اب یہ اسلام کا لشکر ہے' حجاج ہماری فتوحات سے جلنے لگا ہے وہ نہیں چاہتا کہ مزید مال غنیمت ہمیں ملے۔ لہذا اس نے تمہیں یہیں رک جانے کا حکم دیا ہے۔

اب یہ جو فوج تھی اُسے تو مزے لگے ہوئے تھے کیونکہ ایک ٹیمپو بنا ہوا تھا' فتوحات ہو رہی ہیں' لشکر بڑھ رہا ہے' زمینیں فتح ہو رہی ہیں' خوب مال مل رہا ہے' شہر زیر نگیں آ رہے ہیں' کنیزیں مل رہی ہیں لہٰذا ساری فوج حجاج کے خلاف ہو گئی۔ اس نے کہا ٹھیک ہے واپس چلو اور عراق پر حملہ کر کے حجاج ہی کو نکال باہر کریں۔ اتنا ابن اشعث فتوحات کے نتیجے میں مغرور ہو چکا تھا۔ یہ بصرے پہنچا اور اس نے وہاں سے اسے بے دخل کر دیا۔ اب ابن خلدون لکھتا ہے کہ ہزاروں آدمی اس جنگ میں مارے گئے۔

حجاج بن یوسف بصرے سے باہر پہنچ گیا۔ زادیہ کے مقام پر پھر اس نے لشکر جمع کیا' ابن اشعث سے پھر جنگ ہوئی' ابن خلدون لکھتا ہے ہزارہا آدمی اس لڑائی میں قتل ہوئے۔

یہ آپس میں لڑ رہے ہیں۔ عبدالرحمٰن ابن اشعث کو شکست ہوئی وہ کوفے کی طرف بھاگا' جب یہ کوفے کی طرف بھاگا تو ہزاروں لوگ تو پہلے ہی مارے جا چکے تھے۔ شہر کے دس ہزار آدمیوں کو بھی حجاج نے قتل کر دیا۔ یعنی جو دس ہزار لوگ بچے تھے شہر میں ان کی بھی گردنیں مار دیں۔ اس کے بعد حجاج بن یوسف کوفے کی طرف بڑھا' ساڑھے تین مہینے کوفے کے باہر جنگ ہوئی جو تاریخ میں جنگ جماجم کہلاتی ہے۔ ساڑھے تین مہینے جنگ جاری رہی اس میں بھی ہزاروں آدمی قتل ہو گئے۔ عبدالرحمٰن یہاں سے بھی شکست کھا کے بھاگا۔

اب سنئے! حجاج بن یوسف کا تاریخی کارنامہ جو سنہری حروف میں لکھا جاتا ہے اور اگر نہیں لکھا گیا اب تک تو ہم لکھ دیں گے۔ اب شامی فوجیں کوفے میں داخل ہوئیں اور کوفے میں داخل ہو کر اہل کوفہ کے قتل عام کا حکم دے دیا۔ عبدالرحمٰن کے سپاہیوں کا بھی قتل عام ہو رہا ہے جو کچھ عرصے پہلے تک اپنا ہی ماتحت لشکر تھا۔

کوفے کے رہنے والوں میں علیؑ کا ایک بوڑھا صحابی بھی موجود ہے' کمیل بن زیاد' حالانکہ جنگ ان کی ہے' اس صحابی کا اس جنگ سے کوئی واسطہ نہیں' یہ دعائے کمیل جن سے منسوب ہے۔ کمیل بن زیاد ضعیف ہیں۔ جب حجاج کو پتہ چلا کہ علیؑ کا ایک صحابی ابھی زندہ ہے' پکڑ کر لے آئے' بابا کوئی واسطہ نہیں' نہ اِس سے نہ اُس سے' ضعیف آدمی ہے۔ مطالبہ کیا گیا علیؑ سے برأت کا اعلان کرو' تو کمیل نے جواب دیا اب اس عمر میں برأت کا اعلان کروں؟ اب اس عمر میں برأت کا کیا اعلان کروں پوری زندگی تو میں نے علیؑ کی غلامی میں گذار دی۔ جوان ہوتا تو کوئی بات بھی تھی' شاید جینے کی امنگ بھی ہوتی' اب تو ویسے ہی قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں۔ اس سے بڑی اور کیا سعادت ہو سکتی ہے کہ شہادت کا درجہ حاصل کروں اور تجھ جیسے ملعون کے ہاتھوں قتل کر دیا جاؤں؟ اب مجھے زندگی کی کوئی خواہش نہیں ہے۔

کمیل بن زیاد' حجاج کے ہاتھوں' اس ملعون زمانہ سفاک اور بے رحم کے ہاتھوں شہادت کے درجے پر فائز ہو گئے۔ جب قتل عام سے اس کا دل بھر گیا تو اس نے اہل کوفہ کے سارے گھروں کو اہل شام کے لئے مباح قرار دے دیا کہ جاؤ یہ سارے گھر تمہارے ہیں

جس گھر میں جو شامی گھس جائے۔ یہ ہے تاریخ۔ پڑھیے اور سر دھنیے کہ شامی فوجی شرابیں پی پی کے کوفیوں کے گھروں میں جب چاہیں' جیسے چاہیں داخل ہو جائیں۔ حملہ آور تھے لہٰذا کچھ عرصہ یہ کھیل جاری رہا پھر حالات بدلنا شروع ہوئے۔ کچھ کوفی عورتوں نے شامی سپاہیوں کو قتل کر دیا۔

ابن خلدون نے بہت پہلو بچائے مگر بہر حال لکھا ہے کہ ایسا ہوا کہ کچھ کوفی عورتوں نے شامیوں کو قتل کر دیا تو اب یہ گھبرایا کہ یہ مسئلہ تو ٹیڑھا ہو رہا ہے تب اس نے کوفے کے نواح میں ''واسطہ'' کے نام سے ایک فوجی چھاؤنی قائم کی جو بعد میں شہرِ واسط کے نام سے معروف ہوئی۔ شامیوں کو حکم دیا گیا کہ تم وہاں چلے جاؤ اور وہاں جا کر ٹھہر جاؤ۔

حجاج بن یوسف ملعون کے تاریخی کارنامے بہت زیادہ ہیں مثلاً ۸۵ ہجری میں اس نے دعا کی جسے بڑا کارنامہ بنا کر لکھا جاتا ہے کہ خلیفہ عبدالملک سے پہلے مجھے موت آ جائے۔ ۹۵ ہجری تک یہ زندہ رہا۔ ۸۴ ہجری میں عبدالملک نے چاہا کہ اپنے بیٹے ولید کو خلیفہ بنائے۔ لیکن اس کا دوسرا بھائی عبدالعزیز زندہ تھا جب اُسے پتہ چلا کہ یہ ہو رہا ہے تو اس نے کہا کہ بابا مجھے تو میرا باپ مروان تیرے بعد نامزد کر کے گیا ہے اور تو اپنے بیٹے کو خلیفہ بناتا ہے تو اس کی بھی زہر دے کر چھٹی کرائی اور اس طرح ۸۵ ہجری میں عبدالعزیز مر گیا۔

۸۶ ہجری میں ولید ابن عبدالملک کو خلیفہ بنایا اور چلتا بنا۔ جاتے جاتے جو وصیت کر رہا ہے' آپ دیکھئے کہ وہ وصیت کیا ہے؟ عبدالملک نے اپنے بیٹے ولید کو جو وصیت کی ابن خلدون نے اسے ان جملوں میں لکھا ہے۔

> ''اور دیکھ حجاج کے عزت و احترام میں کوئی کمی نہیں آنی چاہیے' حجاج کا اسی طرح احترام برقرار رہے کیوں؟ اس لئے کہ اُس نے ہماری خاطر منبروں اور مقبروں کو روند ڈالا۔ (اعترافِ تاریخی'' اس نے ہماری خاطر منبروں اور مقبروں کو روند ڈالا) شہروں کو پامال کر ڈالا اور ہمارے دشمنوں کو ذلیل و خوار کر دیا۔''

یہ ہوتا ہے تاریخی اعتراف جس سے منہ چھپانا ممکن نہیں ہے۔ یہ اس کے کارنامے

تھے اسی لئے تو کہا کہ اس کی عزت اور اس کے احترام میں کمی نہ آنے پائے' اور یہ تیرے لئے بھی اسی طرح خدمات انجام دے گا' جیسے میرے لئے دیتا آ رہا ہے۔ ۸۶ہجری میں ولید بیٹھا اور ۹۶ ہجری تک اس کی حکومت رہی۔ ۹۵ ہجری میں حجاج نے دعا کی کہ مجھے خلیفہ سے پہلے موت آجائے۔

تاریخیں لکھتی ہیں کہ یہ خلیفہ کو بہت چاہتا تھا۔ یہ کیوں چاہتا تھا؟ اس لئے چاہتا تھا کہ عبدالملک نے ولید کے بعد اپنے دوسرے بیٹے سلمان کو خلیفہ بنایا تھا جب کہ ولید اپنے بیٹے کو خلیفہ بنانا چاہتا تھا حجاج نے ولید کا ساتھ دیا مگر کامیابی نہ ہوئی۔

سلمان بن عبدالملک سب کو پہچانتا تھا کہ کس کس نے میری خلافت کی مخالفت کی تھی۔ ولی عہدی کی مخالفت کی تھی۔ ولید کا آخری وقت آپہنچا تو حجاج دعائیں کرنے لگا کہ مجھے خلیفہ سے پہلے موت آجائے کیونکہ جانتا تھا کہ ولید کے بعد میرے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے؟ آخر خود بھی تو اسی ملوکیت کا کل پرزہ ہے جانتا ہے کہ اب خیر نہیں۔ چھوڑیں گے نہیں۔ حجاج کا ایک کارنامہ اور ہے ۹۰ ہجری کا۔

۹۰ ہجری سے ۹۳ہجری میں محمد بن قاسم کو سندھ فتح کرنے کے لئے بھیجا گیا اور سندھ فتح کرتے کرتے تاریخ لکھتی ہے شاید منصورہ یا کسی اور شہر کا نام کہ جب عساکرِ اسلام یہاں پہنچیں تو انہوں نے شہر بھر کو تہ تیغ کر ڈالا' جو سامنے آیا اسے قتل کر ڈالا' جتنے انسان انہیں نظر آئے سب کو قتل کر دیا اور شہر کو مکمل طور پر ویرانے میں بدل دیا۔

یہ اسلام کے سپاہی' یہ اسلام کے لشکر' یہ فتوحات کی تاریخیں' جن پر فخر کیا جاتا ہے کہ صاحب ہم نے اتنی فتوحات کر ڈالیں اور یہی تاریخ ہے جس کی بنیاد پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ سوائے قتل و غارت گری' عصمت دری اور لوٹ مار کے اسلام میں ہے کیا؟

ہم نے اسی لئے موضوع رکھا تھا ''امامت و ملوکیت'' کہ واضح کرسکیں کہ یہ ملوکیت کی تاریخ ہے اسلام کی تاریخ نہیں ہے یہ شہنشاہوں کی تاریخ ہے اسلام کی نہیں یہ ظالموں' سفاکوں کی تاریخ ہے اسلام کی نہیں ہے یہ بدکاروں کی تاریخ ہے اسلام کی نہیں

امامت اس تاریخ سے جدا ہے

دین اس تاریخ سے جدا ہے

ابھی میں آپ کے سامنے عرض کردوں گا کہ امامت کی تاریخ کس طرح سے آگے بڑھی ہے؟

عزیزانِ محترم! تو یہ سارے کارنامے حجاج بن یوسف اور اس کا لشکرانجام دیتا ہے۔ سعید بن جبیر کے لئے بظاہر لکھا گیا ہے کہ جناب اس کا قتل اِسے مہنگا پڑ گیا۔ اس کے قتل کے بعد یہ خبطی ہوگیا۔ تاریخیں لکھتی ہیں کہ سعید ابن جبیر کو قتل کے بعد حجاج اسے خواب میں دیکھتا کہ وہ اس کا گلا پکڑ لیتا ہے کہ تو نے مجھے کیوں کیا قتل؟ کبھی سعید اس کا دامن پکڑ لیتا کہ مجھے کیوں قتل کیا؟ یہ بعض تاریخوں خصوصاً ابن خلدون نے لکھا ہے۔

لیکن حقیقت کیا تھی؟ وہ لاکھوں بے گناہ انسانوں اور مسلمانوں کا قاتل تھا اور ایسے سفاک، بے رحم اور بدکار انسانوں کا انجام عبرت ناک ہی ہوا کرتا ہے۔ تو آخر آخر حجاج بن یوسف پاگل ہوگیا تھا، کوئی اس کے قریب نہیں جاتا تھا۔ کہتے ہیں عجیب عجیب آوازیں منہ سے نکالتا تھا، چہرہ مسخ ہوگیا تھا، منہ سے تعفن اٹھتا تھا، منہ کے قریب کھڑے ہونا اور بات کرنا ممکن نہیں رہا تھا اور اس طرح ۹۵ء ہجری میں حجاج بن یوسف جو لاکھوں بے گناہ انسانوں کا قاتل تھا جہنم کی طرف سدھار گیا۔ ۹۶ہجری میں ولید بن عبدالملک مرا اور سلمان بن عبدالملک تخت خلافت پر بیٹھا۔

یہی وہ دور ہے جب ان کے خاندانی جھگڑے شروع ہوگئے اور قتل وغارت گری نے بھیانک شکل اختیار کرلی۔ محمد بن قاسم ہیرو ہے تاریخ کا، فاتح باب الاسلام کہا جاتا ہے اُس کو، فاتحِ سندھ بھی اور خدا معلوم اور کیا کیا ہے؟ اور واقعی فتح کیا تھا اس نے سندھ کو۔ اب آگے کی تاریخ ہم بتادیں کہ اس کے ساتھ کیا ہوا؟

محمد بن قاسم سندھ کا گورنر تھا جیسے ہی سلمان بن عبدالملک خلیفہ بنا اس نے پہلا حکم دیا کہ اس کو معزول کروا کر میرے حضور پیش کرو۔ یہ فاتح سندھ کے ساتھ ہو رہا ہے، بلا کر اس کو بدترین قید خانے میں مقید کیا گیا۔ کون سی قید میں؟ یعنی صالح ابن عبدالرحمٰن کی قید میں جو واسط کا زندان بان تھا۔ کیوں دیا صالح کی قید میں؟ اس لئے کہ وہ اپنے بھائی کے قتل کا

حساب چکا سکے، جسے حجاج نے قتل کیا تھا۔ حجاج تو مر چکا لہذا حجاج کے سارے خاندان سے بدلا لیا جائے گا۔ حجاج کے سارے خاندان کو صالح کے حوالے کر دیا گیا کیونکہ اس کو اپنے بھائی کا انتقام لینا تھا۔

صالح نے بدترین انجام سے حجاج بن یوسف کے خاندان کو دوچار کیا۔ محمد بن قاسم سمیت۔ یہ ہماری تاریخ نہیں ہے سرکار! یہ ساری تاریخیں آپ کی ہیں۔ کامل ابن اثیر، ابن خلدون وغیرہ جو سب مفصل تاریخیں ہیں سبھی نے یہی انجام لکھا ہے محمد بن قاسم کا۔ تو اب تم بتاؤ کہ

یہ ہیرو یا جس نے انجام تک پہنچا دیا وہ ہیرو؟
کہیں گے نہیں، وہ دونوں ہیرو ہیں۔
ہماری تاریخ میں ولن کا ذکر ہی نہیں ہے۔
کہیں گذر ہی نہیں ہے۔
کہیں گے، ہمارے یہاں سب ہیرو ہیں۔
یہ بھی صحیح، وہ بھی صحیح
جس نے جو کیا صحیح کیا

سب نے اجتہاد کیا
محمد بن قاسم نے بھی اجتہاد کیا
حجاج بن یوسف نے بھی اجتہاد کیا
سلمان بن عبدالملک نے اس کا حشر بگاڑ دیا
اس نے بھی اجتہاد کیا
یہ بھی صحیح، وہ بھی صحیح
یہ سب جو کچھ کرتے چلے جائیں، سب ٹھیک ہے۔
کیوں اتنا سب کچھ کرتے ہیں
اس لئے کہ اگر ایک کو غلط قرار دے دیا تو سنت تو چلی جائے گی اوپر تک

اچھا اس نے اگر یہ کیا تو غلط' تو پھر وہ بھی غلط' پھر وہ بھی غلط سب غلط ہوتے چلے جائیں گے۔ نیچے سے اوپر تک۔

وہ جو ابن ابی الحدید معتزلی نے اپنے استاد کا واقعہ لکھا ہے کہ میں درس پڑھ رہا تھا شارح ابن ابی الحدید کہتا ہے کہ میں نے اپنے استاد فارقی سے پوچھا کہ باغ کے غصب کا مسئلہ بتاؤ کیا تھا' کیا اس میں صدیقۂ طاہرہ دخترِ رسولؐ سچی نہ تھیں' کہتا ہے (معاذ اللہ) معتزلی کیسی باتیں کرتا ہے؟ اس میں گمان نہیں' بالکل صحیح تھیں' بالکل سچی تھیں۔ وہ کیسے غلط کہہ سکتی تھیں؟

ابن ابی الحدید کہتا ہے کہ میں نے استاد سے پوچھا بھئی جب دخترِ رسولؐ سچی تھیں' تو ان کی بات کیوں نہیں مانی گئی' گواہی طلب کر رہے ہیں۔ جب سب جانتے ہیں کہ سچی ہیں تو مان لی جاتی ان کی بات' کیوں اِدھر اُدھر کی باتوں میں الجھایا گیا؟

تو مسکرا کر طنزاً کہتا ہے استاد کہ اے ابن ابی الحدید! اچھی اور خوب کہی تم نے' اگر اس دن ان کی بات مان لی جاتی تو یہ طے ہو جاتا کہ رسولؐ کی بیٹی جو بات کہتی ہے' سچ کہتی ہے' ابن ابی الحدید کہتا ہے میں سمجھ گیا استاد بڑی سچی اور پتے کی بات کہہ گیا ہے۔

سمجھ گئے آپ' اب غور کیجئے اس فلسفے پر کہ اگر اُس دن مان لیا جاتا تو یہ طے ہو جاتا کہ رسولؐ کی بیٹی جو کہتی ہے سچ کہتی ہے۔ تو آج فدک مانگ رہی ہے' کل کچھ اور مطالبہ ہوتا، پرسوں کہتی ہٹ جاؤ تمہاری یہ جگہ ہی نہیں' یہ کسی اور کی جگہ ہے۔ تو پھر سب کچھ ماننا پڑتا۔

لہٰذا پہلے مرحلے میں ہی انہوں نے جھٹلایا دخترِ رسولؐ کو اگر اس کو سچ مانیں گے تو بس اسی طرح آخر تک تمام شرابیوں کو بدکاروں کو صحیح قرار دیتے چلے جاؤ کہ اگر ایک کو غلط قرار دے دیا تو اوپر تک گاڑی چلتی چلی جائے گی۔ سب کو غلط قرار دینا پڑے گا۔

عزیزانِ محترم! سلمان بن عبدالملک نے محمد بن قاسم اور حجاج کے خاندان کے ساتھ یہ کیا اور اسی کے ساتھ دوسرا جرنیل قتیبہ ابن مسلم' خراسان کا والی اب جیسے ہی اس نے سنا کہ سلمان بن عبدالملک آ گیا ہے تخت خلافت پر تو اس کے ہاتھ پیر پھولنے لگے' ہوش و حواس

جانے لگے کہ اب میرا کام بھی ہوگا کیونکہ سب کے دلوں میں چور ہے' جانتے ہیں کہ ہم نے ولید کے بیٹے کی حمایت کی تھی۔

بھائی تو ہیں سب' ایک ہی تو خاندان ہے لیکن ملوکیت کا مسئلہ ہے' شہنشاہیت کا مسئلہ ہے' اقتدار کا مسئلہ ہے' خراسان والوں نے پیش بینی کرتے ہوئے اپنے والی کو قتل کر دیا کہ خلیفہ سلمان کے خلاف بھڑکا رہا تھا۔ لوگ اس سے بھی بڑے منافق ثابت ہو رہے تھے جن پر وہ حکومت کر رہا تھا۔ انہوں نے کہا سلمان اس کے خلاف ہے لہٰذا اسے قتل کرو اور سر بھیج دو سلمان کے پاس کہ ہم نے تیرے دشمن کو کیفر کردار کو پہنچا دیا۔ اس طرح ہم سلمان کے جذبہ انتقام اور لشکر کشی سے محفوظ ہو جائیں گے۔

قتیبہ ابن مسلم اتنا بڑا سالار' جس نے اتنی زمینیں فتح کیں تو جس نے اس کی اور اس کے ساتھیوں کی گردنیں اڑائیں' جس نے اس کے سر کو سامنے رکھ کر ناشتہ کیا

وہ کیا تھا؟

کہا وہ بھی اچھا جرنیل تھا
یہ بھی اچھا بادشاہ تھا
یہ بھی صحیح تھا وہ بھی صحیح تھا
سب صحیح تھے' کیونکہ ایک دوسرے کو پہچانتے چلے جاتے تھے
ایک دوسرے کا بدترین حشر کرتے چلے جاتے تھے۔

مزہ تو اس وقت آتا ہے تاریخ پڑھنے میں کہ جب یہ سارے تاریخی واقعات وحقائق لکھ کے آخر میں اس کی موت کا ذکر کر کے اب اس کی سیرت اب اس کی اچھائیاں کہتے ہیں۔ ارے بھائی! ابھی اوپر تو تم خود اسے خود لکھ چکے ہو کہ شرابی تھا' عیش پرست تھا' ظالم تھا' قاتل تھا' ایسا تھا ویسا تھا۔ پھر جب مر گیا تو کہتے ہیں' مرنے والے کی برائی نہیں کرتے لہٰذا اس کی کچھ اچھائیاں بیان کر دیں۔

مرنے والے کی برائیاں نہیں کرتے' اچھا اس کی اچھائیاں کیا تھیں؟ کہا کہ نماز شب پڑھتا تھا' ایسا کرتا تھا' ویسا کرتا تھا۔ اس طرح کی باتیں اس کی سیرت میں شامل کر دیتے

ہیں۔ ۹۶ ہجری سے ۹۹ ہجری تک سلمان بن عبدالملک کی حکومت قائم رہی۔ ۹۹ ہجری میں امویوں نے اس کا بھی پتہ صاف کیا حالانکہ مرنے کے وقت ۴۰ یا ۴۱ سال کا تھا۔

خلافت ملی اب حضرت عمر بن عبدالعزیز بن مروان کو یعنی مروان کے پوتے کو جو کردار میں تمام امویوں سے الگ تھا۔ آپ بھی کہتے ہیں، ہم بھی کہتے ہیں۔ ہاں ان تمام میں شریف تھا، یہ جتنے بھی اموی خلفاء تھے ان میں شریف ترین انسان تھا اور اس میں بھی اس کے استاد کی تعلیم وتربیت کا بہت بڑا ہاتھ تھا کہ جس نے اسے بچپن میں تعلیم دی تھی اور بچپن ہی میں اسے حق وباطل میں تمیز کرنا سکھادی تھی۔ یہ جو بچے نے سوال کیا تھا مجھ سے، اُس وقت یہ حجاز کا گورنر تھا ابھی خلیفہ نہیں بنا تھا۔ وہ ولید بن عبدالملک کا زمانہ تھا۔ اسی دور میں جب خانہ کعبہ کی تعمیر نو ہو رہی تھی حجرِ اسود نصب کرنے کی بات آئی تو عمر بن عبدالعزیز نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو طلب کیا تھا اور کہا کہ فرزند رسولؐ سے زیادہ کوئی شخص حجر اسود کو اپنے مقام پر رکھنے کا حق نہیں رکھتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس کے استاد نے اسے حق وباطل میں تمیز کرنا سکھادی تھی۔

اس کا باپ عبدالعزیز کیونکہ بیٹا ہے مروان کا لہٰذا جب خطبہ دیتا تو علیؑ اور اولادِ علیؑ پر تبرّا کرتا، جب علیؑ کا نام آتا تھا اس کی زبان اٹکتی تھی۔ ایک روز عمر بن عبدالعزیز نے اپنے باپ سے اس بات کا سبب پوچھا کہ جب تو علیؑ پر سب وشتم کرتا ہے تبرّا کرتا ہے تو تیری زبان کیوں اٹکتی ہے؟ عبدالعزیز نے کہا کسی کو بتائیو مت، تجھے ایک بات بتا رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ علیؑ کے فضائل سے آشنا ہو جائیں، علیؑ کی جو فضیلتیں ہیں ان میں سے اگر یہ تھوڑی سی بھی جان لیں کہ علیؑ کیا تھا تو پھر یاد رکھ یہ لوگ ہمیں نکال باہر کریں گے اور علیؑ والوں کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ پھر ہماری حکومت باقی نہیں رہ سکے گی۔

استاد کی تعلیم وتربیت اور باپ کی تصدیق نے اس کے افکار کو سمت عطا کردی۔ جوان ہوا تو اس کے دل میں یہ باتیں راسخ ہو چکی تھیں۔ سلمان بن عبدالملک نے اس کو خلیفہ کیوں بنایا؟ بھئی وہ یہ چاہتا تھا کہ میرے بعد میرا بیٹا بنے، اب بیٹے کو کیسے بنائے، نمبر تو بھائیوں کا ہے۔ کیونکہ عبدالملک کے بیٹے بھی اٹھارہ انیس تھے لائین سے، تو اس نے دیکھا کہ نمبر تو

بھائیوں کا ہے' بیٹے کو بنایا تو بغاوت ہوجائے گی۔ یزید بن عبدالملک' ہشام بن عبدالملک وغیرہ موجود ہیں لہٰذا اس نے یہ چال چلی کہ عمر بن عبدالعزیز کیونکہ سب سے شریف' متقی اور پرہیزگار انسان ہے لہٰذا یہ خلیفہ بنے گا اور وصیت نامے میں اس کے بعد اپنے بیٹے کا نام ٹھونک دیا کہ عمر بن عبدالعزیز کے بعد میرا بیٹا خلیفہ ہوگا۔

اس طرح عمر بن عبدالعزیز کو خلافت ملی۔ اس نے سب سے پہلے جو حکم جاری کیا تھا' اب الفاظ دیکھئے' تاریخ ابن خلدون کا ترجمہ کرنے والوں کا بھی کمال ہے' واقعی کیا بات ہے' جتنی داد دی جائے کم ہے۔ کیسے کیسے کرتب دکھائے ہیں۔ ابن خلدون نے جو کرتب دکھائے وہ تو اپنی جگہ مگر مترجم اس سے بھی کئی قدم آگے نکل گئے۔

کہا کہ عمر بن عبدالعزیز جب تخت خلافت پر بیٹھے' جب مسند نشین ہوئے تو بنو امیہ کے دور میں ایسا ہوتا تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لئے کچھ ''نا ملائم'' کلمات استعمال کیے جاتے تھے۔ تبرا نہیں لکھا' بُرا بھلا نہیں لکھا' سب وشتم نہیں لکھا' نا ملائم کلمات استعمال کیے جاتے تھے تو عمر بن عبدالعزیز نے زینہ خلافت پر قدم رکھتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ ان پر پابندی لگادی۔

دیکھی آپ نے تحریف' اب یہی بات اگر کسی شیعہ سے ہو تو آپ دیکھئے پہلے اسے خارجی لکھیں گے' پھر رافضی لکھیں گے پھر غالی اور پھر دہائی دیں گے کہ تبرا کرتا تھا اصحاب پر۔ مگر جہاں اپنے پسندیدہ لوگوں کو بچانے کی بات ہو تو بنو امیہ کے دور میں' یہ بھی نہیں بتانا گوارا کیا کہ خلفاء کے حکم سے' ان کی خوشنودی کے حصول کے لئے۔ صادق اور امین رسولؐ کی امت کے اہل فکر و دانش اور قلم بردار' یہ اپنے خون سے تو کیا سچائی رقم کریں گے' انہیں تو روشنائی سے بھی حق گوئی گوارا نہیں۔

تو لکھتے ہیں کہ بنو امیہ کے دور میں' ''نا ملائم کلمات'' نامناسب کلمات بھی نہیں' نا ملائم الفاظ کیسے ہوتے ہیں کہ ایک بار میں آپ کو آپ کہہ کر مخاطب کرلوں کہ آپ کہاں جارہے ہیں۔ ایک بار عالی جناب قبلہ و کعبہ' یہ نا ملائم انہیں کہا جاتا ہے' یہ ہے تشریح نا ملائم کی' نامناسب کی وہ ہے کہ آپ کی جگہ تو استعمال کروں' تم استعمال کروں' تم استعمال کرنا نا ملائم کا

یہ مطلب ہے۔ لفظ تو صحیح ہے' ذرا نرمی آجاتی تو بہتر تھا۔

تو نا ملائم کلمات استعمال کیے جاتے تھے' نامناسب باتیں بھی لکھتے تو لوگوں کے ذہنوں میں کوئی بات پیدا ہوتی' ''نا ملائم کلمات'' جن میں ملائمیت نہیں تھی' لہٰذا انہوں نے یہ کارنامہ کیا کہ نا ملائم کلمات کہنا بند کرادیئے' یہ نہیں لکھا کہ تبرّا ہوتا تھا' خطبے میں تبرّا پڑھا جاتا تھا۔ تو عزیزو! عمر بن عبدالعزیز نے کیا کیا؟ اور شاید آپ اندازہ نہ کرسکیں کہ یہ کتنا بڑا اور مشکل کام تھا۔ یہ اس وقت کی کتنی بڑی رائج سنت تھی جس کے اجراء و افزائش کی پشت پناہی حکومتیں کر رہی تھیں۔

ہر خطبے اور ہر نماز کے بعد علیؑ پر تبرّا۔ یہ بھی معجزہ ہے قدرت کا کہ شام میں ہی یہ سب کچھ ہوا۔ علیؑ پر تبرّا بھی شام سے شروع ہوا اور علیؑ کو خدا ماننے والا گروہ بھی شام ہی سے اٹھا۔

یاد رکھیے! لوگ خوش ہوتے ہیں نصیریوں کا ذکر سن کے۔ نہیں ہمارے لئے معیار علیؑ کی ذات ہے۔ کوئی بھی ایسا شعر آجاتا ہے' تو ٹھیک ہے اس کی محبت اپنی جگہ پر' نصیریوں کو تو خود علیؑ نے مسترد کردیا تھا اور جس کو علیؑ نے رد کردیا وہ ہمارے لئے معیار کیسے قرار پاسکتا ہے۔

ہمارے لئے علیؑ معیارِ حق ہے۔ کل کی مجلس میں ہم نے بتایا تھا۔ یہ خوش ہونے والی بات نہیں۔ وہ تو ایک بدلہ تھا۔ انہوں نے ایسا کیا تھا تو اس کا ردِعمل ظاہر ہوگیا۔

علیؑ نے پہلے ہی کہہ دیا تھا' جس نے مجھے میرے مقام سے گرایا اور جس نے میرے مقام کے بارے میں مبالغے سے کام لیا اور بڑھایا دونوں گمراہ ہوگئے۔ ہلاکت میں جاگرے۔ نہج البلاغہ میں ہے مولاؑ کا یہ بلیغ ارشاد۔ وہ دونوں شام ہی میں تو تھے' مقام سے گرانے اور مقام کے بارے میں مبالغے سے کام لینے والے۔

علیؑ' علیؑ ہے۔ سب کچھ ہے علیؑ مگر جس کو سجدہ کرتا ہے علیؑ' وہی خدا ہے۔ جس کے سامنے علیؑ کی پیشانی جھک رہی ہے۔ وہی خدا ہے۔ میرے پاس اس سے بڑی اور کوئی دلیل ہے ہی نہیں۔ عاقل کے لئے' عقل سے کام لینے والے کے لئے لیکن جو اپنی عقل سے

کام نہیں لیتا اس سے ہماری بحث ہی نہیں، ان سے ہماری گفتگو ہی نہیں۔ جس کے پاس عقل ہے اس کے لئے اس سے بڑی کوئی دلیل نہیں کہ جہاں علیؑ کی پیشانی جھکے جہاں علیؑ سجدہ ریز ہو وہی اللہ ہے۔

تو بنوامیہ کے دور میں علیؑ پر تبرّے کی سنت ایسی تھی کہ اگر کوئی تبرّا کرنا بھول گیا، چلا گیا اور یاد آ گیا کہ تبرّا تو کیا ہی نہیں تو واپس آتا تھا اسی مقام پر اسی جگہ پر جہاں نماز ادا کی تھی اور علیؑ پر تبرّا کرتا تھا۔ پھر واپس دوسری طرف جاتا تھا۔ گویا اموی خلفاء نے علیؑ اور اولاد علیؑ پر تبرّے کو جزو ایمان و نماز بنادیا تھا۔ ایسے میں برسوں کی اس رائج رسم کو ختم کرنا اتنا آسان نہیں تھا، جس آسانی سے ابن خلدون نے لکھ دیا تھا کہ زینہ خلافت پر قدم رکھتے ہی عمر بن عبدالعزیز نے اس کام کو ختم کر دیا، اور گذر گیا ایک جملے میں اتنی بڑی بات کہہ کر۔ ہم سے سنو اس تاریخ کی تفصیل ہم بتائیں گے کہ یہ کیسا دشوار کام تھا اور عمر عبدالعزیز نے اسے کس مہارت سے انجام دیا۔ ہم سے سنو، ہم بتائیں گے، تم نے بڑی تفصیل سے تاریخ لکھی ہے۔ تفصیل سے واقعات لکھے ہیں آٹھ آٹھ دس دس جلدوں میں، اس معاملے میں کیوں بخل سے کام لیتے ہو؟ چلو تمہیں تردد ہے تو ہم بتاتے ہیں کہ یہ کیسے بند ہوا؟

عمر بن عبدالعزیز جانتا تھا کہ یہ مشکل کام ہے لہذا اس نے سوچا کہ اسے کیسے بند کراؤں؟ اس کے دربار میں سب ہی آتے تھے عالم، امیر، مشیر، سفیر وغیرہ، جیسے آج کا قاعدہ ہے۔ ایک یہودی عالم بھی بیٹھتا تھا۔ اس معاملے کی حساسیت کو جانتے ہوئے بڑی پلاننگ سے سب کو یکجا کیا۔ اُسی یہودی عالم کو بھی اعتماد میں لے کر شریک کیا۔ بڑی مہارت سے میٹنگ کی، پلاننگ کی کہ دیکھو ایسا ایسا معاملہ ہے جب میں سب علماء کو بلاؤں گا، تو تم میری بیٹی کا رشتہ طلب کرنا۔ پلاننگ کرلی، منصوبہ بندی کر لی اس کے ساتھ۔ دربار لگالیا۔

بڑے بڑے سب علماء کو جو سب بڑے بڑے فتوے باز تھے، ان سب مفتیوں کو بلا کر بیٹھادیا۔ مفتی یعنی مفت کا کھانے والے، تو یہ جتنے مفت خورے تھے ان سب کو عمر بن عبدالعزیز نے جمع کر لیا۔ مفتی کے بارے میں ایک بات بتاتا چلوں کہ اس کے لفظی معنی یہ نہیں جانیے گا۔ مستعمل معنی کی بات کر رہا ہوں۔ اس کے اصل معنی تو فتوی دینے والے کے

ہیں۔ ہمارے یہاں انہی تاریخی ''مفتوں'' یا مفت خوروں کی وجہ سے یہ لفظ متروک ہوکر رہ گیا ہے۔ سوائے ایک دو متبرک ومقدس ہستیوں کے یہ اصطلاح کم ہی استعمال میں لائی جاتی ہے' جیسے حضرت علامہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ اروا حنافداہ کہ جس ہستی نے اس قوم کی خاطر جو کیا جاسکتا تھا کیا۔ تو جو ہماری قوم کے حالیہ تاریخ میں محسن ہیں ان میں ایک وہ ہیں' آپ ان کو فراموش نہ کیا کیجئے۔ تو ان علماء کی ارواح کی خوش حالی کے لئے' جب اچانک اور بلاارادہ ان کا ذکر آ ہی گیا ہے تو باآواز بلند درود پڑھ لیجے تاکہ ان کی روحیں بھی خوش ہوجائیں۔

تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ لفظی معنی پر مت جایئے گا' اس کے جو مستعمل معنی ہیں، اس کے جو عمومی معنی لیے جاتے ہیں انہیں مفت کا مال درباروں سے ملتا ہے، تو یہ کہلاتے ہیں عرفِ عام میں مفتی۔ تو عمر بن عبدالعزیز نے دربار سے وابستہ تمام بڑے بڑے مفتیوں کو جمع کیا کہ تم تنخواہیں لیتے ہو' جمع ہوجاؤ۔ جیسے کمیٹیاں بنائی جاتی ہیں دیکھئے ایسے نہیں انہیں خریدا جاسکتا' اس کی ایک تیکنیک ہوتی ہے' خریدنے کے بھی کچھ طریقے ہوتے ہیں۔ ان کا دین خریدنے کے' ان کا ضمیر خریدنے کے' تو ان سے کہا جاتا ہے کہ تم کمیٹیوں میں شامل ہوجاؤ' جب شامل ہوگئے تو دانہ گندم تو کھالیا' تنخواہ تو ادھر ہی سے آ رہی ہے' پیسہ تو ادھر ہی سے مل رہا ہے۔ اب جب تنخواہ آ رہی ہے تو بند بھی ہوسکتی ہے۔ لہٰذا اس کو بند ہونے سے بچانے کے لئے اپنے دین اور اپنے ضمیر کا سودا کرتا ہے انسان۔

یہ چالیں اس وقت چلی جاتی ہیں جب مختلف محکمے' یونٹ' کمیٹی' یہ کمیٹی' وہ کمیٹی' اس کام کی کمیٹی' اس کام کی جائزہ کمیٹی وغیرہ بناتے ہیں۔ ایک مولوی کو اس میں رکھ دو' دو مولویوں کو اس میں شامل کردو۔ سب جگہ کا یہی دستور ہے اطمینان رکھئے۔ مثبت کاموں کے لئے بھی کمیٹیاں تشکیل دی جاتی ہے اور منفی کاموں اور لوگوں کے دین وضمیر کی خرید وفروخت کے لئے بھی۔ کوئی استثناء نہیں ہے۔

تو اب عمر بن عبدالعزیز کو ایک ایسی رسم کو بند کرانا ہے جو اس کے بڑوں نے شروع کرائی تھی' خود کہے کہ بند کردو تو سنے گا کون؟ خاندان والے ہی قتل کے درپے ہوجائیں

گے۔ اس رسم کو اس سنت کو وہ درجہ حاصل ہو چکا ہے، جو دین کے احکام اور واجب کاموں کو حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا حکمت عملی کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے عمر بن عبدالعزیز نے چار پانچ سو مفتیوں کو جمع کیا دربار میں کہ علمی گفتگو ہو رہی ہے۔ دقیق مسئلے چھیڑے جا رہے ہیں۔ دین کے مسائل پوچھے جا رہے ہیں۔

اسی دوران وہ یہودی عالم کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ خلیفہ سے ایک گذارش ہے، خلیفہ نے کہا کیا چاہتا ہے؟ کہنے لگا آپ مجھے اپنی دامادی کا شرف بخش دیں۔ ارے یہ کیا بکتا ہے۔ کیا دماغ خراب ہوگیا ہے تیرا، تو کافر یہودی کیا داماد بنے گا؟ اور جناب محفل میں ایک ہنگامہ بپا ہوگیا، ساری مولوی مفتی کھڑے ہوگئے کہ یہ داماد بننے جا رہا ہے اور ہم لوگ سارے کے سارے بیکار بیٹھے ہوئے ہیں۔

اب جناب ہلڑ مچ گیا تو وہ یہودی عالم بولا، شور کیوں مچا رہے ہو؟ کیا غضب ہوگیا ہے، رشتہ ہی تو مانگا ہے اور میں نے کیا کیا ہے؟ مولوی مفتی بولے کہ تو کافر ہے۔ یہودی عالم بولا، کیوں تمہارے یہاں تو کافر کو بیٹی دینا جائز ہے، دے سکتے ہیں تمہارے یہاں کافر کو بیٹی۔ عمر بن عبدالعزیز نے سارے مفتیوں سے پوچھا، تمہارا کیا کہنا ہے؟ سب یک زبان ہوکر بولے غلط کہتا ہے، یہ نہیں دے سکتے کافر کو بیٹی، مسلمانوں کی موجودگی میں کیسے دے سکتے ہیں۔ مسلمانوں کی موجودگی میں کافر کو بیٹی دینا غلط ہے۔ بھئی یہ مفتی صاحبان تو کہہ رہے ہیں غلط ہے، وہ یہودی بولا ان بیچاروں کو اپنا ہی دین نہیں پتہ۔ کیسے نہیں پتہ ہمیں ہمارا دین؟ یہودی بولا کیوں کیا تمہارے رسولؐ نے کافر کو بیٹی نہیں دی تھی۔

جانتے ہیں، اب سمجھے آپؐ کہ اس زمانے میں علیؑ کو کیا سمجھا جاتا تھا، تبرا ہوتا تھا، سب وشتم کیا جاتا تھا، علیؑ اور اولادِ علیؑ کے خلاف، پروپیگنڈا کیا جاتا تھا، خالی ابوطالب کے ایمان کا مسئلہ نہیں تھا، علیؑ کو بھی کافر ہی تصور کیا جاتا تھا۔ کچھ بات سمجھے آپ! جیسے آج کلیے بنائے جاتے ہیں۔ یوں کیا تو کافر، یہ کہا تو کافر۔ ویسے ہی اس وقت تھا۔ نماز نہیں پڑھتا، خلیفہ کے خلاف جنگ کی، انتشار پھیلایا لہٰذا کافر ہے۔ یہ اس وقت سے چلا آ رہا ہے دستور۔ گھبرائیں نہیں، یہ سلسلہ نیا نہیں ہے۔

یہودی نے کہا جب رسولؐ نے کافر کو بیٹی دی' تمہیں کیا اعتراض ہے؟ عمر بن عبدالعزیز کھڑا ہوا اور بولا اب جواب دو اس کا۔ اب ایک نے کہا وہ کافر تھوڑی تھا' علیؑ تو مسلمان تھا' دوسرے نے کہا مسلمان تھا' سب کہنے لگے نہیں نہیں علیؑ تو مسلمان تھا' سب سے پہلا مسلمان۔ تو اب انہیں یاد آیا کہ علیؑ سب سے پہلا مسلمان تھا۔

کہا جب سب سے پہلے مسلمان تھے' تو پھر ایک مسلمان پر' وہ بھی جو رسولؐ کا داماد ہو' کیا اس پر خطبوں میں نمازوں میں سب وشتم کرنا شریعت میں روا ہے؟ شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے؟

اب سب کی گردنیں جھک گئیں' کہا کہ نہیں شریعت تو اجازت نہیں دیتی۔ لیکن لوگوں میں رائج ہے یہ سنت' یہ رسم ہمارے خلفاء سے چلی آرہی ہے۔ عمر بن عبدالعزیز نے کہا چھوڑو ان پچھلوں کو یہ بتاؤ کہ شریعت کے مطابق صحیح ہے یا غلط؟ مولویوں نے کہا غلط' سب نے کہا کہ غلط۔ تو اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ان سب کو بند کردو' دربار کے سارے راستے بند کردو' دروازے بند کردیئے' تلواریں لے کر جلاد سروں پر آگئے' خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے کہا یہ امرِ باطل ہے تو اس کے باطل ہونے کا فتویٰ دو۔ دراصل خلیفہ پر خود تو واضح تھا آشکارا تھا مگر وہ فیصلے کا بار اپنے آپ پر نہیں لینا چاہتا تھا اس لئے نہیں کہ اُسے اس معاملے میں شک وتردد کا سامنا تھا' نہیں بلکہ اس لئے کہ اُسے ماحول کا اندازہ تھا۔ سابقہ حکومتوں نے جو اسی کے باپ دادا پڑدادا پر مشتمل تھیں' انہوں نے ہی یہ امرِ باطل جاری کیا تھا۔ لہٰذا امرِ حق کی طرف پلٹنے کا فتویٰ اس نے مفتیوں پر ڈال دیا کہ لکھو۔ تم نے بہت مفت کا مال کھایا اور حق چھپایا ہے لکھو کہ اب لکھے بغیر کوئی سلامت یہاں سے باہر نہیں نکل سکتا۔

کچھ بھی لکھو' یا تو فتویٰ دو کہ معاذ اللہ علیؑ کافر تھا اور رسولؐ نے اپنی بیٹی ایک کافر کے نکاح میں دی یا یہ لکھو کہ نہیں علیؑ مسلمان تھے۔ لہٰذا مسئلہ تھا بیٹی دینے یا نہ دینے کا۔ اسلام کی اس وقت کوئی بات نہ تھی۔ علیؑ کا بھی مسئلہ نہ تھا لہٰذا اگر علیؑ کو معاذ اللہ کافر لکھتے تو خلیفہ کی بیٹی کافر کو گئی اور اگر علیؑ کو مسلمان تسلیم کریں کہ علیؑ مسلمان تھا' مومن تھا' داماد رسولؐ تھا اور پہلا مسلمان تھا تو سب وشتم کے عدم جواز کا سوال پیدا ہوگا۔

تو اسی لئے تو تاریخوں میں آیا ہے کہ یہ عمر بن عبدالعزیز کا ایک بڑا کارنامہ ہے' اس نے سب مولویوں مفتیوں سے لکھوایا' دستخط لیے اور پورے بلاد اسلامی میں انہیں پھیلا دیا کہ بھئی یہ تمہارے علماء اور مفتیوں کا فیصلہ وفتویٰ ہے اور اب آج سے علیؑ اور اولاد علیؑ پر تبرا اور سب وشتم بند کیا جاتا ہے۔ جس نے اس رسم بد کو جاری کرنا چاہا اس کے درّے لگائے جائیں گے۔ تو آپ نے دیکھا کہ یہ ہے مولائے کائناتؑ پر تبرا اور سب وشتم بند ہونے کا قصہ۔

تو سرکار! اب آپ ہی بتایئے اس شخص کے تنہا اس روش کے باعث کیا اس کی گاڑی چل سکتی تھی۔ نہیں اس کا دوسرا کارنامہ جس کی طرف میں اشارہ کر چکا ہوں' اس نے آل مروان سے فدک واپس لیا اور بیت المال میں داخل کر دیا۔ لیکن نہیں کچھ مورخین نے لکھا ہے کہ اس نے نبی فاطمہ کو فدک واپس کر دیا کہ یہ تمہارا ہے اگر حدیث یہ تھی کہ رسولؐ کا وارث کوئی نہیں ہوتا' تو یہ مروان اور آلِ مروان کہاں سے وارث ہو گئے؟ لہٰذا ان اقدامات اور ایسے اقدامات کے نتیجے میں اس کی گاڑی زیادہ دیر تک نہیں چل سکی اور عمر بن عبدالعزیز کو بھی زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا۔

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ ۱۰۱ ہجری میں یہ مر گئے۔ لیکن اسی تاریخ ابن خلدون کے حاشیے پر تفصیلی واقعہ کامل ابن اثیر سے لکھ دیا کہ بنوامیہ نے ہی عمر بن عبدالعزیز کے غلام سے اسے زہر دلوا دیا تھا۔ جب زہر کا اثر ظاہر ہونے لگا تو عمر بن عبدالعزیز نے غلام سے پوچھا کہ تو نے مجھے زہر کیوں دیا' تو اس نے اقرار کیا کہ مجھے ایک ہزار دینار اس کام کا معاوضہ دیا گیا ہے کہ تجھے زہر دوں۔ اس نے وہ دینار غلام سے واپس لیے اور بیت المال میں داخل کر دیئے۔ غلام سے کہا میرے مرنے سے پہلے اتنی دور چلا جا کہ کسی مسلمان کے ہاتھ نہ لگ سکے۔

یہ اس کا آخری وقت تھا لہٰذا اس نے اپنے قاتل کو بھی بھگا دیا۔ ۱۰۱ ہجری میں جوان عمری میں یہ بھی راہی ملک عدم ہوا۔ یہ مختصر مختصر آپ کو واقعات سنا رہا ہوں۔ سن اس لئے آپ کو بتاتا چلا جا رہا ہوں کہ کل پھر کوئی مجھ سے سوال نہ کر بیٹھے کہ فلاں صاحب کس سن میں

تھے؟ ایسا ہی ایک سوال میری جیب میں اس وقت بھی پڑا ہوا ہے ذکر کروں گا تو وہ بُرا مان جائیں گے۔ میں اس انداز میں ہی جواب دے سکتا ہوں' وقت کا بھی مسئلہ ہوتا تھا۔ باتوں کی تکرار کروں گا تو وقت ضائع ہوگا لہذا محدود وقت میں ہی نتیجے تک پہچانا ہے۔آپ سے بھی گذارش ہے کہ بے مقصد سوال کر کے وقت ضائع نہ کرائیں۔

۱۰۱ ہجری سے ۱۰۵ ہجری عبدالملک کا تیسرا بیٹا یزید بن عبدالملک تخت پر بیٹھا۔ مورخین اس کی تعریف لکھتے ہیں کہ یہ صغیر سنی سے ہی' بچپن سے ہی' عیاش' اوباش' شرابی اور بدکار تھا' اور اتنا عیاش تھا کہ اس کی موت بھی بقول مورخین ایک کنیز کے غم میں ہوئی۔ اس کی ایک کنیز جس سے وہ حد درجہ محبت کرتا تھا' مرگئی۔ پندرہ دن بعد یہ بھی اس کے غم میں اس کے پاس پہنچ گیا' یعنی یہ بھی مر گیا۔ یہ عیاش تھا' کنیزوں پر ایسی جان دیتا تھا کہ خود ایک کنیز کے فراق میں پندرہ دن میں ہی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ مورخین نے اس کنیز کا نام بھی لکھا ہے۔ یہ سلطنت کے کسی کام سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔

اس کے بعد ہشام بن عبدالملک خبیث تخت پر بیٹھا' قاتلِ امامؑ ۔ اس کی سلطنت ۲۰ سال تک قائم رہی ۔ ۱۰۵ہجری سے ۱۲۵ہجری تک۔ اسی کے دور میں جناب زیدؓ بن علیؑ نے قیام کیا۔ یہ شیعیان حیدرِ کرّار کی تاریخ کے ہیرو ہیں۔ جیسا کہ ان کے قیام کے بارے میں پڑھ چکا ہوں ۔ ان کی لاش بغیر سر کے چار سال تک باب کناسہ پہ لٹکی رہی' یہاں تک کہ ۱۲۵ ہجری میں ہشام بن عبدالملک جہنم واصل ہوا۔

۱۲۵ ہجری میں ولید بن یزید بن عبدالملک تخت پر بیٹھا۔ اس کا دور حکومت صرف ایک سال رہا۔ اسی کے دور میں جناب زید شہید کے بیٹے یحییٰ بن زید جُرجان کے مقام پر شہید کیے گئے اور جب ان کا سر خلیفہ کے پاس پہنچا تو اس وقت جناب زیدؓ کے ڈھانچے کو آگ لگائی گئی اور راکھ دریا میں بہادی گئی۔

ولید کے بارے میں ایک انوکھا واقعہ سن لیجئے آپ' ولید ابن یزید جو خلیفہ ہے۔ اس کے بارے میں لکھا ہے کہ جناب ایک بار وہ قرآن پڑھ رہا تھا۔ اس میں ''جبّارِ عنید'' کا ذکر آ گیا تو اس نے قرآن کو پھاڑ کر پھینک دیا تھا۔ یہ ابن خلدون لکھ رہا ہے' ہم نہیں لکھ رہے

بھائی، ہم سے ناراض مت ہونا، جا کے اپنی کتابوں کو پہلے آگ لگاؤ، پھاڑو دریا میں پھینکو پھر ہماری کتابوں پہ پابندی کی باتیں کرو، ہماری ہر کتاب میں، آپ کو میں یقین دلاتا ہوں، یقین کر لیجیے گا ہماری ہر کتاب پہ پابندی لگ جائے۔ پھر بھی ہمیں کچھ ضرورت نہیں ہے۔ جب تک یہ اپنی کتابوں پہ پابندی نہیں لگوائیں گے، جب تک یہ اپنی کتابوں کو نہیں پھاڑیں گے ہماری کتابوں پہ پابندی لگ بھی جائے ہمارے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہے، ہمیں سب معلومات ملتی رہیں گی، ہمیں معلوم ہے تم نے کون سی بات کہاں لکھ رکھی ہے؟ تم نے کہاں محفوظ کی ہوئی ہے کوئی بات۔

ہمیں اپنی کتابوں کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ ہماری کتابیں تو کتنی ہی بار جلائی جا چکی ہیں۔ یہ جو سینہ بہ سینہ علم منتقل ہو رہا ہے، میں تو جاہل آدمی ہوں، مگر ہمارے علماء کو خدا نے توفیق دی ہوئی ہے، وہ پھر اکٹھا کر کے بنا دیتے ہیں کہ یہ لو بھئی یہ ہے حقیقتوں کا دفتر، پھر تیار ہے، پھر جلاؤ۔

تو میں عرض کر رہا تھا ولید ابن یزید نے جبار عنید کا ذکر دیکھ کر قرآن کو پھاڑ کر پھینک دیا اس پر تیر برسائے۔ یہ تاریخ ابن خلدون کے الفاظ ہیں۔ تراجم مختلف ہیں، دوسری جلد میں کہیں صفحہ نمبر ۲۸۰ ہے تو کہیں ۳۱۳۔ جا کر ملاحظہ کر لیجیے۔ دوسری جلد یا دوسرا حصہ، تاریخ ابن خلدون، حصہ اوّل، حصہ دوم، کتاب میں عنوان ہے خلافت معاویہ وآل مروان۔ دوسری جلد کی بات کر رہا ہوں۔ صفحہ نمبر ۲۸۰۔ یا ۳۱۳ یہ نسخوں کا فرق ہے ترجموں کے، اور کوئی بات نہیں ہے۔

ولید بن یزید بن عبدالملک قرآن کو پھاڑ رہا ہے، اس کو جلا رہا ہے اس پر تیر برسا رہا ہے۔ ایسی دشمنی ہے اسے قرآن سے۔ لیکن دل کا غبار صاف نہیں ہوتا۔ غصہ ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ اللہ سے جنگ کرنا اور کسے کہتے ہیں؟ یہ سب کچھ کرنے کے بعد شعر کہتا ہے۔ ابن خلدون کہتا ہے کہ وہ شعر بوسیدہ کاغذ پر تھے اس لئے میں نے لکھے نہیں۔ بچا گیا اسے لیکن اس کا دوسرا بھائی کامل ابن اثیر لکھ گیا اور ابن خلدون کے حاشیے پر حاشیہ لکھنے والوں نے یا حاشیہ برداروں نے نقل بھی کر دیئے کہ وہ شعر یہ تھے۔ جو اس نے کہے اور انہوں نے نقل کیے۔

خلدون نے پہلو بچانا چاہا مگر ابن اثیر باز نہ آیا۔ ترجمہ کرنے والے ہم ہیں نہ حاشیہ لگانے والے ہم' یہ یاد رکھئے گا' سب کچھ انہی کا ہے کہا کہ وہ شعر یہ تھے۔

وہ شعر کیا تھے مسلمانوں کے خلیفہ کے' ولید بن یزید بن عبدالملک بن مروان کے۔ سنئے اور سر دھنئے۔

تهدد ونی بجبار عنید فها انا ذاك جبار عنید

اذا ما جئت ربك يوم حشر فقل يارب مرقنی الوليد

کہتا ہے (قرآن کو مخاطب کر کے جب کہ یاد رہے کہ ارشاد تو اللہ کا ہے) تو مجھے جبار عنید سے ڈراتا ہے' دھمکی دیتا ہے' خبردار! میں ہوں جبار عنید۔ میرے سوا کوئی جبار عنید ہے؟ اور جب تو (پھٹے ہوئے تیر باران شدہ قرآن کو مخاطب کر کے ولید کہتا ہے) قیامت کے دن اپنے رب کے پاس جانا تو اس سے کہنا کہ میرے پروردگار! مجھے ولید نے جلا ڈالا' مجھے ولید نے پھاڑ ڈالا۔

یہ ہے مسلمانوں کا اولی الامر' مسلمانوں کا خلیفہ ولید بن یزید' میں نے اسی لئے تاریخوں کے نام بھی آپ کے سامنے بیان کر دیئے ہیں تا کہ کوئی یہ ظلم نہ کرے کہ ہم سے گلہ مند ہو کہ ہم ان کے خلیفہ کو برا کہہ رہے ہیں۔ پڑھ لیں' آپ نے کیوں لکھا؟ آپ نے کیوں برا کہا ہے اگر یہ لوگوں کو بتانے کی بات نہیں تھی تو آپ نے چھاپ کیوں دی۔ ترجمہ کر کے آپ کیا سمجھ رہے تھے کہ کوئی پڑھے گا نہیں' نہیں ہم تو پڑھتے ہیں' لوگ پڑھنے والے ہیں اور وہ حقیقتوں کو گہرائیوں میں سے کھود کھود کر نکالتے ہی رہتے ہیں۔

اس جاری بات کو چند منٹ میں ختم کر دوں پھر گفتگو کا نتیجہ نکالوں گا۔

۱۲۶ ہجری میں اس کے چچازاد بھائی' ان کے نام ایسے ہیں کہ گڑبڑ ہو جاتی ہے' اسی لئے ان کے نام بڑی مشکل سے سنبھل سنبھل کر لیتا ہوں' یہ ولید ابن یزید ابن عبدالملک تھا' چچازاد بھائی یزید ابن ولید' اس نے اس کا کام تمام کیا' ایک سال میں ہی وہ خود آ کر تخت خلافت پر بیٹھ گیا۔ ۱۲۶ ہجری میں ایک سال تک اس کی حکومت رہی۔ اس کا بھی صفایا کیا'

اسی کے بھائی ابراہیم بن ولید نے' پھر اس کا صفایا کیا مروان ابن محمد ابن مروان نے جو آخری اموی خلیفہ تھا جس کو الحمار بھی کہا جاتا ہے' مروان الحمار کے نام سے بھی معروف ہے۔ یہ تھا آخری اموی خلیفہ۔ اب بیان کو ختم کروں گا لیکن ختم کرنے سے قبل آپ کو ائمہؑ کی اس روش کے بارے میں بھی بتاتا چلوں جو انہوں نے اموی حکومت کے خاتمے کے لئے شروع ہونے والی عباسی تحریک کے سلسلے میں اختیار کئے رکھی۔

عزیزو! میں نے عرض کیا کہ میں دو موضوعات لے کر چل رہا ہوں۔ امامت اور ملوکیت اور یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں ۔ حالانکہ مورخین نے بڑی کوشش کی کہ مختارؒ کے قیام کو' سلمان کے قیام کو اور زیدؒ کے قیام کو' عباسیوں کے قیام سے پیوست کردیں' جوڑ دیں۔ پھر کہیں کہ سب ایک ہی طرح کی تحریکیں تھیں جو بعد میں عباسی رنگ پکڑ گئیں اور ابو مسلم خراسانی کیونکہ محبّ اہل بیت تھا لہٰذا اس وعدے پر اس نے عباسیوں کا ساتھ دیا کہ عباسی کامیابی کے بعد خلافت کو اہل بیت طاہرینؑ کے حوالے کردیں گے۔ اسی معاہدے کے نتیجے میں وہ میدان عمل میں آیا' اور ابو مسلم خراسانی عباسیوں کا سب سے بڑا جرنیل تھا۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ جب ابو مسلم خراسانی چھٹے امامؑ کی خدمت میں آیا کہ میں آپؑ کی بیعت کرلوں تو آپؑ نے اسے بھگا دیا کہ ہمارا تم سے کیا واسطہ؟ پانچویں امامؑ نے بھی ایسا ہی کیا۔ آخر کیوں؟

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ائمہؑ اس پر پورا زور دیتے ہیں کہ خلافت ہمارا حق ہے مگر جب موقع مل رہا ہے تو امامؑ اس سے کیوں گریز کررہے ہیں؟ کیوں منع فرمارہے؟ فوج بھی مل رہی ہے' یہ عذر بھی ختم ہوگیا کہ افراد کی قلت ہے۔ یہ خراسان کا اتنا بڑا لشکر' اب کیا عذر ہے؟

یہی فرق تو ہے' ایک منظر میں آپ کو دکھاؤں گا اور نتیجہ پیش کرکے آج کی مجلس ختم کروں گا۔ جب عباسیوں نے بلاد اسلامیہ پر' اسلامی مملکت پر مکمل طور پر قابو پالیا تو دیکھئے انہوں نے بھی اپنے دشمنوں کا کیا حشر کیا؟ صرف ایک منظر پیش کررہا ہوں' تاریخ تو ایسے مکروہ مناظر سے بھری ہوئی ہے' امویوں پر قابو پانے کے بعد انہیں شکست سے دوچار کرنے

کے بعد عباسیوں نے ان امویوں کی لاشوں کو بھی قبروں سے نکال کر جلا ڈالا' ڈھانچوں کو جلایا' جس کی کھوپڑی بچی تھی اس کی کھوپڑی جلائی' جس کی ٹانگ بچی تھی' اس کی ٹانگ جلائی۔ ہشام کا تھوڑا سا جسم بچا تھا اس کو بھی قبر سے نکال کر نذر آتش کیا۔ قبروں کے نام ونشان تک مٹا دیئے اور جو زندہ ہاتھ لگ گیا' اس کا بھی یہی حشر کیا۔ ان کو قتل کیا' سروں کو جسموں سے جدا کیا' جسموں میں بھوسہ بھرا اور آگ دکھادی۔

ایک اور منظر دکھادوں۔ ابن خلدون کہتا ہے بنو امیہ کے ۸۰۔ افراد کو تیروں تلواروں سے مارا' ابھی جان نہیں نکلی تھی ان زخمیوں اور نیم مردہ افراد کی تو عباسیوں نے ان پر قالین بچھایا' دستر خوان سجایا اور کھانا کھا رہے ہیں' ناشتہ کر رہے ہیں۔ ایسے عالم میں کہ ان کی کراہیں' چیخیں سنائی دے رہی ہیں۔ یہ ہوتا ہے انجام جب ایک ظالم دوسرے ظالم سے ٹکراتا ہے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی دعا ہے کہ پروردگار! ہمارے دشمنوں کو ان ظالموں کو آپس میں ٹکرا دے۔ تو جب یہ ٹکرائے تو یہ انجام ظاہر ہوا۔ اب تاریخ کیا کہتی ہے؟

اچھا بھئی جنہوں نے یہ کیا بنو امیہ کا حشر، وہ بھی صحیح۔ اب دیکھیں نا! ان کو بھی صحیح کہا جا رہا ہے۔

بنو عباس بھی صحیح ہیں۔

بنو امیہ بھی صحیح ہیں۔

کہا وہ بھی صحیح ہیں ان کو بھی تو مارا تھا۔

بھئی تو دوسروں کے بارے میں کیا خیال ہے؟

کہا صحیح اجتہاد تھا' جنگ میں تو ایسا ہوتا ہی ہے۔

جنگ میں تو انتقامی کاروائی ہوتی ہی ہے۔

بنو امیہ بھی درست ہیں ان کو بھی ملامت نہ کرو۔

بنو عباس بھی غلط نہیں' ان کو بھی برا مت کہو۔

اور خواہ کسی نے کسی کو بھی قتل کیا ہو' اب کسی کو بھی برا مت کہو' مرنے والوں کو برا کہنا مناسب نہیں مگر اس وقت یہ اصول ٹوٹ جاتا ہے جب مرنے والا علیؑ کا چاہنے والا ہو' اس

وقت مرنے والا برا کہنے کے قابل ہوجاتا ہے۔

مختارؒ کو تاریخیں کذاب لکھیں یا جو جی چاہیں لکھیں، لکھتی رہیں۔ اب کوئی نہیں کہتا کہ یہ بھی صحیح ہے۔ جب تمہارا اصول ہی یہ ہے کہ سب صحیح ہیں تو مختار کو بھی صحیح کہو، سلمان کو بھی صحیح کہو، زید کو بھی صحیح کہو، کیونکہ آپ کی نظر میں تو سب صحیح ہیں، سب نے اجتہاد کیا ہے، پھر یہ صحیح کیوں نہیں؟ لیکن نہیں یہاں آ گئی محبت اہل بیتؑ کی بات۔ لہذا اب زبانیں گنگ رہیں گی، قوت گویائی پہ سکتہ طاری رہے گا۔

اب ائمہ طاہرینؑ کا باب سامنے لاتا ہوں تا کہ آپ پر وہ اسباب روشن ہوجائیں جن کی بنیاد پر امامؑ ان ظالموں کی ملوکانہ عزائم سے معمور تحریکوں سے علیحدہ ولاتعلق رہے۔ فتح مکہ کے بعد اللہ کے رسولؐ مکہ میں داخل ہوئے، امن وامان اور عافیت وعطوفت کے پیامبر بن کر، کوئی قتل وغارت نہیں، کوئی خون کی ہولی نہیں، کوئی انتقامی کاروائی نہیں، کوئی بغض وعناد کا اظہار نہیں، غور فرمایا آپ نے امامت ورسالت کا مزاج کیا ہے؟ معاف کردیا جائے، علیؑ دشمن کے سینے سے اتر جائے گا، علیؑ دشمنوں کو شکست دینے کے باوجود ان کے کشتوں کی بے حرمتی نہیں کرے گا۔ جمل میں، نہروان میں، صفین میں غرض کہیں بھی علیؑ ان کا مال واسباب نہیں لوٹے گا۔ نہیں لے جاؤ اپنا مال واسباب، خواہ علیؑ کے لشکر کے بعض نادان اس بات پر چیں بہ جبیں بھی ہوں مگر امامت لوگوں کی خاطر اپنی ذمہ داری سے دستبردار نہیں ہوسکتی، اپنی روش کو ترک نہیں کرسکتی۔

تو عزیزو! اس وقت جب اموی ناکامی وشکست سے دوچار ہورہے تھے اور عباسی ان پر فتح پانے میں کامیاب ہورہے تھے وہ وقت اماموں کے لئے نہایت حساس وقت تھا، ہر چند کہ اماموں کی زندگی کی ظاہری روش گوشہ نشینی پر مشتمل نظر آتی ہے۔ کیونکہ امامؑ ہر دو ظالموں میں سے کسی ایک سے بھی ہم آہنگی نہیں بڑھائیں گے۔ دونوں ظالم ہیں، دونوں کا ہدف و مقصد حصولِ اقتدار ہے۔ اس کشمکش میں بنوعباس کا ساتھ دے دیا تو بنوعباس بھی کم ظلم وستم ڈھانے والے نہیں ہیں اور پھر ایسا کرنے سے تو یہی قرار پائے گا کہ اپنے جذبہ انتقام کی پیاس بجھانے کے لئے امامؑ نے بنوعباس کا ساتھ دیا۔ لہذا تاریخ گواہی دیتی ہے کہ اولاد

رسولؐ نے اسی لئے بنو عباس کے معرکے سے خود کو الگ رکھا' ائمہ طاہرینؑ نے اپنے آپ کو دور رکھا تھا کہ تمہاری جنگ اختیار و اقتدار کے حصول کے لئے ہے۔

اسی دوران امامؑ کے گرد مدینے میں مجمع بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ چوتھے' پانچویں اور چھٹے امام کی زندگی پر نظر ڈالئے۔ دشمن جنگ میں مصروف ہیں' امامؑ دین کی تبلیغ میں مصروف ہیں کہ دیکھو! امامت یہ ہے' اسلام یہ ہے' اس کی تبلیغ و ترویج اس طرح سے ہوتی ہے' تلواروں کی جھنکار سے اسلام نہیں پھیلا ملوکیت پھیلی ہے۔

میں کل کی طرح آج آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا لیکن بات کو مکمل کئے بغیر بھی آگے نہیں نکلوں گا۔ دیکھئے! اس منزل کو' اس ذمہ داری کو سمجھئے جو اماموں کو درپیش رہی۔ یہ دور خانہ جنگی اور قتل و غارت گری کا دور ہے۔ یہی موقع ہے جب کربلا کے زخموں کو دل پہ لئے چوتھے امامؑ ۳۵ برس تک اپنی ذمہ داری سرانجام دیں گے۔ ایسا عظیم کارنامہ سرانجام دیں گے جو بعد کے ائمہؑ کے لئے آگے بڑھنے کی راہ ہموار کردے۔ ہر امامؑ کی اپنی ایک کربلا ہے' ہر امامؑ کی کربلا ایک جداگانہ حکمت عملی کی متقاضی ہے لہذا ہر امامؑ ظاہراً خواہ گوشہ نشین ہی نظر آئے' اپنی کربلا میں اپنی ذمہ داری کی انجام دہی میں مصروف نظر آئے گا۔

علیؑ کی اپنی کربلا تھی' اس کے اپنے تقاضے تھے جسے آپؑ نے اپنے عہد کے تقاضوں کے مطابق انجام دیا۔ حسنؑ اپنے عہد کی کربلا میں کامیاب ہوئے' حسینؑ اپنی کربلا سے سرخرو ہوئے۔ اب علیؑ ابن الحسینؑ کو اپنی کربلا کا سامنا ہے۔ وقت بدل چکا ہے۔ پرانے دشمنوں کو زیر کرنے والوں میں بعض نادانی سے اور بعض مکاری سے خود کو خاندان رسالت کا ہمدرد ظاہر کر رہے ہیں مگر امامؑ کو ان سے کیا سروکار؟ امامؑ اقتدار کے لئے بچھائی جانے والی بساط جنگ میں دونوں ظالموں میں سے کسی کا بھی ساتھ نہیں دیں گے۔ پرانے دشمنوں کا عناد تو ایک عالم پر ظاہر ہو چکا ہے۔ نئے لوگ البتہ ابھی تک محبت اہل بیتؑ اور کہیں کہیں رشتے ناطوں کی بھی دہائی دے رہے ہیں مگر امامؑ کی الٰہی بصیرت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی کربلا کا میدان دوسروں کی نہیں اپنی مرضی اور صوابدید سے معین کریں اور آپؑ نے ایسا ہی کیا بھی۔

واقعہ کربلا ہو گیا ہے' اب ۳۵ سال خون کے آنسوؤں کے ہمراہ ایک اہم کارنامہ

انجام دینا ہے جو قیامت تک دین کے لئے ستون کا کام دے گا۔ کربلا کے پیغام کی تشہیر..... لہٰذا کربلا کو جتنا پھیلایا جاسکتا ہے پھیلا دیا جائے۔

امامؑ ہر وقت' اگر کوئی آجائے یا خود بازار چلے جائیں یا گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں' افراد ملنے آرہے ہیں' مہمان آرہے ہیں واقعہ کربلا کا ذکر جاری ہے۔ واقعہ کربلا' وہ جو آپ ذکر سنتے ہیں کہ ۳۵ سال امامؑ نے گریہ کیا' امامؑ نے اپنی ذمہ داری کو انجام دیا۔ کسی حال میں بھی ذمہ داری سے غافل نہیں ہیں۔ مسلسل واقعہ کربلا بیان کررہے ہیں۔

۳۵ برس تک ایک کام کی انجام دہی' اسے قیامت تک کے لئے زندگی فراہم کرے گی۔ امامؑ جانتے ہیں کہ حسینؑ کا غم قیامت تک تبلیغ و تشہیر دین کا ذریعہ بننے والا ہے۔ لہٰذا مسلسل رورہے ہیں' گریہ کررہے ہیں۔ رونا اور گریہ کرنا ایک ہدف و مقصد کی طرف لے جائے گا۔ امامؑ کو گریاں کناں دیکھ کر چلتا آدمی بھی متوجہ ہوتا ہے۔ تبلیغ کربلا ہورہی ہے۔ کربلا کا پیغام عام کیا جارہا ہے۔ اموی اور عباسی آخری جنگ کی طرف رواں ہونے والے ہیں مگر ابھی تو پہلا دشمن بھی قوی ہے۔ ابھی مدرسہ ومکتب تشکیل نہیں دیا جاسکتا۔

امامؑ اپنی آنکھوں سے جو آنسو بہارہے ہیں وہ قیامت تک دشمنوں کے لئے تلاطم خیز طوفان بنارہے گا۔ ان آنسوؤں سے جو چراغ روشن ہوں گے انہیں کوئی آندھی بجھا نہیں سکے گی۔ پانچویں امامؑ کی کربلا دوسرے انداز کی ہوگی۔ پانچویں امامؑ کا زمانہ وہ ہوگا جب دشمن ایک دوسرے سے کھل کھلا کر نبرد آزما ہوچکے ہوں گے۔ تب بنوامیہ اور بنوعباس آپس میں اقتدار کی جنگ لڑرہے ہوں گے۔ یہی وہ وقت ہوگا جب امویوں کو اطمینان ہوگا کہ یہ نہ تو ہمارے خلاف خروج کررہے ہیں نہ جنگ کررہے ہیں لہٰذا جیسے ہی دشمن غافل ہوگا وقت کا پانچواں امام علمی کربلا کا میدان گرم کردے گا اور ایسا ہی ہوا بھی۔ ادھر اموی عباسی باہم ٹکرائے، پانچویں امامؑ نے مدینے میں کالج اور یونیورسٹی کی بنیاد رکھ دی۔ عزاداری نہیں کی' مجلس برپا نہیں کی؟ کیا پانچویں امامؑ نے کربلا میں سارے مظالم کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کیا تھا؟ اگر سکینہؑ چار سال کی ہیں تو امام محمد باقرؑ پانچ سال کے موجود ہیں۔ لیکن اب ذمہ داری کیا ہے؟ امامؑ نے دیکھا کہ اب بلاتاخیر مکتب کی فکر کو پھیلایا جائے' نظریے کی

ترویج و اشاعت کی جائے۔ لہٰذا ایک دانشگاہ کی بنیاد ڈالی۔ چھٹے امامؑ کا دور بھی یہی دور ہے۔ لہذا چھٹے امامؑ بھی اپنے کام کو معراج تک پہنچارہے ہیں۔ پانچ ہزار شاگرد ایک وقت میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی کلاس میں بیٹھ رہے ہیں۔

پانچ ہزار شاگرد امامؑ کی کلاس میں درس لے رہے ہیں۔ عزیزو! زمانے کے تقاضے ہیں نا! عزاداری کسی دور میں رک نہیں رہی' یاد رکھئے! عزاداری ہورہی ہے' لیکن ہر امامؑ اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق اپنی ذمہ داریوں کو پورا کررہے ہیں' منصب امامت کا جو حق ہے اس کو ادا کیا جارہا ہے۔ جب میں تاریخ پڑھ رہا تھا تو مجھ سے کہا جارہا تھا کہ ائمہؑ کا ذکر ہی نہیں کیا جارہا' وہ ملوکیت کی تاریخ کا بیان ہے اس میں بھی کشمکش میں ذکر آتا رہا لیکن اتنا ہی جتنا وہ حصہ لیں گے۔

چوتھے امامؑ کا قصہ ہی غائب ہے' ذکر ہی نہیں کرتے' کیوں کریں' زیر زمین کام ہورہا ہے' برسرِ زمین کربلا کا شور انگیز واقعہ ہوگزرا ہے' چوتھے امامؑ گریے کی صورت میں عزاداری کی بنیاد رکھ رہے ہیں۔ دشمن کی کور نگاہیں پہچان نہیں سکیں۔ نادان دوست بھی یہی سمجھ رہے ہیں کہ امامؑ نے گوشہ نشینی اختیار کرلی ہے۔

امامؑ کبھی کاہلی کا لباس نہیں پہنتا' امامؑ اپنی فعالیت کا میدان دین کی حکمتوں اور نتائج کے ثمرات کو معین کرکے اپنی ذمہ داریوں کے حوالے سے بناتا ہے سب اماموں کی یہی صورت ہے مگر کام کی نوعیت یکسر مختلف نظر آئے گی۔ یکساں کیسے نظر آسکتی ہے؟ سوال کے مطابق ہی تو جواب دیا جائے گا۔ مرض کے مطابق ہی تو دوا تجویز ہوگی۔ نہ سب کے سوال ایک جیسے ہوتے ہیں کہ سب کو ایک ہی جواب پر رکھا جائے' نہ سب کے امراض کے لئے ایک ہی دوا کارگر ہوسکتی ہے۔ پیغام صحت ایک ہے مگر تدبیر جدا انداز کی۔ وہ ملوکیت کی تاریخ ہے جو امامت کی تاریخ کے متوازی چل رہی ہے۔ دریا کے دو کنارے ہیں جو ساتھ ساتھ چل رہے ہیں لیکن کبھی ملیں گے نہیں ایک دوسرے سے۔ یہ امامت کی تاریخ چل رہی ہے' امام اپنی ذمہ داریوں کو پورا کررہے ہیں' عزاداری بھی اس طرح چل رہی ہے۔

پانچویں اور چھٹے امامؑ کا دور ایسا ہے کہ تھوڑی سی عافیت کی مہلت میسر آگئی لہٰذا ج

کے دنوں میں اور عام دنوں میں چند لوگوں کو مکے کی راہوں پر بٹھا دیا اور واقعہ کربلا کو بتایا جارہا ہے' مخصوص انداز میں واقعات شہادت بیان ہو رہے ہیں۔ لوگ آرہے ہیں۔ مخصوص انداز میں مجلس کی بنیاد رکھی جارہی ہے' امام واقعہ کربلا کی بھی ترویج کر رہے ہیں۔ عرفات کے میدان میں دیگیں چڑھی ہوئی ہیں' امامؑ کے خیمے میں مجلس برپا ہے۔ لوگ سن رہے ہیں۔ امامؑ کسی بھی چیز اور کسی بھی ضرورت سے غافل نہیں ہیں لیکن ہر دور کے تقاضوں کے مطابق اپنی ذمہ داریوں کو پورا ہونا ہے۔ عزاداری کی بھی ترویج ہو رہی ہے اور ذمہ داریوں کو بھی انجام دیا جارہا ہے۔

تو عزیزو! کبھی دھوکہ مت کھاؤ۔ کچھ لوگ کبھی کہتے ہوئے پائے جاتے ہیں کہ ہمیں تو پیدا ہی عزاداری کے لئے کیا گیا ہے۔ عزیزو! ذمہ داری اور عزاداری میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ذمہ داری سے عزاداری کرو اور دیگر ذمہ داریوں کا عرفان حاصل کرو۔ عزاداری ہدف نہیں' ہدف تک پہنچنے کا ذریعہ ہے ہدف کیا ہے؟ معاشرے میں ائمہؑ کے مقاصد کے لئے جدوجہد۔

عزاداری نے تو ہمیں زندہ رکھا ہے اس لئے ائمہؑ نے پوری کوشش کی ہے کہ عزاداری باقی رہے' جب تک عزاداری باقی رہے گی' عزاداری زندہ رہے گی' یہ لوگ جمع رہیں گے' حسینؑ کے نام پر جمع ہوسکتے ہیں' اس کے بغیر نہیں۔ حسینؑ نے پلیٹ فارم مہیا کر دیا ہے' حسینؑ نے جگہ فراہم کر دی ہے' حسینؑ نے یونیورسٹی فراہم کر دی ہے۔ حسینؑ نے کالج فراہم کر دیا ہے' اب یہ آپ کی اپنی ذمہ داری ہے کہ آپ اس کو کیسے استعمال میں لاتے ہیں۔ یہ عزاداری کا معجزہ تھا' ہے اور جاری رہے گا۔ یہ مجالس حسینؑ کا فیض ہے جو جاری رہے گا۔ ہمیں تو ساری زندگی حسینؑ کا غم منانا ہے' رونا ہے لیکن وقت کے تقاضے کیا کہتے ہیں؟ حالات ہم سے کس بات کا تقاضا کرتے ہیں؟ اور ہم سے ہمارا عہد کس بات کا متقاضی ہے؟

آپ بتایئے مجھے' عقل کیا کہتی ہے یہ تو چل رہا ہے سلسلہ' عزاداری ہماری زندگی ہے' ہماری روح ہے' ہماری جان ہے' لیکن ہمارے دور کے کچھ تقاضے ہیں۔ ہم سے' عقل کیا کہتی ہے کہ ہاں اس پر بھی غور کرنا پڑے گا' تو اس پر کیسے غور کریں؟ حسینؑ نے تو تم کو محرم' صفر

سب کچھ دے دیا کرو غور، بیٹھو مل کے اور سوچو کہ ہم کس دور سے گزر رہے ہیں؟ اس دور میں تمہیں کیسے چلنا چاہئے۔ اس دور میں تمہیں کس طرح کے کالج یونیورسٹیاں بنانی چاہئے۔ اس دور میں تمہیں دوسری ہر قوم سے علم کے میدان میں آگے ہونا چاہئے۔

علم کے میدان میں سب سے بڑی جنگ سب سے بڑا جہاد قلم سے کیا جاتا ہے۔ یاد رکھئے گا! علم سے، یعنی علم کے ذریعے سے۔ علم سے بڑا کوئی جہاد نہیں۔ جہاں علم ہوتا ہے تو وہ قومیں کبھی فنا نہیں ہوتیں، نہ ان کو کوئی فنا کر سکتا ہے۔ جو اپنے دماغ کو حرکت میں رکھتی ہیں، جو اپنی فکر کو زندہ رکھتی ہیں، افراد کے گھٹنے سے بڑھنے سے لوگ یا قومیں ختم نہیں ہوا کرتیں۔ یہ فکر ہے جو قوموں کو مارتی ہے اور زندہ کرتی ہے۔ چینی ساٹھ کروڑ کی تعداد میں تھے لیکن دیکھئے آپ! ڈیڑھ سو دو سو سال تک غلام بنے رہے کیوں؟ اس لئے کہ فکر توانا نہیں تھی۔ ان کو نشہ پلا پلا کے افیم پلا پلا کے پوری قوم کو افیمی بنا دیا تھا۔ تو تعداد کی کثرت نے ان کو کوئی فائدہ دیا؟ نہیں دیا، جب فکر زندہ ہوئی تو پوری قوم مثالی قوم بن گئی۔

اس طرح ایک چھوٹی سی قوم، دنیا میں ڈھیروں مثالیں بکھری پڑی ہیں، وہ اٹھی اور پوری دنیا پر چھا گئی۔ فکر جب زندہ ہوتی ہے، چاہے وہ جاپانی قوم ہو، چاہے وہ جرمن قوم ہو، کوئی بھی قوم ہو۔ آپ دیکھیں کہ تعداد سے کوئی فرق نہیں پڑتا یہ فکر ہے جو بیدار رکھتی ہے اور جو بیدار رہیں وہی قومیں زندہ رہتی ہیں حکومت کرتی ہیں۔

تو عزاداری حسینؑ کے بارے میں آج ایک اور سخت بات آپ سے کرنے جا رہا ہوں۔ لوگ مجھ سے کہہ دیتے ہیں یعنی میرے گلے میں پھندا ڈال دیتے ہیں کہ یہ بھی کہہ دیجئے، پہلے تو میں کہتا ہوں کہ بھیا کیا میں ہی رہ گیا ہوں تمہارے لئے، ساری باتیں بتانے کے لئے اور بھی تو بہت سارے ہیں؟ پھر سوچتا ہوں کہ نہیں کہہ ہی ڈالو میں ہی کہہ ڈالوں۔ میں ہی خود پر سارے الزامات لے لوں۔ لہذا جوانوں سے میری خصوصاً اپیل ہے، التجا ہے، بات پھر وہی آجاتی ہے کہ صاحب ایسی باتیں لاؤڈ اسپیکر پر نہ کروں۔ تو پھر کہاں کروں؟

سب جانتے ہیں، دیکھ رہے ہیں، سن رہے ہیں کوئی چیز ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ یہ ہماری جو نئی نسل ہے نا! یہ جو ہمارے جوان ہیں۔ یہ ہمارا سرمایہ ہیں۔ یہ ہمارے بچے ہمارا سب

سے قیمتی سرمایہ ہیں ہماری آبادیوں میں بعض جگہوں پہ جو کیفیت ہے جو صورت حال ہے اخلاقی طور پر یا بعض مخصوص مقامات پر' بہت ہی معذرت کے ساتھ اشاروں میں۔ آپ سمجھئے گا بات کو کہ جس ڈگر پہ ڈالا جارہا ہے ہماری نئی نسل کو کہ جناب مجلس کے بعد بیٹھ گئے اور اس کے بعد یوں سمجھ لیجئے کہ میں کیا عرض کروں آپ سے سگریٹ ہی کی مثال لے لیں، یہ کوئی اچھی چیز تو نہیں ہے؟

آپ امام حسینؑ کے نام پہ گھر سے نکلے ہیں ماتم کرنے انجمن جارہی ہے۔ گھر سے مجلس کا تہیہ کر کے گئے ہیں اور باہر نکل کے دوسری سرگرمیوں میں پڑ گئے تو میں اس کو استعماری سازش کہتا ہوں کہ ان کی نسلوں کو بگاڑ دو' اخلاق خراب کردو۔ جب یہ اخلاقی بگاڑ سے دوچار ہوجائیں گے تو پھر کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ ایک اشارے سے بات خود ہی سمجھ لیں میں نے ایک اشارہ آپ کو دے دیا ہے کہ ہماری آبادیوں میں یا ہمارے علاقوں میں جو بڑے پروگرام ہوتے ہیں' درد رکھنے والے دوستوں نے مجھ سے یہ بات کی جو انجمنوں کے بانی ہیں' جو انجمنوں کو لے کر جاتے ہیں' انہوں نے مجھ سے دردِ دل کہا ہے کہ مولانا آپ بات کریں تو شاید لوگوں کی سمجھ میں آجائے۔

نہیں عزیزان محترم! اپنے بچوں کو خراب مت ہونے دینا۔ ایسا نہ ہو کہ یہ اتنا بڑا پلیٹ فارم جو ہمیں دیا گیا ہے برباد ہوجائے۔ اشاروں میں آپ سمجھ لیا کیجئے! ہماری نسل میں ایک سازش کے تحت یہ عادات ڈالی جارہی ہیں؟ سگریٹ کی عادت ہی کو دیکھ لیں یہ بھی بری عادت ہے۔ بڑے فخر سے خوب ماتم کیا اور وہاں جاکے بیٹھ گئے اور وہ کچھ کرتے ہیں کہ میں کیا عرض کروں آپ سے' کیا کیا دل میں رہ جاتا ہے جو میں نہیں کہہ سکتا۔ کیا کچھ ہوتا ہے آپ جانتے ہیں' آپ سمجھتے ہیں' کہ کیا کچھ نہیں ہورہا۔

عزیزو! حسینؑ خوش ہوگا ان باتوں سے' بڑے فخر سے ایک صاحب نے بتایا کہ ایک جگہ بہت سارے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ اچھے بھلے لوگ، پڑھنے والے، مخصوص چیزیں وہاں لائی گئیں سگریٹیں بھری گئیں پھر اس کے بعد کیا کیا؟ پھر اس کے بعد جا کر منبر پر وہ پڑھ رہا ہے۔ بڑا برا لگ رہا ہوگا آپ کو کہ یہ میں لاؤڈ اسپیکر پر کیا کہہ رہا ہوں۔ لیکن میرے دوستو!

میں کہاں کہوں؟ مجھے بتائیں کس سے کہوں؟ اسی کو سمجھ لیں کچھ ذمہ داری آپ کی ہے، کچھ میری، اور اپنی ذمہ داری تو میں پوری کرر ہا ہوں میں جانتا ہوں کہ کتنی گالیاں مجھے سننی پڑتی ہیں۔ٹیلیفون پہ مجھے کیا کیا کہتے ہیں۔ پرچوں میں کیا کیا لکھ کے بھیجتے ہیں۔لیکن ٹھیک ہے کمرِ ہمت باندھی ہوئی ہے' چوکھی اسی کو تو کہتے ہیں۔ ساری مخالفتوں کے ساتھ ایک یہ مخالفت بھی سہی' لیکن میں عرض کرر ہا ہوں شاید ذہنوں میں آپ کے پیغام پہنچ جائے کہ کدھر چلے جارہے ہیں ہمارے بچے اور جوان ؟ جوانوں سے اپیل کرر ہا ہوں تمہارا دشمن تم کو اس ڈگر پہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔آئے مجلس کے لئے مگر ہوٹلوں میں جا کے بیٹھ گئے۔ یہ اچھی چیزیں تو نہیں ہیں۔ یہ اچھی عادات تو نہیں ہیں۔نسلیں بگڑ جاتی ہیں۔ دشمن ہماری نسلیں تباہ کرنے کے درپے ہے لیکن تباہ نہیں کر سکتے۔ یہ بھی یاد رکھئے گا۔ابھی ہمارے وہ بزرگ زندہ ہیں جن کی نظریں حالات کے تیور دیکھ رہی ہیں۔ جو متوجہ کرر ہے ہیں مسائل کی طرف کہ آپ ان مسائل کو بھی چھیڑیں اگر چہ عرف عام میں مجلس سے ان مسائل کا کوئی تعلق نہیں ہے ۔ٹھیک ہے تو معذرت چاہتا ہوں جیسے چھٹی مجلس میں کہا تھا کہ میری اسی گفتگو کو بھی انڈر بریکٹ کر کے مجلس سے باہر نکال دیجئے گا۔

عزاداران حسینؑ ! ہر امام اپنے دور کی کربلا بناتا رہا۔۳۵ سال چوتھا امام بھی خون کے آنسو روتا رہا تو عزیزو! ساری قربانیاں اس لئے ہیں کہ ہمارا پیغام عام ہوتا چلا جائے' آج کتنی آزادی سے میں آپ کے سامنے بات کہہ رہا ہوں ممکن ہے کل آپ کے درمیان نہ ہوں لیکن عزیزو! اور جگہ یہ بیان عام ہوگا لیکن وہ دور جو جس کا دور تھا اس میں تو خود امامؑ کو بھی اتنی فرصت اور اتنا موقع نہیں تھا کہ آزادی سے یہ پیغام پہنچا سکیں لیکن کس کس طرح اس تحریک کو جس کو کربلا میں حسینؑ اور آپؑ کے انصار نے اپنے خون سے سینچا تھا' کس طرح اماموں نے آگے بڑھایا تھا؟ سنبھال سنبھال کر ہر پہلو کو ساتھ رکھا تھا یہاں مقابلے والی بات بھی نہیں ہے کہ یہ افضل کہ وہ افضل ۔نہیں جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ یہ سب چیزیں ساتھ ہیں تو دین بنتا ہے۔

عزاداری کے بغیر' حسین کے غم کے بغیر اسلام کا جسم بے جان ہے' بے روح ہے۔

اس میں حسینؑ کے غم نے روح ڈالی ہے۔ اسلام کے پیکر کو عزاداری نے زندگی عطا کی ہے اور اگر خالی روح ہو جسم ہی نہ ہو تو پھر وہ روح کس کام کی ہے؟ وہ روح بھی کسی کام کی نہیں ہوگی، جسم رہ گیا' روح چلی گئی اپنی منزل کی طرف۔ تو عزیزو! ان کا آپس میں گہرا تعلق اور رشتہ ہے' روح اور جسم دونوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ ہمیں جسم کی بھی حفاظت کرنی ہے تاکہ اس کو بھی کوئی آنچ نہ پہنچے، اس جسم کا کوئی عضو خراب نہ ہو۔ اس جسم کو بھی جو اسلام کا جسم ہے اس کے اعضاء اس کے احکام اور اس کی روح ہے یہ عزاداری جو اس کو چلا رہی ہے' اس کو حرکت دے رہی ہے۔ تو جب اس کی روح کی حفاظت کرنی ہے تو اس جسم کے اعضاء کی بھی آپ کو حفاظت کرنا ہے۔ یہ بات گوارا ہو سکتی ہے آپ کو کہ آپ کا ایک ہاتھ کاٹ دیا جائے' ایک پیر کاٹ دیا جائے؟ اگر قدرتی طور پر اتفاق سے ہو جائے' وہ الگ بات ہے لیکن عمداً ایسا کرنا۔ تو بس عزیزو! اسلام بھی اسی کا نام ہے' اس کے ہر عضو کو بھی' اس کے تمام اعضاء کو بھی سلامت رکھنا ہے' اس کے اعضاء ہیں احکام اور اس کی روح ہے عزاداری حسینؑ۔

یہ غم حسینؑ جو ہمیں روح عطا کرتا ہے، اس پیکر اسلام کے لئے اتنی بڑی قربانی دی تھی آپ کے مولاؑ نے۔ تو یہ قربانی اسی لئے تو دی تھی کہ میرے نانا کی شریعت زندہ رہے' میرے نانا کا دین زندہ رہے۔ حسینؑ کے چھوٹے چھوٹے بچوں نے، مسلم بن عقیل کے بچوں کا عمل یاد ہے کہ جب انہوں نے حارث ملعون سے آخری سوال کیا تھا کہ اچھا ہمیں اتنی اجازت دے دے کہ ہم دو رکعت نماز پڑھ لیں۔ حسینؑ کا سجدہ بھی یادگار بن گیا اور حسینؑ کی نماز ظہر بھی یادگار بن گئی۔

عزادارانِ حسینؑ! بس ائمہؑ اس بات کی ہی تو تعلیم دیتے رہے ورنہ تیسرے امام کے بعد چوتھے امامؑ کی کیا ضرورت تھی۔ واقعہ کربلا ہو گیا۔ بات ختم' لیکن نہیں آخری امامؑ بھی آئے گا تو یہی کہتا ہوا آئے گا کہ میں اپنے نانا کے دین کو دوبارہ زندہ کرنے آیا ہوں۔ میں اپنے نانا کی شریعت کو زندہ کرنے کے لئے آیا ہوں۔ اس کے علاوہ کچھ اور ہے آپ کا عقیدہ؟ یہی ہے ہمارا عقیدہ اور ہمارا ہی کیا تمام اہل اسلام کا یہی عقیدہ ہے کہ وہ دین جو

تحریفات کا شکار ہو چکا ہوگا' وہ لوگ جو منحرف ہو چکے ہوں گے' وہ دین جو مسخ کیا جاچکا ہوگا' وہ وارثِ محمدؐ وارثِ حسینؑ وارثِ علیؑ وارثِ حسنؑ غرض تمام ائمہ کا وارث جب آئے گا' انبیاء کا وارث جب آئے گا تو اس دین کو دوبارہ زندہ کردے گا۔

عزادارانِ حسینؑ ! کربلا میں وہ قربانی دی حسینؑ نے جسے ہم قیامت تک آگے بڑھاتے رہیں گے۔ کتنی ہی سازشیں کرلے دنیا۔ اصغرؑ کا خون ہے اس میں۔ اکبرؑ کا خون ہے اس میں۔ عون ومحمدؑ کا خون ہے اس میں۔ قاسمؑ کا خون ہے اس میں۔ حسینؑ کی اسیر بہن زینبؑ کی جدوجہد ہے اس میں۔ کیوں عورتوں اور بچوں کو لے کر آیا تھا حسینؑ ؟ اسی لئے تو آیا تھا کہ تمہیں بتادے کہ جنگ صرف مجھ سے نہیں ہے۔ مورخ لکھے گا کہ جن سے حسینؑ کا مقابلہ ہوا' جو حسینؑ کے مقابلے پر آئے تھے' وہ مسلمان تو کجا انسان بھی کہلانے کے مستحق نہیں تھے۔ مردوں سے جنگ تھی' علی اصغرؑ کی شہادت کو کوئی مورخ چھپا نہیں سکا۔ تحریف کی تو اتنی کی کہ گود میں بچہ تھا امام حسینؑ کے تیر آیا بچے کے حلق میں پیوست ہوگیا' بچہ شہید ہوگیا اتنا تو کم ازکم مانا کہ چند ماہ کا بچہ تھا جو کربلا میں شہید کردیا گیا تھا۔

عزیزو! وہی علی اصغرؑ ان کے لئے مصیبت بن گیا تھا' فاتح کربلا کا جو لقب علی اصغرؑ کو ملا اسی لئے تو ملا تھا کہ علی اصغرؑ کا خون قاتل دھو نہیں سکتے اپنے چہروں سے۔

الالعنت اللہ علی القوم الظالمین۔

مجلس نہم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ رَبِّ الۡعالَمِیۡنَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشۡرَفِ الۡاَنۡبِیَاءِ وَالۡمُرۡسَلِیۡنَ سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا اَبِی الۡقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ الطَّیِّبِیۡنَ الطَّاہِرِیۡنَ الۡمَعۡصُوۡمِیۡنَ وَلَعۡنَتُ اللّٰہِ عَلٰی اَعۡدَائِہِمۡ اَجۡمَعِیۡنَ مِنَ الۡاٰنِ اِلٰی قِیَامِ یَوۡمِ الدِّین اَمَّا بَعۡدُ فَقَدۡ قَالَ اللّٰہُ تَعٰلٰی فِیۡ کِتَابِہِ الۡمُبِیۡن وَھُوَ اَصۡدَقُ الۡقَائِلِیۡنَ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ• وَجَعَلۡنٰھُمۡ اَئِمَّۃً یَّھۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا وَاَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡھِمۡ فِعۡلَ الۡخَیۡرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلوٰۃِ وَاِیۡتَآءِ الزَّکوٰۃِ وَکَانُوۡا لَنَا عَابِدِیۡنَ ٥

(سورۂ انبیاء آیت ۷۳)

پہلے جلدی جلدی چند سوالات۔ ایک بچہ سوال دے کر گیا ہے کہ مومنین نماز کے دوران تشہد میں علی ولی اللہ کیوں نہیں پڑھتے۔ سوال یہ ہے کہ کیوں پڑھیں؟ ہم نماز میں جو ارکان بھی بجالاتے ہیں اس کی فقہی دلیل ہوتی ہے، اس کی شرعی دلیل ہوتی ہے، اپنی مرضی سے نئے نئے مکاتب فکر اور نئے نئے عقیدے جو ایجاد کرتے ہیں، وہی ہیں جنہوں نے تشیع کو چودہ سو سال میں نقصان پہنچایا ہے۔ میرے سننے میں آیا ہے کوئی ایسا فرقہ ہے جو تشہد میں پڑھتا ہے لیکن ہم نماز وہی پڑھتے ہیں جو رسولؐ نے پڑھی، جو علیؑ نے پڑھی اور جو امام جعفر صادقؑ نے پڑھی ہے، جو بارھواں آ کے پڑھائے گا۔

پھر کل کوئی کہے گا کہ تشہد میں پورے بارہ اماموں کا نام کیوں نہیں لاتے۔ جو ہمارے عصر اور زمانے کا امام ہے اس کا نام کیوں نہیں لا رہے؟ عزیزو! ان چیزوں کے لیے عقلی و شرعی دلیل درکار ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہ میرا دل کہتا ہے کہ ایسا ہونا چاہیے، تو ہمارے یہاں ایسا نہیں ہے، اثنا عشری مکتب میں ایسا نہیں ہے۔ سمجھ گئے آپ؟ یہ میں نے صاف بتا دیا ہے کہ یہ باطل ہے۔ اگر کوئی پڑھتا ہے تو اس کی نماز بھی باطل ہے۔

یہ فقط لوگوں میں تفرقہ ایجاد کرنے کے لئے کیا گیا، لوگوں کے جذبات سے فائدہ اٹھایا گیا، اس لیے کہ ان کی محبتیں ساتھ ہیں لہٰذا اس کام کے لیے جعلی مجتہدین بھی تیار کیے گئے، جنہیں سامراجی اور استعماری مجتہد بھی کہا جاتا ہے۔ جنہیں انگریزوں نے پال پوس کر اسی مقصد کے لیے تیار کیا تھا کیا کہ وہ تفرقے ایجاد کرنے میں مددگار ثابت ہوسکیں اور اپنے فتوؤں کی دکانوں سے ہماری صفوں میں انتشار و انحراف پیدا کرسکیں۔ اس لیے کہ جب یہ ۷۰ سال تک نجف و قم کے ماحول میں رہ کر اپنا ایک مقام بنالیں گے اور فتویٰ دیں گے تو لوگ کہیں گے کہ ہمارا ہی تو مجتہد کہہ رہا ہے۔ تو ایسے ایک دو سامراجی مجتہد ہیں جنہوں نے یہ لکھا ہے کہ کہنا چاہیے تشہد میں۔ اذان تک ضرور ہے۔ اس کی دلیل میں پچھلے سال دے چکا ہوں، کیسٹوں میں بھی موجود ہے اور کتاب میں بھی۔ اذان میں کیوں کہتے ہیں؟ اس کی ایک دلیل ہے عقلی بھی اور شرعی بھی، تو کہتے ہیں بغیر دلیل کے نہیں کہتے۔ جب اس کی کوئی دلیل ہی نہیں ہے تو خواہ مخواہ اپنی طرف سے دین میں تحریف کا ارتکاب کیوں کریں؟ اور پھر یہ سوال کیا جارہا ہے کہ کیوں نہیں کہتے، سوال یہ ہے کہ کیوں کہیں؟ کس کی حدیث ہے؟ کس کی روایت ہے؟ دلیل لائیے میں گفتگو کرنے کو تیار ہوں۔

ایک اور سوال ہے جو ایک کتاب سے نقل کیا گیا ہے۔ کتاب کا نام ہے ''تاریخ عاشورہ''، ڈاکٹر ابراہیم امینی کی کتاب ہے، صفحہ نمبر ۱۴۵۔ اس عبارت میں سوال تو میری سمجھ میں آ ہی نہیں رہا کہ کیا ہے؟ فقط اقتباس نقل کردیا گیا ہے۔ سوال کیا ہے یہ نہیں معلوم۔ ''تاریخ میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو صبح کچھ ہیں شام کچھ ہیں'' ... ہیں تو کیا کیا جائے؟ ''ابن ربیع کبھی اِدھر تھا کبھی اُدھر'' ..... ہاں تھا۔ صفحے کو نقل کردیا ہے، سوال پوچھنا کیا چاہ

رہے ہیں مجھے نہیں معلوم۔

ایک اور سوال کیا گیا ہے کہ پانچویں کلاس کی اسلامیات کی کتاب میں سے دعوت ذوالعشیرہ کا سبق بالکل نکال دیا گیا ہے۔ یہ اس سے پہلے بھی نکال چکے ہیں۔ علماء نے اس پر احتجاج کیا تھا یا نہیں، اب کیا کرنا ہے؟

اب بھی علماء ہی بتائیں گے۔ میں علماء کے پیچھے چلنے والا آدمی ہوں۔ وہ بتائیں گے کہ کیا کرنا ہے۔

یہ مَیں نے اس لیے ایک ایک جملے میں جواب دینے کی کوشش کی ہے کہ یہ باتیں میرے موضوع سے متعلق نہیں ہیں۔ آج آخری مجلس ہے اور مجھے اپنے موضوع کو سمیٹنا ہے۔

ایک بچے نے ایک اور سوال کیا ہے کہ قرآن میں لفظ شیعہ کتنی آیات میں آیا ہے؟ بھئی یہ بات تو آپ اپنے پیش نماز سے بھی پوچھ سکتے ہیں۔ اتنی بات تو وہ بھی بتا سکتا ہے۔ وہ نکال کر بتادے گا کہ کہاں کہاں قرآن میں لفظ شیعہ آیا ہے۔

عزیزانِ محترم! آج آخری مجلس ہے اس میں کچھ باتیں مورخین کے بارے میں بھی آپ سے کروں گا۔ بنوامیہ تک کا باب ہم نے کل مکمل کرلیا تھا، ظاہر ہے کہ ایک مجلس میں بنو عباس کے پورے دور کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن میں آج وہ حالات اور وجوہات بیان کروں گا جن کے بیان کرنے کا میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ کیا وجوہات تھیں جن کی بدولت بنوامیہ گئے اور بنوعباس برسرِ اقتدار آئے۔

تھوڑا سا مورخین کے مزاج کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ ایک سوال ہمارا بھی ہر آدمی کرتا ہے اور ان کا بھی ہر آدمی کرتا ہے۔ ہمارا اور ان کا ہر چھوٹا بڑا کرتا ہے کہ کون سی تاریخ مستند ہے؟ ایک تاریخ کا نام بتادیں۔ ارے بابا! تاریخ کوئی بھی سو فی صد مستند نہیں ہے۔ ایک ہی کتاب سو فی صد مستند ہے اور وہ ہے خدا کا کلام، قرآن مجید۔ بہت ساری کتابوں کو جمع کیا جاتا ہے تو ان کا نچوڑ نکلتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ جو بھی تاریخ لکھی گئی ہے ظاہر ہے اس کا جو بھی لکھنے والا ہے، اس پر کسی نہ کسی عقیدے کی چھاپ ہے۔ وہ کسی نہ کسی عقیدے سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ لاکھ خود کو غیر جانبدار ثابت کرنے کی کوشش کرے، کوئی نہ

کوئی فکر پہلے سے اسے متاثر کیے ہوئے ہوتی ہے۔ وہ کتنا ہی غیر جانبدار بننا چاہے، بن نہیں پاتا۔

کہیں نہ کہیں جن افکار و افراد سے وہ متاثر ہے ان کا دفاع کرنے کی کوشش کرے گا اور جن سے نفرت کرتا ہے ان کے عیوب کو اجاگر کرنے کی کوشش کرے گا۔ یہ مزاج ہے مورخین کا، اسے اچھی طرح ذہن نشین کرلیجیے۔ کوئی بھی کتاب اٹھا کر پڑھ لیں۔ مورخ کے عقیدے کی، مورخ کی فکر کی چھاپ اس پر ضرور آپ کو ملے گی۔ میں دو تاریخوں کی مثال آپ کو دوں گا اور پھر ایک پیراگراف نقل کروں گا تا کہ آپ کو اندازہ ہوجائے کہ معاملے کی حقیقی نوعیت کیا ہے اور مزاج و عقیدے کا کتنا دخل ہوتا ہے؟

دو تاریخیں بڑی بڑی ہیں، ان تاریخوں کے نام بھی بڑے بڑے ہیں۔ ایک ابن جریر طبری کی تاریخ ہے، تاریخ طبری اور دوسری بڑی تاریخ ہے، تاریخ ابن خلدون۔ ان کے علاوہ اعثم کوفی ہے، ابوالفداء ہے، یعقوبی ہے، خمیس ہے، احمدی ہے، بہت سی ہیں، بے شمار ہیں۔ لیکن تاریخوں میں دو نام بڑے ہیں۔ تاریخ طبری اور تاریخ ابن خلدون، ان دونوں کے علاوہ ایک تیسرا نام سیوطی کا بھی ہے۔ اس نے اس نام سے تاریخ الخلفاء کا خلاصہ لکھا ہے۔ یہ دونوں جو پہلے والے نام ہیں جیسا کہ ان کے نام ہی سے ظاہر ہے ہمارے مکتب سے ان کا کسی طرح سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ طبری کا اور نہ ابن خلدون کا۔

عزیزانِ محترم! آج آخری مجلس ہے۔ آپ اپنی تمام تر توجہات کو میری طرف رکھیے گا۔ یہ مجلس گزشتہ ساری گفتگوؤں کا ماحصل ہے۔ تمام محنتوں کا نچوڑ ہے۔ میں آج آپ کو نتیجہ دے کے جانا چاہ رہا ہوں ساری بحث کا، تا کہ آپ کو بات کرنے میں، سوال کرنے میں آسانی ہوجائے، معذرت کے ساتھ بچوں اور نوجوانوں کے لیے کہہ رہا ہوں کہ بات کرنے کے لیے بھی تھوڑی سی معلومات اور فکری تسلسل ضروری ہے۔ اتنی تو نالج ہو کہ وہ سوال ٹھیک سے کرسکیں، سوال کرنے والے کو معلوم ہو کہ مجھے سوال کیا کرنا ہے۔ سوال کیسے کرنا ہے؟ میں اسی لیے آزاد چھوڑتا ہوں کہ ذہن میں جو سوال آتے ہیں، کیے چلے جائیں تا کہ مجھے اپنے بچوں اور نوجوانوں کی ذہنی سطح کا اندازہ ہوتا چلا جائے۔ مذہب کے معاملے میں ہماری بچوں

کی حالت اچھی نہیں ہے۔ ویسے ماشاء اللہ کالجوں یونیورسٹیوں میں پڑھ رہے ہیں لیکن مذہب کے معاملے میں ۹۵ فی صد کی صورت یہ ہے کہ انہیں ابھی سوال کرنا بھی نہیں آتا۔ یہ نتیجہ میں نے کیے جانے والے سوالات سے نکالا ہے۔ جواب دینا تو دور کی بات ہے ابھی تو انہیں سوال کرنا بھی نہیں آتا کہ ہمیں سوال کس انداز میں کرنا چاہیے؟ کیا پوچھنا چاہیے؟ کس چیز کے پوچھنے سے ہماری صلاحیت میں اضافہ ہوگا؟

تو اس کا ایک سبب مورخین کا اختلاف ہے۔ طبری اور ابن خلدون، تاریخ کے دو بڑے نام ہیں جن کا ہم سے کوئی مکتبی تعلق نہیں ہے۔ لیکن دیکھیے ان کی ذہنی اپچ کیا ہے؟ اپروچ کیا ہے؟ لکھنے کی اور فکر کی سطح کیا ہے؟

طبری جب خلافت بنوعباس کا احوال لکھنا شروع کرتا ہے تو لکھتا ہے تاریخ اسلام کا سنہری دور، متمدن دور، وہ سنہری دور جس میں اسلامی تمدن نے ترقی کے ادوار طے کیے۔ خلافت بنوعباس کے لیے یہ عنوان طبری قائم کرتا ہے۔ ابن خلدون جب خلافت بنوعباس کو لکھتا ہے تو آغاز ہی میں لکھتا ہے کہ یہاں سے اسلام کے اضمحلال، خانہ جنگیوں اور شکست و یاس کا دور شروع ہوگیا۔ اب آپ دیکھیے، ایک مورخ کہہ رہا ہے کہ ترقی اور تمدن کے دور کا آغاز دوسرا جب اسی دور کو شروع کرتا ہے تو کہتا ہے اضمحلال، شکست اور خانہ جنگیوں کے دور کا آغاز۔

دو مورخ ہیں دونوں مورخین کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دونوں کی فکر کا جوہری عنصر بیان کردیا ہے۔ وجہ کیا ہے اس تضاد کی؟ مسئلہ کیا ہے؟ مسئلہ یہ ہے کہ ابن خلدون عقیدتی طور پر، ذہنی طور پر، قلبی طور پر مائل بہ بنوامیہ ہے۔ اس کی ہمدردیاں بنوامیہ کے ساتھ ہیں۔ واقعات دونوں نے تقریباً ۸۰ فی صد ایک ہی جیسے لکھے ہیں لیکن واقعات کو لکھنے اور پیش کرنے کا بھی ایک انداز ہوتا ہے۔ کیونکہ ابن خلدون کی ہمدردیاں بنوامیہ کے ساتھ ہیں۔ لہٰذا وہ کوشش یہ کرتا ہے کہ بنوامیہ کے دور کو سنہری دور بتایا جائے، فتوحات کا دور بتایا جائے، فتوح البلدان کا دور بتایا جائے، تاریخ اسلام کا کامیاب ترین دور قرار دیا جائے، اور بنوعباس کے دور کو خانہ جنگی اور زوال کا دور ثابت کیا جائے۔ اگرچہ ان کے کارنامے لکھے،

اپنے ممدوحین کی برائیاں بھی لکھیں۔ لیکن ابن خلدون کا بنوامیہ کی طرف ذہنی رجحان ہے، وہ اسے چھپا نہیں سکا۔ وہ جو اس کا عقیدتی اور قلبی نظریہ ہے اس کو وہ پوشیدہ نہیں رکھ سکا اور طبری کیونکہ بنوعباس کی طرف مائل ہے، انہی کے زیر سایہ لکھ رہا ہے تو وہ بنوامیہ کے عیوب کو اجاگر کر کے لکھتا ہے۔

اگرچہ ہمارے لیے دونوں ایک جیسے ہیں، یہ بات یاد رکھیے گا۔ طبری کسی حالت میں بنوعباس کی تعریف کے پہلو کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ اگرچہ بنوعباس کے عیوب بھی لکھ رہا ہے۔ لیکن ثابت یہ کرنا ہے کہ غیر جانبدار ہوں، دیکھو میں نے جس کی اچھائی لکھی ہے اس کی برائی بھی لکھی ہے۔ ابن خلدون بھی یہی چاہتا ہے کہ میں اپنے آپ کو غیر جانبدار ثابت کروں۔ پڑھنے والا مجھے غیر جانبدار محسوس کرے اسی لیے کہ جہاں بھی اس نے بنوامیہ کی اچھائیاں لکھی ہیں وہاں برائیاں بھی بیان کی ہیں۔ لیکن یہ تو لکھنے کا انداز ہے۔ اصلی ہمدردیاں ابن خلدون کی بنوامیہ کے ساتھ ہیں۔

ایک بنوعباس کی طرف مائل ہے، ایک بنوامیہ کی طرف۔ کیونکہ یہ عباسی دور میں لکھ رہا ہے، اور ابن خلدون کہاں لکھ رہا ہے؟ اندلس میں، اسپین میں، کیونکہ عبدالرحمٰن الداخل بنو امیہ کا آخری شہزادہ بچ کر بھاگا تھا جس نے اسپین میں اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ ابن خلدون اسی ماحول میں پرورش پا رہا ہے جہاں صرف بنوامیہ کے گیت گائے جاتے ہیں۔ ان کی برائیاں بھی لکھ رہا ہے لیکن نفسیاتی طور پر جو اس کی فکر ہے اس کی چھاپ نظر آئے گی۔ یہی چھاپ ان کی بھی نظر آتی ہے جنہوں نے ابن خلدون کے مقدمے کا ترجمہ کیا ہے۔ ابھی میں مثالیں دوں گا کہ یہ دونوں کس کس طرح سے اپنے موقف کو برحق ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن دونوں کا مقصد ایک تھا۔

وہ مقصد کیا تھا؟ وہ مقصد یہ تھا کہ ہر دور میں شیعیانِ حیدرِ کرار کو پست کر کے دکھایا جائے، ان کو تیسرے درجے کے شہریوں میں شمار کیا جائے۔ سازشی یا شکست خوردہ عناصر میں سے ظاہر کیا جائے، ابھی ہم تجزیہ کر لیں گے، آپ اطمینان رکھیے۔ پورے حوالوں اور عقلی دلیلوں کے ساتھ۔ مقصد دونوں کا یہ رہا، آپس میں تو ان کا جو بھی جھگڑا ہو لیکن شیعوں کا

جہاں بھی ذکر آجائے تو ان کے کردار کو مسخ کیا جائے۔

بغاوتیں اوروں نے بھی کیں جیسے آج ہوتا ہے۔ ایک مثال دیتا ہوں آپ کے سامنے۔ آج ایسا ہوتا ہے کہ جیسے ہی انتخابات ہوتے ہیں کہیں، الیکشن ہوتے ہیں، پارٹیاں تقسیم ہونا شروع ہوجاتی ہیں، اتحاد بننا شروع ہوجاتے ہیں۔ اس کی حمایت، اس کی حمایت، اس کی مخالفت، اس کی مخالفت، غرض ایسے موقعوں پر نئی صف بندیاں فطری طور پر وجود میں آیا ہی کرتی ہیں۔ کبھی اس کے ساتھ، کبھی اس کے ساتھ، آدھی پارٹی اس کے ساتھ، آدھی پارٹی اس کے ساتھ۔ پچاس سال سے تو ہم بھی دیکھ رہے ہیں اس ملک میں۔ اگر یہ ملک اسی طرح چلتا رہا، انہی خطوط پر چلتا رہا تو آئندہ بھی دیکھتے رہیں گے۔

عزیزانِ محترم ! لیکن اگر کہیں ہمارا چھوٹا سا بھی گروہ، ہم پوری قوم کو شامل نہیں کرتے۔ مثلاً میرے ساتھ ایک ہزار آدمیوں نے کسی پارٹی میں شمولیت اختیار کرلی تو آپ دیکھیے اس کو کس طرح سے تشہیر کیا جاتا ہے کہ صاحب شیعہ اس میں شامل ہوگئے، شیعہ اس پارٹی کا ساتھ دے رہے ہیں، یہ شیعہ ہے، یہ ہے وہ ہے۔ اچھا وہ جو آپ کی اتنی ساری پارٹیاں ہیں وہ کس زمرے میں ہیں؟ وہ جو آپ کی پچاسیوں پارٹیاں ہیں، آدھی اِدھر جاتی ہیں آدھی اُدھر جاتی ہیں، وہ کس زمرے میں ہیں؟ لیکن ہمارے معاملے میں ان کا ہمیشہ سے یہی امتیازی دستور رہا ہے۔ ہمارے معاملے میں یہ خصوصی روش ہمیشہ برقرار رہی ہے۔ جب کوئی الیکشن لڑتا ہے تو ہماری توجہ پانے کے لیے گھر پر علم بھی لگادیا، ہماری محافل ومجالس میں بھی آنا جانا شروع کردیا۔ کالے کپڑے بھی پہن لیے، ننگے پیر بھی جلوس میں آ گیا۔ اس کو ووٹ جو لینے ہیں۔ اس کا تشیع سے تعلق ہو یا نہ ہو مگر اس پر کوئی گفتگو نہیں کرتا۔ الیکشن لڑنے والا تو چاہتا ہے کہ ان کی مجلس میں بھی جا کر بیٹھوں، ان سے ربط ضبط بھی رکھوں کیونکہ ان کے ووٹ لینے ہیں۔ تو انہیں کچھ نہیں کہا جاتا مگر ہم میں سے اگر کوئی کسی پارٹی میں شمولیت اختیار کرلے تو قیامت ٹوٹ پڑتی ہے۔

اپنی دھڑے بندیوں پر سناٹا چھایا رہتا ہے بھئی تمہاری جو یہ اسلام کی ٹھیکیدار پچاس پارٹیاں ہیں، جو انہی شرابیوں اور زانیوں کے ساتھ جا کر اتحاد بناتی ہیں، بدکاروں کے ساتھ

اتحاد بناتی ہیں تو تمہیں اسلام کا درد نہیں اٹھتا اسلام کے ساتھ غداری نہیں ہوتی؟ یہ ماضی کی تاریخ ہے اسی لیے میں آپ کے سامنے اسے کھول کر تھوڑا سا بیان کر رہا ہوں تا کہ آپ جان سکیں کہ ہمارے ساتھ پوری تاریخ میں منفی امتیازی سلوک جاری رہا جو اس نام نہاد متمدن دور میں بھی اپنے تمام لوازمات کے ساتھ جاری ہے۔

یہ سارے حقائق، یہ سارا پس منظر اسی لیے تو بیان کر رہا ہوں تا کہ ساری بات آپ کی سمجھ میں آ جائے۔ یہ تمہاری آپس کی جنگیں، یہ تمہاری آپس کی خلافت کی لڑائیاں، اقتدار کی کشمکشیں لیکن اس میں اگر کوئی بے چارہ کسی ایک گاؤں، شہر یا صوبے سے متاثر ہو کر کہ چلو یہ امویوں کے خلاف لڑ رہا ہے، یہ اموی حسینؑ کے قاتل ہیں تو کسی فرد یا افراد کے چھوٹے سے گروہ نے اگر ان کا ساتھ دے دیا تو پوری سازش کا بار اسی پر ڈال دیا کہ صاحب ان کی سازش بھی امویوں کو ختم کرنے کی۔ امویوں کا اپنا تو کوئی قصور تھا ہی نہیں۔ وہ تو بڑے نیک اور پاک باز لوگ تھے، وہ تو بڑے باعفت لوگ تھے۔ بس یہ کہ کبھی کبھی ان کا کوئی خلیفہ خانہ کعبہ کی چھت پہ بیٹھ کے شراب پی لیتا تھا، بڑے نیک لوگ تھے، حج کرتے تھے مگر کبھی کبھی یہ ہوتا تھا کہ محرم نامحرم کی تمیز نہیں رکھتا تھا جیسے ولید ابن یزید کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ شراب کے نشے میں اسے محرم و نامحرم کی تمیز نہیں رہتی تھی مگر ایسا تو کبھی کبھی ہوتا تھا۔ ویسے بڑے اچھے لوگ تھے۔

دیدہ دلیری یہ ہے کہ تاریخ میں یہ کارنامے بھی خود لکھ کر گزرتے چلے جاتے ہیں کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ فجر کے وقت ولید نے نشے میں کنیز کو اپنے کپڑے پہنا کر جو خود بھی نشے میں تھی کہا کہ جا آج تو نماز پڑھا کے آ۔ کیوں؟ اس لیے کہ ان کے دادا پر دادا ولید بن عقبہ نے بھی یہی کیا تھا۔ یہ ایک قدم اور آگے بڑھے کہ ہمارے دادا نے تو نشے کی حالت میں خود نماز پڑھائی تھی دو کی چار، اب ہماری کنیز پڑھائے گی ان کو نماز، تو بس یہ تھا۔ ویسے ان امویوں کا تو کوئی قصور تھا ہی نہیں۔

سارا قصور، اگر کہیں کوئی علوی نظر آ گئے تو ان کے حساب میں ڈال دیا، بہت ہی مختصر سا گروہ، ابھی میں آپ کو تفصیل سے بتاؤں گا کہ اگرچہ ایسا بھی نہیں ہے تاریخی طور پر۔

شیعیانِ حیدرِ کرار نے جو قیام بھی کیا ہے وہ اپنے بل بوتے پر کیا ہے، مختار کے قیام کا عباسی قیام سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ زید شہید کے قیام کا عباسیوں کے قیام سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یحییٰ بن زید کے قیام کا عباسیوں کے قیام سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ لیکن یہ مورخین جب ان مبارزوں کا تذکرہ لکھتے ہیں تو ان کی پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان تمام کو عباسیوں ہی کے قیام سے منسلک ظاہر کریں۔

اب میں آپ کے سامنے مثال دیتا ہوں۔ پیرا گراف پڑھتا ہوں ابنِ خلدون کا۔ تاریخ ابنِ خلدون کا حصہ سوم۔ بازاروں میں تاریخ ابنِ خلدون کی جو جلدیں دکانوں پر موجود ہیں وہ اسی طرح سے تقسیم ہیں۔ ایک جلد میں مقدمہ ابن خلدون ہے۔ اس پہ جلد کا نمبر نہیں ہے۔ وہ فقط مقدمہ ابن خلدون ہے۔ تاریخ انبیاء ایک اور دو کی ترتیب سے ایک ہی جلد میں ہے یہ تاریخ انبیاء ہے۔ پھر سوم اور چہارم ہے۔ ایک ایک جلد میں دو دو جلدیں۔

جلد سوم میں جہاں سے خلافت بنو عباس کا آغاز ہے، اس کا پہلا پیرا آپ کے سامنے پڑھتا ہوں کہتا ہے، جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے کہ دولتِ عباسیہ دراصل دولتِ شیعہ کا آغاز تھا۔ یعنی عباسی حکومت کا آغاز، عباسی سلطنت کا آغاز، دولتِ شیعہ سے ہوا۔ شیعوں کی حکومت تھی۔ میں آپ کو دکھاؤں گا کہ اس میں اس نے اپنا کیا کرتب دکھایا۔ لکھتا ہے دولتِ عباسیہ کا آغاز اصل میں دولتِ شیعہ سے ہوا تھا۔ پھر لکھتا ہے شیعوں کے بعض فرقے کیسانیہ کہلاتے تھے۔ ان کیسانیہ کا یہ عقیدہ تھا، اب یہ شیعہ سے لایا ہے کیسانیوں پر، اب لوگ یہی سمجھیں گے کہ شیعوں کا یہی عقیدہ ہے۔

کہتا ہے ان کا یہ عقیدہ تھا کہ امامت امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کے بعد جو امام بنے وہ محمد ابن حنیفہ بنے، محمد ابن حنیفہ کے بعد جو امام ہوئے وہ ابو ہشام عبداللہ بنے۔ یہ میرا خیال ہے یہ نام بھی آپ پہلی بار سن رہے ہوں گے۔ تاریخوں نے لکھا ہے کہ یہ شیعوں کے امام تھے۔ کہا کہ یہ امام بنے اور پھر لکھا کہ ان سے منتقل ہوگئی امامت محمد ابن علی ابن عبداللہ ابن عباس کو۔ بنو عباس کے ناموں کی تشریح کی ضرورت نہیں۔ ابن عباس صحابی رسول بھی ہیں اور عبدالمطلب کے بیٹے بھی۔ ان کے پوتے محمد عبداللہ کو ملی ہے امامت۔ محمد کے بعد

ابراہیم بن محمد امام بنا۔ ابراہیم کے بعد ان کا بھائی عبداللہ ابن محمد ابن علی ابن عبداللہ ابن عباس یعنی ابوالعباس السفاح۔

کہا یہ ابوالعباس السفاح ان کا امام بنا اور کیسانیوں کے اماموں کی یہی ترتیب ہے۔ یہ اسی طرح امام مانتے ہیں۔ اسی کیسانیہ فرقے کا نام ہرماقیہ بھی ہے اور یہ ہرماقیہ کیا ہے؟ کہتے ہیں ابومسلم خراسانی کا ایک لقب تھا ہرماق، لہٰذا ہرماقیہ بھی کہلایا۔ یہ ہے پیراگراف ابن خلدون کا۔

اب میں اس کا علمی معیار بتادوں کہ ابن خلدون کیا ہے؟ اس نے جو اپنی تاریخ کا مقدمہ لکھا ہے، ''مقدمہ ابن خلدون'' وہ دنیا بھر میں تاریخ کا ایک مسلمہ باب سمجھا جاتا ہے۔ تاریخ کے علم پر جو اس نے مقدمہ لکھا ہے، حقیقتاً اس کا جواب نہیں ہے۔ لاجواب مقدمہ لکھ کے گیا ہے۔ تاریخ لکھنے کے تمام نشیب و فراز اس نے اجاگر کیے ہیں اور مورخین سیرت و روایت میں جو جو غلطیاں کرتے ہیں ان سب کو اس نے اجاگر کیا ہے وہ تمام لکھ کے گیا ہے۔ لیکن جب تاریخ خود لکھتا ہے تو اپنے مقدمے کے خلاف ساری باتیں لکھتا ہے، صرف ایک پیراگراف کا آپ کے سامنے تجزیہ کروں گا۔

عبداللہ ابن سبا کے بارے میں تو میں نے آپ کو بتایا ہی تھا کہ افسانہ گھڑا ہوا ہے صرف اس لیے کہ کعب الاحبار، ابوزبید وہ عیسائی اور یہودی جو حقیقی کردار ہیں وہ موجود ہیں ان کی تاریخ میں، ان پر پردہ ڈالا جائے۔ ایک جعلی کردار گھڑا جائے۔ یعنی ان کا تو کوئی کام تھا ہی نہیں اسلام میں تفرقہ ایجاد کرنے میں، عبداللہ ابن سبا کو گھڑ کے بیٹھ گئے۔ جبکہ حقیقت میں یہ کردار وجود ہی نہیں رکھتا۔ روئے زمین پر کبھی یہ کردار تھا ہی نہیں تھا۔

عزیزان محترم! اب یہ شروع کرتا ہے کہ دولت عباسیہ کا درحقیقت دولتِ شیعہ سے آغاز ہوا یعنی شیعوں کی حکومت قائم ہوئی۔ یہ کہاں سے لایا؟ ابن خلدون بعد میں لکھی گئی ہے، تاریخ طبری پہلے لکھی گئی تھی۔ طبری نے ہر جگہ شیعیان بنو عباس لکھا ہے۔ تفریق کی ہے۔ شیعیان بنو عباس لکھا ہے۔ بنو عباس اہل بیتؑ کی حمایت میں نہیں کھڑے ہوئے تھے آپ کہیں بھول جائیں ہمارے یہاں بھی اکثر لوگ کہتے ہیں کہ صاحب اہل بیتؑ کی

حمایت کی آڑ لے کر کھڑے ہوئے تھے۔ نہیں۔ اہلِ بیتؑ کی حمایت ہی نہیں کی تھی انہوں نے۔ انہوں نے ہاشمیوں کے لیے دعویٰ کیا تھا کہ بنو ہاشم کا حق ہے اور بیعت لیتے تھے یہ اپنے نام پر، امام زین العابدینؑ کے ہاتھ پہ تو بیعت نہیں کرائی تھی۔ امام محمد باقر علیہ السلام کے ہاتھ پر تو بیعت نہیں کرائی تھی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہاتھ پہ تو بیعت نہیں لے رہے تھے۔

یہ بہت اہم بات ہے ہمارے منبروں سے اسے پڑھا بھی جاتا ہے، خیر کوئی حرج نہیں ہے پڑھنے میں لیکن میں بتادوں گا کہ اصل مسئلہ کیا ہے؟ انہوں نے کب کہا؟ اولادِ رسولؐ کا حق ہے۔ یہ تو کہتے تھے ہاشمیوں کا حق ہے۔ خاندانِ رسولؐ کا حق ہے، اولادِ رسولؐ کا حق نہیں۔ یہ بیعت لیتے تھے اپنی امامت پر۔

تو عزیزانِ محترم! یہ اپنی امامت پر بیعت لیتے تے حمد ابن عبداللہ ابن علی ابن عبداللہ ابن عباس۔ یہ ہے ان کا پہلا امام جو داعی کہلاتا تھا یعنی دعوت دینے والا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابراہیم، ابراہیم کے بعد اس کا بھائی عبداللہ ابن محمد جو عباس السفاح کے نام سے پہلا عباسی خلیفہ بنا تھا کیونکہ ابراہیم قتل کر دیا گیا تھا۔ یہ اپنی خلافت پر بیعت لیتے تھے۔ طبری نے جہاں لکھا ہے انہیں شیعیان بنوعباس ہی لکھا کیونکہ یہ اپنی بیعت لیتے تھے۔ خود ہی لکھ رہا ہے ابن خلدون کہ بنوعباس کی خلافت، لہٰذا محمد ابن عبداللہ ابن علی عباسی کی امامت کا اہل بیتؑ سے کیا تعلق ہے؟ یہ اپنی امامت پہ بیعت لیتے تھے۔ اب ہوا کیا ہے۔ ابو مسلم خراسانی کے کچھ ماننے والے، ہرماق اس کا لقب تھا، وہ ہرماقی جماعت کہلاتی تھی۔ ہرماقیہ کو انہوں نے جوڑا کیسانیہ سے۔ پھر لکھتا ہے بعض کیسانیہ فرقے، بعض کیسانیہ فرقے کیا، ایک ہی فرقہ تھا کیسانیہ جو شیعیت سے نکل گیا اور جو شیعیت سے نکل گیا اس نے اپنے آپ کو شیعہ کب کہا؟ جب وہ خود اپنے آپ کو شیعہ نہیں کہہ رہا تو آپ اسے ہمارے سر کیوں تھوپ رہے ہیں؟ وہ جب خود ہی نہیں کہہ رہے کہ ہم شیعہ ہیں، وہ کہہ رہے ہیں کیسانیہ ہیں لہٰذا اسے کیسانیہ ہی کہا جائے گا۔ شیعوں کے چار یا پانچ فرقے موجود ہیں، اگر کاغذ پر گنیں گے تو اکیس بائیس بنا دیئے جاتے ہیں۔ مگر عملی طور پر تو ایک ہی ہے، ان سے جو ٹوٹ گیا اس نے

پھر خود کو شیعہ نہیں کہا۔ کوئی زیدیہ ہوا، کوئی علویہ بنا، دروز کی تھوڑی سی جماعت بھی موجود ہے، یا فاطمیوں کے دو گروہ جو یہاں موجود ہیں مگر اثنا عشری شیعہ فرقہ تو ایک ہی ہے، آپ سب کو ہمارے سر کیوں تھوپے چلے جا رہے ہیں؟ اور اس پہ طرفہ طرہ یہ کہ ان کے بعض فرقے کیسانیہ تھے، ایک ہی فرقہ کیسانیہ تھا جو مرور زمانہ کے ساتھ وہیں ختم ہوگیا۔ اب اس کو لا کے ابن خلدون نے منسلک کیا ابو مسلم خراسانی کے ساتھ تو ابو مسلم خراسانی کو انہوں نے شیعہ ظاہر کیا۔ جب کہ ابو مسلم خراسانی کا کہیں بھی تشیع ثابت نہیں، نہ اس نے کبھی کہا کہ میں شیعہ ہوں۔

ابو مسلم خراسانی ہاشمیوں کے لیے اٹھا تھا اور کیوں اٹھا تھا اس لیے نہیں کہ اسے ہاشمیوں سے محبت تھی، بلکہ جیسا کہ میں نے بتایا کہ سیاسی لڑائیاں ہوتی ہیں تو ضرورت ہوتی ہے کہ اس کی بھی حمایت لو، اس کی بھی حمایت لو۔ آؤ بھئی ہمارے ساتھ مل جاؤ۔ ہم اقتدار میں آگئے تو آپ کو یہ دیں گے، آپ کو وہ دیں گے۔ مسئلہ سارا یہ تھا۔ خود ابو مسلم کیا تھا؟ خراسانی تو تھا ہی نہیں وہ۔ خراسانی تو یوں مشہور ہوگیا کہ خراسان کا والی تھا۔ ابو مسلم، خراسانی نہیں تھا بھائی۔ ایرانی نہیں تھا اور یہ جو لوگ سمجھتے ہیں اور چھوٹے موٹے مولوی چیختے رہتے ہیں۔ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ایرانی تھا۔ ارے بھائی اپنی ہی کتاب پڑھ لو، خود انہوں نے لکھا ہے کہ ایرانی نہیں تھا۔ وہ تو خراسان کا والی بنا، اس لیے خراسانی کہلایا۔

یہ جو لاؤڈ اسپیکر پر جمعہ کے جمعہ چیختے رہتے ہیں کہ وہ ایرانی تھا اور وہ آیا۔ ابن خلدون نے بھی اس کو ایرانی نہیں کہا، طبری نے بھی اس کو ایرانی نہیں کہا۔ جیسے ہمارے یہاں نجف اور قم سے پڑھ کر آنے والوں کو نجفی اور قمی لکھا جاتا ہے تو بھئی وہ پاکستانی ہیں ہندوستانی ہیں۔

ابو مسلم تھا کیا؟ ابھی آپ کو بتاتا ہوں۔ طبری نے اس کا مکمل بائیو ڈیٹا لکھا ہے۔ میں نے نہیں طبری نے لکھا ہے کہ جب عباسی تحریک کا آغاز ہوا ہے پہلی صدی ہجری کے خاتمے اور دوسری صدی ہجری کے اوائل میں ایک حدیث کی بنیاد پر، اور وہ حدیث ہو یا نہ ہو، ویسے ہوا بھی ویسا ہی۔ کہا رسولؐ نے فرمایا تھا اپنے چچا عباسؓ سے کہ خلافت ایک دن تمہاری اولاد

میں آجائے گی۔ یہ ان کے یہاں تھا سلسلہ، جیسا کہ ابن خلدون نے بھی لکھا کہ ان میں یہ تحریک چلنا شروع ہوئی۔ بنوامیہ کے اعمال کی وجہ سے جو لوگ مخالف ہو گئے تھے، ان میں یہ اپنے داعی بھیجتے رہتے تھے۔ بارہ داعین انہوں نے بنا رکھے تھے۔ ان میں سے ایک تھا بکیر بن ہامان۔ ۱۲۴ ہجری میں یہ مکہ سے نکلا کوفہ میں پکڑا گیا۔ ہشام کا دور ہے، اسے گرفتار کرلیا جیل میں ڈال دیا۔ شک ہے کہ یہ بنوعباس کا آدمی ہے، ابھی اندر ہی اندر دعوت چل رہی ہے۔ خفیہ تحریک چل رہی ہے۔ عباسیوں کی ساری تحریک خفیہ چل رہی ہے۔ عباسیوں کے تشیع کا کہیں ذکر نہیں ہے بکیر ابن ہامان کی جیل میں ملاقات ہوئی عیسیٰ ابن معقل عجلی سے، یہ بھی ان کا آدمی ہے۔ اس کے ساتھ اس نے غلام کو دیکھا جو خدمت کرتا ہے۔ پوچھا اس غلام کا کیا نام ہے۔ بتایا گیا ابو مسلم نام ہے۔ کہا کہ اس کو مجھے بیچ دے، مجھے اس سے بڑا کام لینا ہے۔ کہا ویسے ہی تیری نذر کیے دیتا ہوں۔ کہا یوں نہیں۔ غرض چار سو درہم میں ابو مسلم کو خریدا۔ جب یہ رہا ہوا تو اس نے بیچ دیا ابراہیم بن محمد کے ہاتھ جو عباسیوں کا اس وقت خلیفہ سمجھ لیجیے، امام سمجھ لیجیے، جو بھی سمجھ لیجیے۔ ابن خلدون نے امام لکھا ہے۔ ان کا، ہمارا نہیں۔

ہمارے یہاں تو بارہ امامؑ کا سلسلہ ہے، سب مورخین جانتے ہیں انہیں۔ تو محمد ابن علی تو انتقال کر گئے، اب یہ تحریک ابراہیم کی زیرنگرانی چل رہی ہے۔ ابراہیم کے پاس جب ابومسلم پہنچا تو اس نے اس کی خاص تربیت کی، سمجھ گیا کہ میرے بڑے کام کا آدمی ہے۔ اس کے لیے اتالیق مقرر کیے۔ یہ ابو مسلم ہے۔ ابراہیم نے ۱۲۹ ہجری میں ابومسلم کو خراسان بھیجا ہے کہ اب تم جاؤ اور ہماری دعوت کے لیے کام کرو تو وہاں وہ بڑی قوت پکڑتا ہے اس لیے کہ لوگ بنوامیہ کے خلاف ہیں۔ ان کے کرتوتوں کی وجہ سے۔ میں بتا رہا ہوں، وجوہات یہ ہیں کہ انہوں نے قابل نفرت کام کیے ہیں۔ جو حشر کیا ہے آپس میں بھی ایک دوسرے کا۔ لوگ ان سے تنگ ہیں، لوگ تلاش میں ہیں کہ کوئی ایسی قوت ہو جس کے جھنڈے تلے ہم جمع ہو جائیں، عام لوگوں کا تاثر اور انداز تو یہی ہوتا ہے۔ وہ تو انتقام چاہتے ہیں کہ انتقام کسی طرح سے لیا جائے۔

لیکن اس دور میں بھی ائمہ طاہرینؑ اپنے آپ کو الگ رکھے ہوئے تھے کہ یہ آپس میں ٹکرائیں ہم کسی ظالم کا ساتھ نہیں دیں گے۔ سازش کے ذریعے اماموں کو زہر دے کر شہید کیا گیا لیکن علی الاعلان ائمہ کے خلاف کبھی خروج کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ الزام کیا لگائیں اماموں پر۔ ائمہ اپنے بااعتماد شاگردوں جیسے ہشام ابن حکم مومن الطاق جیسوں کو تیار کررہے ہیں۔ یہ تحریکیں چلارہے ہیں امامؑ۔ یادرکھیے گا امامؑ ان ظالموں کی جنگ میں حصہ نہیں لے رہا جانتا ہے کہ بنوعباس آئیں گے تو یہ بنوامیہ سے بھی زیادہ سفاکیت کا مظاہرہ کریں گے۔

اس لئے اگر امامؑ ساتھ دے گا تو تشیع ساتھ دے گا، شیعہ علی الاعلان ساتھ دیں گے تو کل یہ ہوگا کہ دیکھو تم لوگوں نے ان قاتلوں کو ہمارے سروں پر مسلط کیا تھا۔ اسی لیے آج بھی کہتے ہیں کہ ان بدبختوں کا ساتھ نہیں دیا کرو کہ جب ایک سے ایک بڑھ کے ظالم آئے گا تو ان کو لانے والوں کے حصے میں بھی ان کے کارناموں کا کچھ "ثواب" جائے گا۔

لیکن ایسا بھی نہیں تھا کہ کسی نے ساتھ نہیں دیا۔ ساتھ دیا لیکن آپ اس کو تشیع نہیں کہہ سکتے، آپ اس کو اہل بیتؑ کا عمل نہیں کہہ سکتے۔ ابومسلم خراسانی کی جب تحریک شروع ہوئی تو اب جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ سیاسی عمل ہوتا ہے تو لوگ انفرادی طور پر بھی حصہ لیتے ہیں تو جب اس نے کوشش کی کہ شیعوں کی بھی حمایت حاصل کی جائے۔ انہوں نے کہا کہ جب تک ہمارا امامؑ ساتھ نہیں دے گا ہم تیرا ساتھ نہیں دیں گے۔

امامؑ کی خدمت میں آیا بیعت کرنی چاہی۔ امامؑ نے اسے بھگا دیا کہ جاؤ بھاگ جاؤ، تم لوگوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ واپس بھاگا مگر اس کے باوجود جن کے دلوں میں بنوامیہ کے خلاف نفرتیں تھیں، چھوٹے چھوٹے گروہ وہ اس کے ساتھ ہوتے چلے گئے، انتقامی کارروائیوں کے لیے کہ چلو اب ان سے بدلہ لیں گے پرانا۔ تو وہ تشیع کا کردار نہیں ہے۔ وہ تو سارا عالم اسلام بنوعباس کے ساتھ تھا تو آپ ان سب کو تو معاف کردیتے ہیں، وہ تو صحیح تھے انہوں نے کیوں ساتھ دیا؟ جیسے میں نے کہا کہ ایک دو جماعتیں چیخنا شروع کردیتی ہیں کہ شیعہ ان کے ساتھ ہیں، ان کا ساتھ نہیں دینا اور وہ جو تمہارا سارا خاندان ساتھ ہے؟ صحیح

شام کبھی اس پارٹی میں بیٹھتے ہیں، کبھی اس پارٹی میں بیٹھتے ہیں، تب تمہارے پیٹ میں درد نہیں ہوتا اسلام کا کہ یہ ادھر کیوں جا رہے ہیں۔ آپ آزما کے دیکھ لیجیے پوری تاریخ، تو بس اس وقت بھی انہوں نے یہی کیا کہ وہ جو چھوٹے چھوٹے گروہ، وہ اگر ساتھ دے رہے تھے ان کا اس لیے کہ پورا خراسان ساتھ ہوگیا، ہم نے ساتھ نہ دیا تو ہم بھی مار دیے جائیں گے۔ اس نیت سے یا انتقامی کارروائیوں کی نیت سے ساتھ ہوگئے۔ تو انہیں بہانہ مل گیا کہ اصل میں یہ سازش شیعوں کی تھی۔ یہ اقتدار چاہتے تھے۔ شیعہ اقتدار چاہتے تھے۔

ائمہ طاہرینؑ نے جس تحریک کی تائید نہیں کی اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ زید شہید کے قیام سے ہمارا تعلق ہے، اس پر ہمیں فخر ہے کیوں؟ اس لیے کہ امامؑ نے اس کو برا بھلا کہنے والوں پر نفرین کی اور امامؑ نے اس کے لیے دعائے مغفرت کی یہی ہمارے لیے کافی ہے۔

مورخ جب تاریخ لکھتے ہیں تو وہ لوگوں کو مغالطے میں ڈالتے ہیں، مختار سے سلسلہ جوڑتے ہیں تاکہ قاری کا ذہن بن جائے کہ یہ ہے سارا سلسلہ، یہ ہے سازش، یہ الگ قیام ہے، یہ الگ تاریخ ہے۔ وہ مظلوموں کی تاریخ ہے۔ انہوں نے انتقام میں بھی ظلم کو روا نہیں رکھا بلکہ انتقام میں بھی انتقام کو ملحوظ رکھا، جس بدلے کی قرآن نے نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ قصاص کو زندگی بتایا ہے۔

میں تکرار نہیں کرنا چاہتا، مختار پر کتاب چھپ چکی ہے، کیسٹوں میں مختار کے قیام پر پورا عشرہ محفوظ ہے۔ مختصراً یہ کہ مختار نے کمزوروں اور بے گناہوں پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ لیکن جب بنو عباس اور بنو امیہ میں جنگ ہوئی ہے تو مجھے بتائیے کہ کس امامؑ نے کس کا ساتھ دیا؟ امامؑ نہ اِن کے ساتھ ہیں نہ اُن کے ساتھ ہیں۔ امامؑ کا کوئی بڑا شاگرد آپ بتا دیجیے، امامؑ کا کوئی نائب بتا دیجیے۔ آپ نے کہا کہ صاحب خراسان والے ان کے ساتھ تھے۔ کوفے والے ان کے ساتھ تھے۔ تو بھیا! کوفے والے تو عبدالرحمٰن ابن اشعث کے ساتھ بھی تھے اور حجاج کے ساتھ بھی تھے، تو وہ جو ایک دوسرے کا قتل عام کر کے ستر ہزار انہوں نے مار ڈالے تھے، وہ کس حساب میں گئے؟

کوفے میں ہر دور میں کیا شیعہ ہی رہتے تھے؟ اور پھر پورے عالم اسلام میں جس کی اس وقت دس کروڑ آبادی ہوگی لیکن تمہیں فقط کوفہ ہی نظر آتا ہے۔ اگر کوفے کے کچھ لوگوں نے بنوعباس کا ساتھ دے دیا تو کہہ دیا کہ شیعوں نے ساتھ دے کر جنگ ہروادی۔ بڑی طاقت تھی کوفے کے شیعوں میں، جو پورے عالم اسلام کو الٹ پلٹ کر رکھ دیتے تھے۔ یہاں تو آپ نے پردہ ڈال دیا کہ ان کی سازش تھی، بنوامیہ کا ایسا سنہری دور، ایسے ایسے رنگیلے خلیفہ کہاں گزرے ہوں گے جنہیں شیعوں نے سازش کر کے ختم کرادیا۔ یہاں تو بہانہ مل گیا۔ اندلس میں اسپین میں کیا ہوا، وہاں تو کسی شیعہ کا وجود نہیں۔ عبدالرحمٰن الداخل جو ایک اکیلا بچ کر بھاگا تھا جس نے اپنی حکومت اسپین میں قائم کی تھی۔ آٹھ سو سال حکومت رہی تو پوچھو بھیا وہاں کیوں ختم ہوگئی حکومت؟ اور ایسی ختم ہوئی کہ اب وہاں کی کسی مسلمان کو شہریت بھی نہیں ملتی۔ تو وہاں کون تھا شیعہ؟ ابن خلدون بھی وہیں کی پیداوار تھا۔ یہ مورخ وہیں ہسپانیہ کا ہے، گیا عرب سے ہی تھا مگر بعد کو نسلیں وہیں آباد ہوئیں۔ ''خلدون'' یہ تلفظ ہسپانوی زبان کا ہی ہے۔ خالدون کا لفظ بگڑ بگڑ کر خلدون ہوگیا۔ تو عزیزانِ محترم! ہسپانیہ کی عظیم الشان اموی سلطنت کیوں ختم ہوگئی؟ جس کا پورا مرثیہ لکھا ہے علامہ اقبالؒ نے کہ مسجدوں کو اصطبل اور اب میوزیم بنا دیا گیا ہے۔ جوتوں سمیت جایئے اور پھر آیئے۔ تو پوچھو بھائی اس کو کس نے ختم کرادیا؟ تو طریقہ یہ بنایا کہ بنوامیہ اور بنوعباس کے عیوب کو چھپاؤ اور کہیں سے بھی ڈھونڈ کر الزام شیعوں پر لگاؤ۔ ہر چیز کا الزام ان کے اوپر رکھ دو۔

تو عزیزو! تاریخ کا طالب علم ایسی آسانی سے نہیں گزر جاتا۔ جیسے عام پڑھنے والا گزر جاتا ہے وہ دیکھ رہا ہے کہ یہ کیا ہے، یہ کیسا تماشا ہے؟ اب آپ دیکھیے تیسری جلد کا مقدمہ جناب عبدالقدوس ہاشمی صاحب نے لکھا ہے ہر جلد پہ دو چار صفحے لکھ دیتے ہیں۔ یاد رکھیے ہر کتاب کا پیش لفظ بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ یہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہیں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کیا سمجھانا چاہ رہا ہے۔ ایک نظریہ دے دیتا ہے کہ اس نظریے کے اندر رہ کر کتاب پڑھنی ہے۔ اس میں ایک نظریہ وہ یہ دے دیتا ہے کہ اِسی کو پیش نگاہ رکھ کر آپ کتاب کا مطالعہ کریں۔ تو ابن خلدون کے جو مترجمین اور حاشیہ نگار ہیں انہوں نے بھی یہی

کمال دکھایا ہے کہ ہم حاشیہ لگاتے جائیں گے۔ آپ اسے اس طرح سے پڑھتے چلے جائیں۔

اب یہ ظاہر ہے کہ ایک مجلس میں بنو عباس کی تاریخ نہیں پڑھنا، میں صرف تجزیہ پیش کررہا ہوں۔ یہ مورخین، مترجمین اور حاشیہ نگاروں کے کارنامے جو ہیں ان کی نشاندہی کے لیے اب دیکھیے ابن خلدون کا مترجم مقدمہ لکھ رہا ہے۔ پڑھنے والوں کو پڑھنے کے ساتھ سمجھنے کا ایک رخ دے رہا ہے تاکہ اس کی نگاہ سے پڑھنے والا پڑھے۔ کیونکہ بنو امیہ کا طرفدار اور بنو عباس کا مخالف ہے۔ لہٰذا لکھتا ہے اتنی بہترین سیاست اور سلطنت کا سورج غروب ہوگیا اور ایک عظیم الشان سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔ اسلام کی نمائندہ، ہاں اسلام کی نمائندہ حکومت تو ہے جیسے آپ نے سمجھایا، اسلام کی نمائندہ حکومت کا خاتمہ ہوا ہے ۱۳۲ ہجری میں اور خلافت بنو عباس میں چلی گئی اور بنو عباس کے دور سے اضمحلال و شکستگی کا دور شروع ہوا اور ۶۵۶ ہجری میں بغداد کی تباہی ہوئی لیکن مترجم کہتا ہے کہ شروع سے ہی ان کی آپس کی خانہ جنگی رہی، تباہی و بربادی رہی۔ ۶۵۶ ہجری میں جب تاتاریوں کا حملہ ہوا، چنگیز اور ہلاکو آئے، اس بارے میں دو چار منٹ آپ سے بات کروں گا کہ کیوں آئے؟ کیسے آئے؟ کس لیے آئے؟ انہوں نے تاراج کیا پھر بھی کسی نہ کسی صورت میں لولی لنگڑی خلافت چلتی رہی، حتیٰ کہ دسویں صدی ہجری میں سلیم العثمانی کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا، اور وہ عثمانیوں میں چلی گئی۔

پھر عثمانی خلافت کا خاتمہ کیسے ہوا؟ پورا باب ہی غائب کردیا تاریخ کا اور ارشاد ہوا ۱۳۴۲ ہجری میں جب ترکی کو پہلی جنگ عظیم میں شکست ہوگئی تو کمال اتاترک نے عربوں کی بے وفائی کی وجہ سے خلافت کے خاتمے کا اعلان کردیا۔

اس سے پہلے کیا لکھا ہے اس نے ایک جملہ۔ اس ترکی کی اسلامی سلطنت کو بھی تمام مملکتیں عزت و احترام سے دیکھتی تھیں سوائے ایران کے۔ اس لیے کہ اسلامی خلافت کی علامت تھی۔ مان لیا کہ عزت و احترام سے دیکھتی تھیں ایک ایران کی سلطنت کے علاوہ۔ یہی تو بات بتانا چاہ رہا ہوں آپ کو کہ زہر کس طرح ذہنوں میں بھرتے ہیں، نفرتیں کس طرح

دلوں میں اتارتے ہیں؟ ایک ایران کی سلطنت کے علاوہ سب انہیں عزت واحترام سے دیکھتے تھے۔ یعنی ذہن میں یہ بیٹھ جائے کہ ایران دشمن تھا خلافت کا باقی کوئی مخالف نہیں تھا۔ ٹھیک ہے۔ بڑے فخر سے ہم بھی کہتے ہیں کوئی منافقت تو نہیں کی، نہ کل مانا نہ آج مانا۔ آپ نے خود لکھ دیا کہ انہوں نے نہ کل مانا نہ آج مانتے ہیں۔ منافقت تو نہیں کی۔ آپ یہ بات کیوں چھپا گئے کہ اس خلافت کو ختم کس نے کیا تھا؟

یہ پورا باب، یہ پورا چیپٹر (Chapter) آپ نے دنیا سے کیوں چھپا دیا کہ یہ ختم کہاں ہوئی؟ اس کو دفن کہاں کیا گیا؟ کس کس نے غداریاں کیں؟ اور حجاز کا نام بدل کے سعودی عرب کب رکھا گیا؟ خلافت کا خاتمہ کس نے کیا سرکار؟

آپ کو عباسیوں کے دربار میں علقمی نظر آ گیا۔ آپ کو اسلامی جاہ وحشم کی نمائندہ خلافت عثمانیہ کو ختم کرنے والی آل سعود کی غداری کہیں نظر نہیں آئی؟ یہ خیانت کہیں نظر نہیں آئی آپ کو کہ کس طرح لارنس آف عریبیہ یعنی کرنل لارنس اور کیپٹن ہمفرے وغیرہ نے سازشیں کیں، پیٹھ میں چھرا گھونپا تو یہ سب کیسے لکھ دیتے آپ سرکار؟

آپ نے تو لکھ دیا سوائے ایران کے سب عزت واحترام کرتے تھے۔ خوب ایران نہیں مانتا تھا، آپ نے بھی اعتراف کرلیا۔ کل مانتے تھے نہ آج مانتے ہیں، ختم ہوگئی بات۔ صاف تو رہے۔ لیکن آپ کی اس خلافت کو ختم کس نے کر دیا تھا۔ کہاں ختم ہوئی؟ کہاں اس کا جنازہ اٹھایا گیا؟ اور کہاں دفن ہوئی؟ آپ عبدالقیوم صاحب کی لکھی ہوئی ''تاریخ نجد وحجاز'' ہی پڑھ لیتے جو مکتب بریلوی کے مصنف کی لکھی ہوئی ہے، جنہوں نے آل سعود کی سازشوں کو بے نقاب کیا ہے کہ کس طرح حجاز کا نام بدل کر سعودی عرب کر دیا گیا یعنی ان کے ابا کا ملک ہے پورا۔ حجاز نام تھا اس کا تو، مملکت حجاز کہلاتی تھی۔ تو عزیزو! ان کی غداریوں پر پردہ ڈال دو۔ یہ نہیں بتاؤ کہ ختم کس نے کیا؟

ایران اگر نہیں مانتا تھا تو وہ لکھ دیا کہ نہیں مانتے تھے۔ سوائے ان کے سب مانتے تھے اور سب عزت کرتے تھے۔ ختم کس نے کیا تھا سرکار؟ یہ بھی تو بتا دیجیے آپ؟ اپنے لوگوں کی غداریاں بھی تو بتایئے؟ کہ جس کو اقبالؒ بھی رو دیا کہ نام کی سہی، لنگڑی لولی سہی، ایک

علامت تو تھی اسلام کے حشم کی، سلطنت عثمانیہ، خلافت عثمانیہ۔ اب میں نے بتایا ہے کہ پورا ایک باب کھا گئے، بغیر حقائق بیان کیے آگے نکل گئے کہ یہ بتایا تو محمد ابن عبدالوہاب کی تحریک کے بارے میں بھی بتانا پڑے گا کہ اس کی بدولت اس خلافت کو ختم کیا گیا تو جس نے ختم کیا اس کا کوئی تذکرہ نہیں کرتے آپ۔ ان کا کوئی عیب نہیں گنواتے۔

یہ تو لکھ دیا تاریخوں نے کہ تاتاریوں کو علقمی نے بلایا تھا۔ بلایا ہوگا۔ اس کا بلانا تو ثابت نہیں لیکن یہ تو ثابت ہے کہ بغداد کی اس وقت حالت کیا تھی؟ بغداد کی صورت حال کیا تھی؟ یہی مورخین لکھتے ہیں کہ ہر چوراہے پر ڈنڈے لیے کھڑے تھے۔ شیعہ سنی نہیں، پچاس ساٹھ مذاہب، پچاس ساٹھ مسالک، پچاس ساٹھ فرقے۔ ایک دوسرے سے جوتم پیزار ہورہی تھی۔ آپ نے اتنا بڑا الزام لگادیا سرکار۔ ذرا یہ تو سوچیے کہ اتنے فرقے کیسے بن گئے؟ باقی فقہیں کیسے وجود میں آ گئیں؟ کوئی تذکرہ نہیں ہے، کوئی ذکر نہیں ہے اتنی صدیوں تک جو قتل و غارت گری آپس میں ہوتی رہی تو ایسے کتنے کردار ہیں تاریخوں میں؟ ایک علقمی پر کیا موقوف، پتہ نہیں کتنے کردار ہیں کہ جنہوں نے جب اپنی قوم کو خطرات میں دیکھا تو سب کچھ الٹ پلٹ کر رکھ دیا۔ ہم کوئی اسے معصوم تھوڑی کہہ رہے ہیں۔ ہم کب کہہ رہے ہیں کہ اسے امامؑ کی تائید تھی۔ ہم نے کب کہا کہ وہ نائب الامام تھا، ہم نے کب کہا کہ وہ مجتہد تھا؟

سرکار! اگر تاریخ کے ورق الٹنا شروع کریں گے تو آپ کو تو بڑی بڑی متبرک ہستیاں غداریاں کرتی نظر آ جائیں گی۔ ''رفضتمونی'' ''تم نے ہم سے رفض اختیار کیا'' یہ ایک بہت بڑی ہستی کے بارے میں ہی تو زید شہید نے کہا تھا کہ پہلے میری بیعت کی، میرے ساتھ عہدِ وفا کیا اور جیسے ہی دربار خلافت سے عظیم خطاب مل گیا، مجھے دشمنوں کے نرغے میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ تو عزیزو! ایک علقمی پر ہی کیا موقوف جب بیس بیس ہزار، پچاس پچاس ہزار آدمیوں کو، محلوں کو، شہروں کو جلادیا جائے گا اور تباہی و بربادی اپنی حکومتوں میں پھیلادی جائے گی تو کیا ہوگا؟

عباسیوں کے پانچ چھ سو سال کے پورے دور میں خانہ جنگیوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہوا، یہ تو آپ خود لکھ رہے ہیں۔ ایک علقمی آپ کو یاد رہا لیکن جن خلفاء نے ایک دوسرے

کے خون کی ندیاں بہادیں وہ آپ کو یاد ہی نہیں رہے۔۱۳۳ ہجری کے بعد عباس السفاح پہلا خلیفہ ہوا۔ چار سال میں یہ رخصت ہوا۔ اس کے بعد منصور اس کا بھائی بیٹھا۔ منصور کے بعد ہادی پھر مہدی پھر ہارون رشید، امین، مامون اور ۲۷۹ ہجری کے بعد پھر ان کا دھڑن تختہ شروع ہوا۔ آپس میں لڑائی، دنگا اور پھر یہی تاریخیں لکھتی ہیں کہ یہ حال ہوگیا تھا، عباسی خلفاء کا کہ انہیں وزراءِ عظم چلایا کرتے تھے۔ ہمارے ملک میں نہیں جیسے بعض اور ملکوں میں آج کل صدر کی حیثیت ہوتی ہے، بے چارہ کاٹھ کا الو ہوتا ہے تو اس کو وزیر چلاتے ہیں۔ کیا کہنا ہے، کیا کرنا ہے، چپ ہوجاؤ ڈانٹ بھی دیتے ہیں۔ ہمارے ہاں نہیں، اپنی بات نہیں کر رہا۔

بعض ملک دنیا کے نقشے پر ایسے ہیں کہ جہاں پر صدر بے چارے کی حیثیت ایسی ہی ہوتی ہے کہ وہ وزیروں سے پوچھتا ہے کہ مجھے کیا کہنا ہے، کیا کرنا ہے تم بتادو۔ تو ایسے ہی وزیر اِن زوال پذیر خلفاء کو چلایا کرتے تھے، جب میدان میں ہارنے لگتے تو خلیفہ کو اٹھا کے واپس لے آتے تھے کہ یہ پاس رہے گا تو کل پھر اس کو لا کے بٹھا دیں گے، ہم پھر وزیراعظم بن جائیں گے۔ تو ایسے وزیراعظموں کی حکومت رہی ہے۔

آل برآمکہ اور آل فلاں کون کون۔ نچاتے رہے ان خلیفاؤں کو لے کے، جیسے آج میں نے عرض کیا کہ ملکہ برطانیہ تنخواہ کے لیے اپیل کرتی ہیں۔ بھئی اتنی تنخواہ بڑھادو، چلانے والے دوسرے ہیں جیسے بہت ساری جگہوں پر میں نے بتایا کہ اس قسم کے عہدے رکھ دیے جاتے ہیں کہ بیٹھے رہو، بڑے ہو تم، کھاتے پیتے رہو، تمہیں وظیفہ ملتا رہے گا، باقی جو ہم کہتے ہیں کرتے رہو۔ جس دن اِدھر اُدھر ہونے کی کوشش کی، سارے وزیروں نے مل کر ان کی گردن دبائی جاؤ دوسرے کو بٹھادیں گے اور بہت سارے تمہارے جیسے پڑے ہیں۔ تو کس کی بات کررہے ہو، خود ہی تمہاری تاریخوں نے لکھا کہ یہ حال ہوگیا کہ خلیفہ کو گود میں اٹھا کے لے جاتے تھے۔ اونٹ پر بٹھا دیتے تھے کہ چلو ہمارے ساتھ۔ کہا کہ کہاں لے جارہے ہو؟ کہا کہ شکست ہو رہی ہے کل پھر آئیں گے، کل پھر تمہیں خلیفہ بنانے کی کوشش کریں گے۔ وہ خود بھی سوچتا ہے کہ چلو پھر میں خلیفہ بنوں گا۔ یہ حکمران تھے؟ ان کی تعریف اور توصیف کررہے ہو۔

تو عزیزو! یہ تحریفات ہیں کہ کسی طرح پڑھنے والے کے ذہن کو دوسری طرف ڈال دیا جائے۔ زہر اور یہ جو لاوا آپ کے خلاف پکا ہے، یہ ایسے ہی تھوڑی پکا ہے۔ میں نے بتایا ہے کہ آج بھی اتنے بڑے بڑے جاہل ہیں کہ مت پوچھیے۔ یہ نہ سمجھئے کہ امیر شام کے دور میں ہی ایسا تھا کہ اس دور کے لوگوں میں تو اونٹ اور اونٹنی کی تمیز نہیں ہوتی تھی، آج بھی ایسے ایسے مولوی ہیں جو ابو مسلم کو سمجھتے ہیں کہ وہ خراسانی تھا، ایرانی تھا۔ ارے بھائی وہ ایرانی نہیں تھا۔ جیسے تم وہاں سے پڑھ کے آجاتے ہو تو اپنے نام کے ساتھ لکھ دیتے ہو مکی، مدنی، اظہری۔ ہم لکھ دیتے ہیں قمی، نجفی۔ کوئی عیب نہیں ہے قمی، نجفی لکھنے میں۔ اسی طرح ابو مسلم صرف تین چار سال خراسان میں رہا تھا تو جب وہاں سے اس نے حملہ شروع کیا تو اس کا نام پڑ گیا تھا ابو مسلم خراسانی۔ تھا وہ یہیں کا، انہی شامیوں اور کوفیوں کا بھائی بند۔

تاریخ میں سب کچھ خود لکھتے ہیں اور جب ہم بیان کریں تو ناراض ہو جاتے ہیں۔ ارے بھائی یہ کیسا ظلم ہے؟ کچھ تو انصاف کرو ہمارے ساتھ۔ ہر چیز تم خود لکھ رہے ہو لیکن ہمیں جواب دینے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ ہم نے کہا تالی ایک ہاتھ سے تو نہیں بجا کرتی۔ آج اسی شہر کے حکومتی نمائندے ہمیں آ کے بلیک میل کرتے ہیں کہ صاحب دیکھیے وہاں جلوس جائے گا تو لوگ جذباتی ہو جائیں گے، جھگڑا ہو جائے گا۔ کسے ڈرا رہے ہو ہم ڈرنے والے نہیں ہیں۔ وہ بک بک کرتے ہیں تو تم ہمیں بلیک میل کرنے لگتے ہو۔ یہ سارا سال ہر جمعے کو جو بک بک کر رہے ہوتے ہیں نماز جمعوں کے خطبات میں اس سے تمہیں بدامنی کا خدشہ نہیں ہوتا انہیں لگام نہیں ڈالتے۔

ہاں اسی کے ساتھ ہم اعتراف کرتے ہیں کہ ہمارے کتنے ہی اہل سنت بھائی ایسے بھی ہیں، اسی شہر میں جو اپنی مساجد سے سوائے اتحاد کے کوئی آواز بلند نہیں کرتے۔ انہی کے درمیان ایسے بھی ہیں کہ ہر جمعے کو سوائے کافر کافر کافر کے انہیں کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ جیسے پاگل ہو گئے ہیں، دیوانے ہو گئے ہیں، کیا ہو گیا ہے انہیں ہماری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ابھی اکٹھے حج کر کے آ رہے ہیں ساتھ۔ جاؤ اپنے آقا سے کہو کہ اگر ہم کافر ہیں تو ہم پہ پابندی لگاؤ، نہیں آنے دو خانہ کعبہ میں۔ کیوں آنے دیتے ہو مکہ مدینہ میں کافروں کو۔ تو کیا آدمی

ہیں عقل نے سے پیدل، عقل سے عاری؟ کیسے آدمی ہیں جیسے عقل ہے ہی نہیں، عقل نام کی کوئی چیز ہی ان کے پاس سے نہیں گزری۔ کچھ سوچو تو سہی کس پر الزام لگا رہے ہو۔

پھر تمہارے آقا کیا ہیں؟ وہ منافق ہو گئے، پھر تمہارے والے سارے منافق ہو گئے۔ منافق کہتے ہیں کافر سے بھی بدتر ہے۔ یہی ہے کہ منافق کافر سے بھی بدتر ہے تو وہ تو منافق ہو گئے کہ جناب پتہ نہیں ان کے کیا منافع ہیں، کیا مفادات ہیں، کیا مصلحت ہے کہ چودہ سو سال سے سب کچھ کر لیا لیکن یہ نہیں کر سکتے کہ ہمارے حج کرنے پر پابندی لگا دیں وہ سرزمین ایسی ہے کہ جس پر غیر مسلم قدم نہیں رکھ سکتا اور ذرا بتاؤ یہ اعلان کون لے کر گیا تھا کہ غیر مسلم قدم نہیں رکھ سکتا۔ سورۂ توبہ، برات عن المشرکین، جو اس قابل تھا رسولؑ نے اس کو آیات دے کے بھیجا تھا، علیؑ تم جا کے اعلان کرو۔

حکم الٰہی ہوتا ہے کہ رسولؐ یا تو آپ پہنچائیے، یا جو آپ میں سے ہو اس کو بھیجیے۔ واپس بلا لیا جسے پہلے بھیجا تھا، علیؑ آپ جائیے۔ ایسی آسان بات نہیں ہے، کفار کے نرغے میں کھڑے ہو کر اعلان کرنا کہ اٹھاؤ اپنا بستر اور جاؤ مکے سے باہر۔ آج کے بعد کوئی کافر اس سرزمین پر قدم نہیں رکھ سکتا۔ اسی علیؑ کے تو ماننے والے ہیں، یہی تو جرم ہے۔ تو حرم میں یہ اعلان کس نے کیا تھا؟ علیؑ نے کھڑے ہو کر کیا تھا۔ کعبہ کی سرزمین پر، عرفات کے میدان میں یہ آیات سنائی تھیں، منیٰ میں سنائی تھیں، کعبہ میں سنائی تھیں۔ خبردار! آج کے بعد کوئی کافر یہاں قدم نہیں رکھ سکتا، خدا اور اس کا رسولؐ بیزار ہے تم مشرکین سے۔

عزیزو! اب جب اتنا بڑا اعلان بھی ہو گیا اور قرآن کی آیات بھی آ گئیں، اشاعت ہو گئی پورے عالم اسلام میں، تو پھر جائیے وہاں اپنے آقاؤں سے لڑیے، ان کا گریبان پکڑیے کہ ہم تو یہاں کافر کافر کا شور مچائے ہوئے ہیں تو آپ انہیں حج کرنے کی اجازت کیوں دیتے ہیں۔ مصر جائیے، الجزائر جائیے، یہاں وہاں، جہاں جائیے۔ وہاں غل غل مچائیے۔ وہاں کے خود اہلسنت علماء ان کے حیران ہوتے ہیں کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ ہم نے کہا کہ بھیا کیا کریں، یہ اپنی روایت پر چل رہے ہیں ہم اپنی روایت پر چل رہے ہیں۔ کیا کیا جائے مجبوری ہے، ہم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

عزیزو! ضروری ہے مجبور ہوں، اس لیے یہ باتیں کر رہا ہوں۔ یہ مت سمجھئے گا کہ مجھے مناظرہ پڑھنے کا شوق ہو گیا ہے۔ پہلے کبھی کسی نے مجھ پر اعتراض کیا؟ اعتراض کیا تھا یا خوش ہو کے کہا تھا آپ کی باتوں میں تھوڑا مناظرے کا رنگ آ جاتا ہے۔

نہیں عزیزو! یہ مورال کی بات ہے، یہ قوم کے جذبے کی بات ہے۔ اگر ان سوالات کے جوابات نہیں دیے گئے تو ہمارے بچے تو یہی سمجھیں گے کہ ہمیں تو اسکولوں میں بات ہی نہیں کرنی چاہیے۔ ہمیں تو خاموش رہنا چاہیے۔ کیوں خاموش رہو، سینہ تان کے رہو۔ سوال کے جواب میں سوال کر دو۔ جو تم سے سوال کرے تم اس سے سوال پوچھو کسی کی جرأت نہیں ہوگی کہ تم سے سوال کرے۔ ان سے پوچھو کہ ہم تو تمہیں جواب دے دیں گے کہ کس کا ماتم پہلے ہوا تھا؟ وہ ہم بتا دیں گے کہ کسی کے خون بھرے کرتے کو لے جا کے جلوس اٹھائے گئے تھے؟ ہم بتا دیں گے کہ تمہیں کہ کس کی کٹی انگلیاں اٹھا کے پچاس پچاس ہزار آدمیوں نے تاریخ میں ماتم کیے ہیں۔ یہ ہم بتا دیں گے تمہیں کہ طبری اور ابن خلدون نے لکھا اور کیسے افسوس سے لکھا کہ ہزاروں آدمی دن دن بھر ماتم کرتے تھے، نوحہ پڑھتے تھے، وہ دلیلیں تو ہم دے دیں گے تمہیں کہ ماتم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ وہ دلیلیں ہم تمہیں بتا دیں گے۔ وہ سب بتا دیں گے۔ سب باتوں کے جواب سے پہلے ان سوالات کے جواب لے کر آؤ۔

ارے بھئی اپنے بچوں کے لیے پڑھ رہا ہوں، مجبور ہوں کہ ان کو یہ سوالات دیے جائیں، یہ چھوٹی باتیں ہیں کہ ماتم کرنا ہے کہ نہیں کرنا۔ میں نے عرض کیا تھا شاید پہلی مجلس میں یا کسی اور جگہ کہ ماتم تو فطرت ہے۔ روزانہ سارا سال یہی تو تبلیغ کرتا رہتا ہے ٹی وی، ریڈیو ان کی، وہی خبرنامے کے بعد فوراً ماتم دکھاتا ہے۔ نہیں دکھاتا؟ کشمیر کی فلم چلاتا ہے تو کوئی ملا نہیں کہتا کہ اس فلم کو بند کرو، ماتم کی تشہیر نہ کرو، یہ ماتم بدعت ہے۔ سب کہتے ہیں شہید ہیں۔ یہ بھی تو شہید کا ماتم ہو رہا ہے، فرق اتنا ہے، ہم اس کو برا نہیں کہتے۔ ہاں ان کے جوان مرے ہیں یہ کیوں نہیں روئیں گے؟ فرق اتنا ہے کہ ہمارے جوان مر جائیں تو ہم اپنے جوان کو چھوڑ کے حسینؑ کے جوان کا ماتم کرتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کو چھوڑ کر حسینؑ کے بھائی کا ماتم کرتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ ہم اپنے بچوں کو بھول کر اولادِ

رسول ؐ کا ماتم کرتے ہیں۔ دلیلوں کو چھوڑو۔ تم کیوں کرتے ہو، کیا کرتے ہو، کیا نہیں کرتے؟

یہ تو مسلمان ہیں، دنیا میں کہیں بھی احتجاجی تحریک میں جہاں بھی دیکھو گے چاہے افریقہ کے ہوں، چاہے لاطینی امریکہ کے، جس کا مرتا ہے وہ سینہ اور سر پیٹتا ہوا ہی باہر آتا ہے۔ جس کا مرتا ہے وہ ایک ہی انداز سے غم کا اظہار کرتا ہے۔ دنیا میں بس ایک ہی انداز ہے پرسہ دینے اور سوگ منانے کا، وہ ہے سر و سینہ پیٹنا۔ یہ تو بچوں والی باتیں ہیں کوئی ہم سے آ کے کہے کہ ماتم کیوں اور رونا کیوں اور اتنے سال سے کیوں؟ ہم تو اولادِ رسولؐ کا ماتم کر رہے ہیں، ہم تو اولادِ رسولؐ کو رو رہے ہیں۔

عزادارانِ حسینؑ ! لوگ آخر روتے ہیں کیا نہیں روتے؟ لگا دیں پابندی کہ بدعت ہے، شرک ہے۔ جاؤ وہ عورتیں تمہاری داڑھیاں نوچ کے پھینک دیں گی، جن کے مرتے ہیں جو ماتم کر رہی ہیں۔ اپنے چچا حمزہؓ کا ماتم کیا ہے رسول ؐ نے، حمزہؓ کی مجلس کی ہے رسول ؐ نے، جب کوئی نہیں تھا رونے والا حمزہؓ کو۔ سب عورتیں اپنے اپنے شہیدوں کو رو رہی تھیں جب حمزہؓ کے گھر کے آگے سے گزرے رسول ؐ تو فرمایا کہ کیا میرے چچا کو رونے والا کوئی نہیں ہے؟ سب انصار آ گئے اپنے شہیدوں کو چھوڑ کے، ان کی عورتیں آ گئیں کہ رسول ؐ کے چچا کو رونا ہے۔ تین دن جناب امیر حمزہؓ کا ماتم ہوتا رہا۔

کربلا کا واقعہ ایسا ہے جس کے لیے طبری نے بھی لکھا ہے اور تاریخ الخلفاء میں بھی میں نے سیوطی کے یہ الفاظ پڑھے ہیں۔ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا کہ واقعہ کربلا کے بعد چھ دن تک آسمان سرخ رہا، کبھی سرخ ہوائیں چلتی تھیں، کبھی سیاہ آندھیاں چلتی تھیں۔ چھ ماہ تک آسمان میں سرخی رہی۔ یہ سیوطی کے الفاظ ہیں، ہمارے نہیں کہ اس کے بعد آج تک یہ جو شفق پہ سرخی دیکھتے ہو، یہ عاشور کے بعد نمودار ہوئی تھی۔ کہتا ہے کہ یہ موجود ہے روایات میں، تاریخ میں لکھ رہا ہے کہ جناب حسینؑ کا ماتم جنوں نے کیا ہے، زمین سے خون ابلا ہے، آسمان سے خون برسا ہے۔ یہ سیوطی لکھ رہا ہے اور جس نے بھی تھوڑی سی بھی حقیقت کو بیان کرنا چاہا ہے۔ اس نے یہی لکھا ہے کہ ہم اس کا ماتم کر رہے ہیں جس کی خاک آج بھی رو

رہی ہے، جس کی مٹی آج بھی عاشور کے دن سرخ ہوجاتی ہے۔ جس کے لئے آسمان آج بھی سرخ ہوجاتا ہے۔

عزادارانِ حسینؑ! ہم اس کا ماتم کررہے ہیں، جس نے قربانیاں دی ہیں۔ ہر قاتل نے، ہر ظلم کرنے والے نے یزید سے انعام لینے کے لیے اپنے ظلم کی خود تشہیر کی۔ ایک روایت میں نے پڑھی کہ جس نے پہلا تیر مارا تھا حسینؑ کو، جب وہ پہنچا ہے یزید کے سامنے تو دیوانہ ہوگیا تھا۔ کہتا تھا امیر میری جھولی کو سونے اور چاندی سے بھردے، میں نے بہترین خلائق کو قتل کیا ہے، میں نے اس فرد کو قتل کیا ہے کہ جس کے ماں باپ سے بہتر ماں باپ اس روئے زمین پر نہیں تھے، جس سے بہتر مخلوق روئے زمین پر کوئی نہ تھا، مجھے انعام دے کہ میں نے رسولؐ کے نواسے کو قتل کیا، میرے دامن کو سونے چاندی اور ہیرے جواہرات سے بھردے۔ یزید نے کہا کہ جب وہ بہترین خلائق تھا تو تو نے اسے قتل کیوں کیا؟ بس وہ کہتا ہے کہ ہاں یزید میں نے انعام کے لالچ میں اس بہترین خلائق کو قتل کرڈالا۔

اب عزادارانِ حسینؑ! ایک ایک قاتل اس انداز میں آیا کہ

میں نے تیر مارا ہے اصغرؑ کی گردن پر، کیوں؟

کیونکہ انعام لینا ہے۔

میں نے برچھی ماری اکبرؑ کے کلیجے میں۔

میں نے عباسؑ کا بازو قلم کیا تھا۔

میں نے عباسؑ کے سر پہ گرز مارا تھا۔

میں نے عونؑ کو زمین پر گرایا تھا۔

میں نے محمدؑ کو گھوڑے سے گرایا تھا۔

میں نے سب سے پہلے اپنے آپ کو آمادہ کیا تھا۔

کہ حسینؑ کی لاش پر گھوڑے دوڑائے جائیں۔

عزادارانِ حسینؑ! بس ایک ایک ظالم اپنے جرم کا اقرار کررہا ہے۔ کتنا شور کرتے ہیں آپ احترام کا، آیئے یزید کے دربار میں دیکھیے۔ تاریخیں کہتی ہیں کہ یہ ملعون شراب کے

نشے میں بدمست بیٹھا ہے، مدہوش ہے اور چھڑی سے بے ادبی کررہا ہے، توہین کررہا ہے لبِ حسینؑ کی۔ رسولؐ کا صحابی زید بن ارقم اپنی جگہ سے کھڑا ہوجاتا ہے۔ صحابیٔ رسول ہے۔ کہتا ہے اوملعون! اس چھڑی کو ہٹالے حسینؑ کے لبوں سے، میں اپنی آنکھوں سے رسولؐ کو ان لبوں کے بوسے لیتے دیکھا ہے۔ یزید غصے میں آیا۔ کہتا ہے او بڈھے! اگر تو رسولؐ کا صحابی نہ ہوتا تو میں تیری گردن مار دیتا۔ رسول کا صحابی پھر کہتا ہے کہ ملعون تجھے اس بات کا اتنا خیال ہے کہ میں رسولؐ کا صحابی ہوں اور جس سر کی تو توہین کررہا ہے اس حسینؑ کو رسولؐ نے اپنی گود میں کھلایا تھا، اپنے شانوں پر بٹھا کے مدینے کی گلیوں میں گھوما کرتا تھا۔ یہ وہ حسینؑ ہے جس کے لیے رسولؐ اپنے سجدے کو طویل کردیا کرتا تھا۔

یہ تاریخ کا ظلم ہے، تاریخ کا ظلم ہے عزادارو! ایک تاریخ جو چلتی رہی۔ بس اسی لیے تو حسینؑ نے کربلا برپا کی تھی۔ پوری دنیا کی طاقت ایک طرف ہوجائے، پوری دنیا ایک طرف ہوجائے۔ میں تمہیں ایک ایسی تاریخ دے جاؤں گا کہ دنیا بھر کے جعلی مورخین، تنگ نظر متعصب مورخین کربلا کی دیوار سے اپنا سر ٹکراتے رہیں گے، اپنے سروں کو پھوڑتے رہیں گے۔ مگر تم کربلا کو ہاتھ سے مت چھوڑنا۔

تم کربلا کو ہاتھ سے مت نکلنے دینا۔

کربلا اسلام کی تاریخ ہے۔

کربلا امامت کی تاریخ ہے۔

یہ تاریخ اصغرؑ کے بغیر نامکمل ہے۔

جو اکبرؑ کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔

جو کربلا کے شہداء کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔

جو چار سال کی بچی سکینہؑ کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔

الا لعنت اللہ علیٰ قوم الظالمین

مصادر

۱۔قرآن مجید
۲۔تفسیر المیزان
۳۔تفسیر نمونہ
۴۔نہج البلاغہ
۵۔تاریخِ طبری
۶۔تاریخ ابنِ خلدون
۷۔تاریخ ابوالفداء
۸۔تاریخ اعثم کوفی
۹۔تاریخ احمدی
۱۰۔تاریخ اسلام (علامہ علی نقی)
۱۱۔تاریخ الخلفاء (سیوطی)
۱۲۔طبقات ابنِ سعد
۱۳۔سیرتِ امیر المومنینؑ (مفتی جعفرؒ)
۱۴۔عبداللہ ابنِ سبا (محقق مرتضی عسکری)
۱۵۔معالی السبطین
۱۶۔امام شناسی (آیت اللہ طہرانی)
۱۷۔خلافت وملوکیت (مولانا مودودی)
۱۸۔امامت وملوکیت (علامہ حسین بخش جاڑا)
۱۹۔احکام السلطنیۃ (امام ماوردی)
۲۰۔تاریخ ابن اکثیر
۲۱۔دنیا کے آٹھ خبیث انسان (یونس حسرتؔ)

www.UmmulBaneen.com